ہونہار
سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ
1932
U 9136
Acc. No
Call. No

اغراض و مقاصد

(۱) ہندوستان کے مختلف فرقوں کے بچوں میں اتحاد پیدا کرنا۔
۲۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ایسے مضامین شائع کرنا جن کے مطالعہ سے انھیں تعلیم سے دلچسپی ہو۔ ان کی قابلیت بڑھے۔ ان کی معلومات اضافہ ہو، ان میں ترقی کرنے کا جذبہ پیدا ہو، اور ان کے اخلاق سدھر جائیں۔

قواعد و ضوابط

۱۔ رسالہ ہونہار ہر ماہ کے وسط میں شائع ہوتا ہے۔
۲۔ اگر کبھی اتفاقاً رسالہ نہ ملے یا رسالہ پہنچنے میں دیر ہو جائے تو مہینے کے آخر تک رسالہ کے وصول نہ ہونے کی اطلاع دے دینی چاہیے، اس کے بعد طلب کرنے والوں کو قیمتاً بھیجا جائے گا۔
۳۔ رسالہ ہونہار کا سالانہ چندہ تین روپے، بذریعہ وی پی ۳؎ اور ششماہی ۱۲؎ ہے۔
۴۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیے، جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ۱؎ کے ٹکٹ بھیجئے، بیرنگ خطوط وصول نہیں کئے جائیں گے۔
۵۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام منیجر رسالہ ہونہار قرولباغ دہلی ہونی چاہیے، مضامین و دیگر شکایات کے متعلق تمام خطوط ایڈیٹر صاحب رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی کے نام آنا چاہئیں۔
۶۔ مضامین جو رسالہ ہونہار میں شائع ہونے کے لئے بھیجے جائیں، مختصر اور عام فہم ہونے چاہئیں جن کو بچے نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں اور جو بچوں کے اخلاق سدھارنے اور ان میں ترقی کا جذبہ پیدا کرنے میں معاون ہوں۔

"منیجر"

جلد ۳ | بابت ماہ مارچ ۱۹۳۲ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

انعامی معمّے کا حل

سالگرہ نمبر بابت ماہ جنوری ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۵۶ پر جو انعامی معمہ دیا گیا تھا اس کا جواب یہ ہے:
"جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا" مندرجہ ذیل حضرات نے صحیح جواب بھیجا ہے۔

۱۔ رفعت حسین صاحب ۔ عثمانی ۔ علیگڑھ
۲۔ محمد رضی خاں صاحب ۔ مارہرہ ۔ ضلع ایٹہ
۳۔ عبد اللطیف صاحب ۔ سرہند
۴۔ راجہ جتندر پرشاد ۔ بیگم پیٹ ۔ حیدر آباد دکن
۵۔ محترمہ ثریّا بیگم ۔ فرخ آباد
۶۔ محترمہ ایزی ۔ لکھنؤ
۷۔ خلیل احمد صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی
۸۔ محی الدین صاحب ۔ مستعد پورہ ۔ حیدر آباد دکن
۹۔ غلام الثقلین صاحب رائے پور ۔ فرخ آباد
۱۰۔ محمد مستجاب صاحب ۔ رائے پور ۔ فرخ آباد
۱۱۔ عبد الناصر صاحب ۔ جامعہ ملیہ دہلی
۱۲۔ تاثیر احمد صاحب ۔ نینی تال

بعض طلبہ نے ٹکٹ نہیں بھیجے تھے اس لئے اُن کو شامل نہیں کیا گیا۔ بذریعہ قرعہ اندازی حسب ذیل نتیجہ نکلا۔
انعام اول ۔ خلیل احمد صاحب دہلی ۔ انعام دوم ۔ محترمہ ثریّا بیگم فرخ آباد انعام سوم ۔ راجہ جتندر پرشاد صاحب

(گذشتہ سے پیوستہ)

تیسرا منظر

صدر مدرس کا دفتر

(صدر مدرس بیٹھے کام کر رہے ہیں، دروازے کے باہر سے آواز آتی ہے "میں حاضر ہوں")

صدر مدرس - کون طرار چلے آؤ۔

(طرار داخل ہوتا ہے اور کھڑا رہتا ہے)

صدر مدرس - کہو بھئی اچھے تو ہو۔

طرار - جی اچھا ہوں۔

صدر - کل تمھارے والد کا خط آیا تھا تمھیں ملا۔

طرار - جی ہاں۔

صدر مدرس - سب خیریت ہے؟

طرار - اماں کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ لکھا ہے چھٹی سے ایک روز پہلے چلے آؤ۔

صدر مدرس - مگر تمھیں تو جانے کی ممانعت ہے اب کیا کرو گے؟

طرار - یہ لکھ دوں گا کہ میں نہیں آسکتا۔

صدر مدرس - تمھاری ماں کو بڑا قلق ہوگا۔

طرار - جی ہاں۔

صدر مدرس - اور عزیزوں کو بھی۔

طرار - جی ہاں چھوٹی بہن بہت روئے گی۔

صدر مدرس - بھلا نہ جانے کا سبب کیا لکھو گے؟

طرار (خاموش، صدر مدرس - آخر کوئی سبب تو لکھنا ہی ہوگا۔

طرار - لکھ دوں گا کہ ماسٹر صاحب نہیں آنے دیتے

صدر مدرس - اور جو وہ پوچھیں کیوں؟

طرار تو سچا حال لکھ دوں گا۔

صدر مدرس۔ شاباش۔ مگر پھر سب لوگ تم سے ناراض ہو جائیں گے۔

طرار۔ جی ہاں جب گھر جاؤں گا۔ تو ابا ماریں گے

صدر مدرس۔ اور خفا بھی ہوں گے؟

طرار۔ جی ہاں؟

صدر مدرس۔ تمھیں ان کی خفگی کا زیادہ رنج ہوگا یا مارنے کا؟

طرار۔ مارنے کا۔

صدر مدرس۔ اور جو وہ پیار میں ماریں۔ تب بھی رنج ہوگا۔

طرار۔ جی نہیں۔

صدر مدرس۔ تو معلوم ہوا رنج اصل میں خفگی کے سبب سے ہوگا۔ ٹھیک ہے نہ؟

طرار۔ جی ہاں ٹھیک ہے۔

صدر مدرس۔ بھلا تمھیں اپنے ماسٹر صاحب کی خفگی کا بھی رنج ہوتا ہے۔

طرار۔ (منہ بناکر) جی ہاں۔

صدر مدرس۔ اور میری خفگی کا۔

طرار۔ بہت رنج ہوتا ہے۔

صدر مدرس۔ پھر تم ایسی حرکتیں کیوں کرتے ہو کہ تمھارے باپ اور اُستاد خفا ہوں۔ اور تمھاری ماں اور بہن کا دل دُکھے۔

طرار۔ (خاموش)

صدر مدرس۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تمھاری اکثر شرارتیں اظہار کو دق کرنے کے لئے ہوتی ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

طرار۔ میری اُن کی لڑائی ہے۔

صدر مدرس۔ یہ کیوں؟

طرار۔ جی وہ مجھ پر ہنسا کرتے ہیں اور ماسٹر صاحب سے میری شکایت کر دیتے ہیں۔

صدر مدرس۔ وہ ہنسی کی بات پر ہنستا ہوگا اور شکایت کی بات پر شکایت کرتا ہوگا۔

طرار۔ نہیں ماسٹر صاحب مجھے سزا ملتی ہے تو ہنستے ہیں۔ اور ان کی خوشامد کی عادت ہے۔ جو بات ہو جاکر ماسٹر صاحب سے جڑ دیتے ہیں۔ خوشامد خورا کہیں کا

صدر مدرس۔ ہاں خوشامد کرنا اور خواہ مخواہ شکایت کرنا تو بری بات ہے۔ تو تم اسی لئے اُسے بُرا سمجھتے ہو۔ اور ستاتے ہو۔

طرار - جی ہاں۔

صدر مدرس - تم سے صالح سے بڑی دوستی ہے صالح بھی اظہار کو بُرا سمجھتا ہے۔

طرار - جی ہاں اُسے کون اچھا سمجھے گا بہنا - کمزور مار کھانے کی نشانی۔

صدر مدرس - مگر صالح اظہار کو نہیں ستاتا نہ اظہار صالح کی شکایت کرتا ہے۔

طرار - صالح بڑے نیک ہیں، کسی کو نہیں ستاتے اور کبھی شرارت نہیں کرتے۔ پھر اظہار کس مُنہ سے اُن کی شکایت کرے۔

صدر مدرس - (مسکراکر) اگر تم بھی بڑے نیک ہوتے۔ کسی کو نہ ستاتے اور کبھی شرارت نہ کرتے۔ پھر اظہار کس منہ سے تمھاری شکایت کرتا۔ اور تمھیں کیوں ضرورت پڑتی کہ اس رونے ہنسنے، کمزور مار کھانے کی نشانی کو ستاؤ۔

طرار (خاموش)

صدر مدرس - اچھا تمھیں صالح اچھا سمجھتا ہے

طرار - جی ہاں وہ میرے دوست جو ہیں۔

صدر مدرس - مگر تمھاری شرارتوں پر ہم سب ناراض ہوتے ہیں۔ تو وہ بھی ناراض ہوتا ہوگا۔

طرار - جی نہیں وہ کبھی ناراض نہیں ہوتے۔

صدر مدرس یہ اس کی نیکی ہے۔ مگر جب تم سزا پاتے ہو تو اسے ضرور صدمہ ہوتا ہوگا۔

طرار - جی ہاں ہوتا ہے۔

صدر مدرس تو تمھیں شرم نہیں آتی کہ ایسے دوست کو جو تمھاری بری حرکتوں پر بھی ناراض نہیں ہوتا۔ صدمہ پہنچاتے ہو۔

طرار - (خاموش)

صدر مدرس - اچھا یہ تو بتاؤ تم کون سا کھیل کھیلتے ہو۔

طرار - ہاکی کھیلا کرتا تھا۔ مگر اب نہیں کھیلتا۔

صدر مدرس کیوں؟

طرار - اظہار نے سب لڑکوں کو میرے خلاف کر دیا ہے۔ میرے ساتھ کوئی کھیلتا ہی نہیں

صدر مدرس تم کہتے ہو اظہار کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر اس کے کہنے سے تمھارے خلاف کیسے ہو گئے؟ یہ کہو تمھاری شرارتوں سے گھبراتے ہوں گے۔

طرار ۔ جی ہاں مجھ سے ڈرتے ہیں

صدر مدرس ۔ تمہارے لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں اس پر فخر ہے دیکھو ایک ڈر تو وہ ہوتا ہے جو ادب اور عزت کے سبب سے ہو ۔ اور ایک وہ ہوتا ہے جو تکلیف کے اندیشہ سے ہو جیسے آدمی مرکھنے بیل، بھوت پریت سے ڈرتا ہے ۔ ہے کہ نہیں؟

طرار ۔ جی ہاں ۔

صدر مدرس ۔ تم سے لڑکے ادب یا عزت کے سبب سے تو ڈرتے نہیں ۔ ظاہر ہے کہ تمھیں مرکھنے بیل یا بھوت پریت کی طرح سمجھتے ہیں ۔ اسی لئے تم سے بھاگتے ہیں تمھارے سائے سے پرہیز کرتے ہیں ۔

طرار (خاموش)

صدر مدرس ۔ ادھر آؤ میرے قریب بیٹھ جاؤ ۔ (طرار جھجکتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے صدر مدرس شفقت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہیں) دیکھو بیٹا تم مدرسے آنے سے پہلے اپنے گھر رہتے تھے تو تمھاری اماں، ابا، بہن اور سب عزیز تمھیں چاہتے تھے ۔ اب تم اپنا بڑا گھر چھوڑ کر اس سے بڑے گھر میں آئے ہو یہاں وہ محبت جو عزیزوں کو خود بخود ہوتی ہے تمھیں نہیں مل سکتی ۔ مگر پھر بھی انسان انسان ہی ہے ۔ وحشی جانور نہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے ۔ اور ساتھ رہنے سہنے سے یہ راہ اور کھل جاتی ہے ۔ محبت اور خدمت سے غیر اپنے ہو جاتے ہیں ۔ تم اپنے ساتھ کے لڑکوں کے ستانے کی جگہ ان سے اچھا سلوک کرو گے تو وہ بھی عزیزوں کی طرح ہو جائیں گے ۔ اسی طرح دنیا ایک بہت بڑا گھر ہے ۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو تمھیں بہت سے لوگوں سے سابقہ پڑے گا ۔ ان کی سچے دل سے خدمت کرو گے تو ان کے دل میں بھی گھر کر لو گے ۔ سب تم کو اپنا سمجھیں گے ۔ اور تم سب کو اپنا سمجھو گے ۔ سب کا مالک، سب کا خالق اللہ، تم سے خوش ہو گا ۔ یہی چیز دنیا میں سب سے بڑھ کر ہے، اسی کے لئے انسان سب کچھ کرتا ہے، اچھا بتاؤ اگر سارے انسان ایک دوسرے سے ایسی ہی محبت کرنے لگیں جیسی ماں بیٹے، بھائی بہن میں ہوتی ہے تو تم کو خوشی ہوگی ۔

طرار ۔ جی ہاں بڑی خوشی ہوگی ۔

صدر مدرس ۔ تو پھر اس کے لئے اپنی سی کوشش
کرنا چاہیئے ۔ کم از کم انسان اپنا رشتہ تو سب سے جوڑ
لے ۔ اور خدا نے جتنی قابلیت دی ہو اس سے اپنے
بھائیوں کی خدمت میں کام لے ۔ تم میں جو یہ شرارت
کا مادہ ہے اگر غور کرو تو اس کی جڑ طبیعت کی جولانی
جرأت اور جوش ہے ، اور یہ سب بڑے کام کی
چیزیں ہیں ، بہ شرطیکہ ان کا استعمال اچھے مقصد
کے لئے اور صحیح طریقے سے ہو ۔ اگر تم ان کے ذریعے
سے اپنے مکتب بھائیوں کی خدمت کرو تو تمھارا
دل بھی خوش ہو اور وہ بھی تمھیں دل سے چاہنے
لگیں ، تم کھیل میں لڑکوں سے لڑتے ہو ، لڑکے
تمھیں ساتھ نہیں کھلاتے اگر تم اپنی تیزی اور جرأت
سے یہ کام لیتے کہ اپنی ٹیم کے جیتنے کے لئے جان
لڑا دیتے تو سب تمھیں آنکھوں پر بٹھاتے ۔ تمھیں یاد
ہے جب چیچک کا ٹیکہ تم نے سب سے پہلے خوشی
خوشی لیا تھا تو تمھاری کتنی تعریف ہوئی تھی ؟

طرار جی ہاں پارسال اکتوبر میں ۔

صدر مدرس ۔ اور جب تم نے باؤلے کتے کو
مار کر نکالا تھا تو لڑکے تم سے کتنے خوش تھے ۔

طرار (جلدی جلدی سر ہلاتا ہے ،

صدر مدرس ۔ یہ ایسے کام تھے جس میں تم
نے اپنی ہمت اور جرأت کا مفید استعمال کیا مگر ۔
کل رات اور آج صبح تم نے انھیں چیزوں کو ایسی
بری طرح برتا کہ لڑکے تم سے الگ نالاں ہیں ۔ اور
ماسٹر صاحب الگ خفا ہیں ۔ تمھارا گھر جانا بند ہو گیا
جس سے تمھارے ماں ، باپ اور بہن کو بڑا قلق
ہو گا ۔ اگر تمھارا یہی حال رہا تو ممکن ہے کہ تم ایک خوفناک
مجرم بن جاؤ ۔ تم سے لوگوں کے جان اور مال کو
نقصان پہنچے اور وہ تمھیں سچ مچ کے قید خانے میں
جکڑ کر رکھیں ۔ لیکن اگر تم نے اپنے جوش اور دلاوری
سے لوگوں کی خدمت کا کام لیا تو شاید تم ایک دن
جہاز کے ناخدا بن کر طوفان سے لڑو یا سیاحی کی
مہم میں پُر ہول جنگلوں اور خطرناک پہاڑوں کو سر کرو
یا اپنے وطن کی حمایت کا بیڑا اٹھا کر آزادی کا جھنڈا
لہراؤ ۔ طرار مجھ کو تم سے بڑی امیدیں ہیں ، تم ذرا سدھر
جاؤ تو ایسے ایسے کام کرو گے جو کسی سے نہ ہوں
گے ۔ اچھا اب تم جاؤ ۔ میں ماسٹر صاحب سے
سفارش کروں گا کہ ان کی والدہ صاحبہ کی طبیعت

اچھی نہیں اگر یہ دس دن تک سلامت رو دی ہو ہیں تو انھیں چار دِن کے لئے گھر جانے کی چھٹی دیدیجئے گا۔

(پردہ گرتا ہے)

چوتھا منظر

(دارالاقامہ کے پاس کھیل کا میدان ۔ لڑکے ہاکی کھیل رہے ہیں ۔ طرار اسٹک لیئے ہوئے آتا ہے)

ایک لڑکا ۔ آج طرار پھر کھیلنے آرہے ہیں ۔

داؤد ۔ آنے دو کیا ہرج ہے ۔

اظہار ۔ جی ہاں جب اسٹک رسید کریں گے تو معلوم ہوگا کیا ہرج ہے آپ کھیلئے بندہ تو چلا ۔

اور لڑکے ۔ چلو ہم بھی چلتے ہیں بڑے میدان میں کھیلیں گے ۔

داؤد ۔ تو پھر میں بھی چلتا ہوں ۔

(سب لڑکے چلے جاتے ہیں ۔ طرار ان کے پیچھے دوڑنا چاہتا ہے مگر چند قدم جاکر رک جاتا ہے اور دیر تک اِدھر دیکھتا رہتا ہے ۔ صالح دارالاقامہ کی طرف سے آتا ہے ۔)

صالح ۔ تم سے سب ڈرتے ہیں ۔

طرار ۔ ڈرتے کیا ہیں مجھے مرکھنا بیل سمجھتے ہیں میرے سامنے سے بھاگتے ہیں ۔

صالح ۔ خیر تم کچھ پرواہ مت کرو ۔ میں تمھارے ساتھ کھیلتا ہوں ۔ ابھی جاکر گیند اور اسٹک لاتا ہوں

طرار ۔ بس رہنے دیجئے آپ کو کھیلنا بھی آتا ہے بچے کرکے کھیلتے ہیں ۔

صالح کھیلنا نہیں آتا تو تم سکھاؤ ۔

طرار سکھاؤں کیا ناک آپ سے دوڑا تک تو جاتا نہیں ۔ بھدّ بھدّ کرکے دوڑتے ہو ۔ جیسے بطخ ۔

صالح ۔ (طرار کے گلے باہیں ڈال کر) بھائی آج تم خفا ہو ۔ اور ہوا بھی چاہو ۔ اور سب گھر جائیں گے اور تمھیں یہاں اکیلا رہنا پڑے گا ۔ سچ کہتا ہوں مجھے اس کا بڑا قلق ہے ۔ میں نے ماسٹر صاحب کی بڑی منّتیں کیں کہ تمھیں گھر جانے کی اجازت دے دیں ۔ نہیں تو مجھے بھی تمھارے ساتھ رہنے دیں مگر وہ ایک نہیں سنتے کہو صدر مدرس سے کیا کیا باتیں ہوئیں؟

طرار۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) بھائی آج انھوں نے مجھے بڑی شرم دلائی۔ یوں تو بڑی محبت سے باتیں کیں جیسے ہمیشہ کرتے ہیں۔ مگر کہا کہ تم اماں، ابا، اور بہن سب کا دل دکھاتے ہو، اور سب کو ستاتے ہو، ایسا نہ ہو تم ایک دن ڈاکو بن جاؤ۔ اور جیل میں بند کر دئے جاؤ۔ پھر یہ کہا کہ تم بہت بہادر ہو۔ اچھے کام کرو گے تو بڑا نام ہوگا۔ سب لوگ بھائی سمجھیں گے، اور اللہ تعالیٰ خوش ہوگا۔ مجھے تم سے بڑی امیدیں ہیں۔ کندھے پر ہاتھ رکھ کر باتیں کر رہے تھے میں شرم کے مارے رویا پڑتا تھا۔ مگر روتے ہوئے بھی شرم آتی تھی۔

صالح۔ خیر خدا کا شکر ہے۔ سب کہتے تھے طرار کو سزا دیں گے۔ مگر میں کہتا تھا سمجھائیں گے۔ ایسا محبت والا استاد کہاں ملے گا۔ جو خفگی میں بھی شاباشی دے۔ جو ان کے پاس جاتا ہے اُس کا جی خوش ہو جاتا ہے، اور ہمت بڑھ جاتی ہے۔ بھائی یہ بات تو ماں، باپ میں بھی نہیں ہوتی۔ ایسے بزرگ کی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے آدمی کبھی نہیں بھولتا۔

طرار۔ ہاں بھائی یہ سب ٹھیک ہے۔ مگر اماں آج ہی سے گھبراتی ہوں گی اور بہن رو رو کر بُرا حال کرے گی۔

صالح۔ خدا کرے آپ کو پرسوں ہی چھٹی مل جائے (چونک کر) ارے وہ دیکھو نیولا!

طرار۔ کہاں؟ کہاں؟ (دوڑ پڑتا ہے۔ صالح بھی اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ (پردہ گرتا ہے)

پانچواں منظر

(پہلے منظر کی طرح اسٹیج کے آدھے حصہ میں کھیل کا میدان ہے۔ آدھے میں دار الاقامہ کا سونے کا کمرہ، رات کا وقت ہے، کمرے کی پشت کی طرف دروازے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ شعلے اور دھواں نظر آتا ہے، سعید روتا ہوا اِدھر اُدھر دوڑ رہا ہے داہنی طرف کی دیوار کے باہر کھیل کے میدان میں لڑکے جمع ہیں۔ ایک ہل چل مچی ہوئی ہے (ماسٹر صاحب اور صدر مدرس بڑی تیزی سے داخل ہوتے ہیں)

صدر مدرس۔ سب لڑکے باہر ہیں کوئی اندر تو نہیں

اِظہار۔ (رو کر) ماسٹر صاحب سعید اندر رہ گیا ہے، دروازے میں آگ لگی ہے۔ اب کیسے نکلے گا؟

صدر مدرس - گھبراؤ نہیں ابھی نکلتا ہے۔ اللہ بھلانے والا ہے مگر اس ابتری سے کام نہیں چلے گا۔ تم لوگ سب ایک صف میں کھڑے ہو جاؤ (بلند آواز سے) "ایک صف میں" سب لڑکے صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں)

صدر مدرس - (ہاتھ کے اشارے سے) یہاں تک آدھے لڑکے داہنی طرف مڑ جاؤ۔ باقی بائیں طرف۔ (لڑکے تعمیل کرتے ہیں)

(داہنی طرف کی جماعت سے) تم لوگ باغ سے بڑی سیڑھی لاؤ۔ اور کنوئیں کے پاس رسی ہے وہ بھی لیتے آنا (لڑکے دوڑ کر جاتے ہیں۔)

(بائیں طرف کی جماعت سے) تم سب حوض پر جاؤ۔ آدمی آگ بجھانے کو جمع ہیں۔ انھیں گھڑوں میں پانی بھر بھر کے دو۔

یہ لڑکے چلے جاتے ہیں۔ داہنی طرف سے وہ لڑکے جو پہلے گئے تھے۔ واپس آتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب - ہیں تم لوگ گئے نہیں؟

ایک لڑکا - ماسٹر صاحب طرار آپ کے آنے سے پہلے ہی سیڑھی لینے چلے گئے تھے۔ ہمیں لوٹتے ہوئے ملے۔

(طرار چھوٹی سیڑھی لئے داخل ہوتا ہے اس پر رسی بھی ٹنگی ہوئی ہے)

صدر مدرس - شاباش طرار۔ مگر تم چھوٹی سیڑھی لائے۔ کمزور ہے کہیں ٹوٹ نہ جائے۔

اچھا لگاؤ جلدی سے میں چڑھتا ہوں۔

طرار سیڑھی لگاتا ہے۔ چند لڑکے سیڑھی تھام کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ماسٹر صاحب (آگے بڑھ کر) مجھے چڑھنے دیجئے۔ یہ میرا کام ہے۔

(طرار رسی کا ایک سرا ہاتھ میں لئے آناً فاناً چڑھ جاتا ہے اور روشن دان سے رسی اندر پھینکتا ہے)

صدر مدرس } **ماسٹر صاحب** } ہائیں ہائیں! طرار دیکھو اترآؤ

طرار - بھائی صالح اور اظہار، ذرا رسی تھامنا ماسٹر صاحب آپ یہاں آجائیے میں اندر اترتا ہوں

اظہار اور صالح رسی تھامتے ہیں۔ طرار رسی پکڑ کر اندر اترتا ہے۔ ماسٹر صاحب بھی سیڑھی پر چڑھ جاتے ہیں۔)

سعید۔(روتا ہوا دوڑ کر طرار کو لپٹ جاتا ہے) بھائی مجھے یہاں سے نکالو۔ اظہار بھائی کہاں ہیں

طرار۔(اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر) اظہار بھائی باہر کھڑے ہیں۔ ہم بس دم بھر میں نکلتے ہیں دیکھو روؤ مت، مرد بچے کہیں روتے ہیں، یہ لڑکیوں کا کام ہے۔

ماسٹر صاحب۔ جلدی کرو طرار۔

طرار۔ ماسٹر صاحب میں اس تپائی پر کھڑا ہوتا ہوں۔ آپ سعید کو سے کر اتار دیجئے۔ پھر مجھے چڑھا لیجئے

(یہی ہوتا ہے، پہلے سعید کو ماسٹر صاحب چند سیڑھی اتر کر اظہار کی گود میں دے دیتے ہیں۔ پھر طرار کو ہاتھ پکڑ کر چڑھا لیتے ہیں، دونوں آگے پیچھے اترتے ہیں۔

ماسٹر صاحب (بڑے خوش ہیں۔ طرار کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں۔) شاباش طرار آج تو نے جواں مردی کا کام کیا۔ میں تجھے ایک ہزار ایک نمبر دیتا ہوں کل تو سب سے پہلے گھر جائے گا۔ ڈاک گاڑی سے،

اظہار۔ (روتا ہوا طرار کو گلے لگاتا ہے) طرار آج سے تم میرے پیارے بھائی ہو۔

سعید (ہنستا ہوا اس کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے۔) اور میرے بھی۔

(اور لڑکے بھی دوڑتے ہوئے آتے ہیں)

صدر مدرس (طرار کے سر پر ہاتھ پھیر کر) لو بیٹے آج سے تمہارے دو بھائی اور ہو گئے۔ دیکھو یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے، گھٹنے نہ پائے (ماسٹر صاحب سے) آپ ان سب لڑکوں کو حوض پر لے جائیے کہ آگ بجھانے میں مدد دیں، میں بھی آتا ہوں۔

ماسٹر صاحب۔ آؤ بھئی چل کے آگ بجھائیں۔ ایک ایک گھڑے پانی کے دس دس نمبر۔ (لڑکے طرار کو اٹھا لیتے ہیں اور زندہ باد طرار کے نعرے لگاتے چلے جاتے ہیں۔

صدر مدرس۔ یا اللہ اس آگ کو ان معصوم بچوں کے ہاتھوں اپنے رحمت کے چھینٹوں سے بجھا دے اور اس بڑی آگ کو بھی جس کے شعلے ہمارے ملک میں بھڑک رہے ہیں اور ہمارے دلوں کو جو تیرے گھر ہیں جلا کر خاک کئے دیتے ہیں۔ الٰہی یہ بچے آگ کی لپٹ سے جھلسنے نہ پائیں بلکہ اس کی آنچ میں تپ کر کندن بن جائیں۔

(چلا جاتا ہے۔ پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہی) (ختم شد)

بدنیتی کی سزا

بندروں کو مل گئے اک روز دو کیلے کہیں　　لے کے اُن کو چڑھ گئے اک پیڑ پر دونوں وہیں
تیسرا ساتھی ہوا یہ دیکھ کر اندوہ[۱] گیں　　دونوں احباب[۲] اس کا حصّہ کیوں اُسے دیتے نہیں
ناتوانی پر ہوا کچھ اپنی دل میں خشمگیں[۳]　　پُر شکن غصّہ سے آخر ہو گئی ساری جبیں[۴]
گو کہ چھوٹا تھا مگر تھا وہ ذہین و دور بیں[۵]　　خود بخود بولا کہ یوں اندھیر ہوتا ہے کہیں

مستحق حصہ کا ہوتا ہی نہیں کمزور یار
سوچ کر یہ، لایا لکڑی ایک لمبی نوکدار

چپکے چپکے چڑھ گیا، اور کیا نئی ترکیب کی　　پیٹھ میں ساتھی کی لکڑی دور ہی سے چھید دی
یک بیک لکڑی چبھی اس کے تو کچھ ایذا ہوئی　　ہاتھ سے چھٹ کر پھلی نیچے زمیں پر گر پڑی
چھوٹے بندر کو ہوئی اس وقت بے حد ہی خوشی　　جھٹ اتر کر ہاتھ میں اس نے اٹھالی خود پھلی
ساتھ اس نے چھوڑ کر یاروں کا اپنی راہ لی　　خود غرض احباب کی حالت پہ آتی تھی ہنسی

اپنا حصّہ کر لیا ترکیب سے نشتر وصول
سچ کہا ہے بدنیت کو کچھ نہیں ہوتا حصول[۶]

نشتر بلرامی۔

[۱] رنجیدہ　[۲] دوست　[۳] غصہ　[۴] پیشانی
[۵] عقل مند　[۶] حاصل

گوریلا اور بن مانس

دنیا میں بہت قسم کے جانور ہیں۔ ان میں سے بہت سے جانوروں کو تم نے چڑیا گھر میں یا کسی اور جگہ دیکھا ہوگا۔ لیکن آج تمھیں ہم ایسے جانور کا حال سناتے ہیں جن کو تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا یہ جانور آدمیوں سے بہت ملتے جلتے ہیں، اور اگر تاریک جگہ یہ کھڑے ہوں تو تم بہ مشکل پہچان سکو گے، کہ یہ آدمی ہے یا جانور۔ ان میں سے تین بہت مشہور ہیں

گوریلا، بن مانس اور جنگلی بندر۔

ان کا قد آدمیوں کے قد کے برابر ہوتا ہے۔ دم نہیں ہوتی۔ ہاتھ ان کے ہمارے ہاتھوں کی طرح ہوتے ہیں۔ دانت اتنے ہی ہوتے ہیں جتنے ہمارے۔ اگرچہ بڑے بڑے ہوتے ہیں، ان کی ہڈیاں ان کا دماغ۔ غرضیکہ ہر چیز ہمارے جیسی ہوتی ہے،

ان سب باتوں کے باوجود یہ بڑے بدصورت اور خوفناک ہوتے ہیں، بن مانس بالکل بڈھے آدمی کی طرح معلوم ہوتا ہے اگر گوریلا کے جسم پر بال نہوں تو بالکل کالا کلوٹا حبشی معلوم ہو جن تینوں جانوروں کے نام بتائے گئے ہیں ان میں سب سے بڑا گوریلا ہوتا ہے، اس کے بازو اتنے لانبے ہوتے ہیں کہ گھٹنوں کے نیچے تک پہنچ جاتے ہیں، لیکن اس کی ٹانگیں ہماری ٹانگوں سے چھوٹی ہوتی ہیں، اس کا جسم اتنا بھاری ہوتا ہے کہ اگر کسی اونچی جگہ سے گرے تو سخت چوٹ لگے، گوریلا درخت پر رہتا ہے، لیکن اپنے رہنے کی جگہ درخت کی چوٹی کے قریب نہیں بناتا کیوں کہ اس کو ہوا سے نفرت ہے۔

گوریلا کے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں کہ یہ بچوں کو اٹھا کر جنگل میں لے جاتا ہے اور ان سے نوکر کی طرح کام لیتا ہے۔ لیکن

سب باتیں جھوٹی ہیں، گوریلا اگرچہ بہت طاقتور اور خوفناک جانور ہے لیکن جب تک آدمی اس پر حملہ نہ کرے یہ بھی نہیں کرتا جب کوئی آدمی۔ اس پر حملہ کرے تو سب سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے بعد آدمی پر حملہ کر دیتا ہے، اور اگر اسے فوراً گولی کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ تو آدمی کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک شکاری نے گوریلا کو گولی ماری کہیں نشانہ خطا گیا، گوریلا نے بندوق کو دانتوں سے لے کر توڑ ڈالا اور آدمی کا اسی وقت خاتمہ کر دیا۔

گوریلا کو زندہ پکڑنا بہت مشکل ہے، چند بچوں کو پکڑ کر امریکہ کے چڑیا گھر میں رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ ایک سال سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے۔ ان کو مغربی افریقہ کے جنگلوں کی ہوا ہی بھلی معلوم ہوتی ہے،

بن باسی کو بھی زندہ پکڑنا بہت مشکل ہے اگرچہ یہ گوریلا سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ لیکن لوگ اسے پکڑتے ہوئے ڈرتے ہیں لیکن چھوٹے بچوں کو اگر سدھالیا جائے۔ تو بڑے اچھے دوست اور ساتھی ثابت ہوتے ہیں، ڈاکٹر لونگ شون جو ایک مشہور سیاح تھے ان کے پاس بن مانس کا ایک بچہ تھا۔ اور اسے ڈاکٹر سے بہت محبت تھی جب ڈاکٹر باہر ٹہلنے کے لئے جاتا تو یہ بھی انگلی پکڑ کر ٹہلنے کے لئے طیار ہو جاتا اگر کبھی ڈاکٹر لے جانے سے انکار کر دیتا تو یہ بچوں کی طرح چیختا اور روتا۔

بن مانس کے بچے کو جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس محبت میں اور کوئی اس کا شریک ہو جائے۔ ایسا ہونے پر وہ مارے رشک و حسد کے بری بری حرکتیں کرتا ہے۔ ایک صاحب افریقہ سے بن مانس کا بچہ لئے جہاز پر انگلستان جا رہے تھے تمام لوگوں کو اس بچہ سے بہت محبت ہو گئی تھی۔ اور سب اسے پیار کرتے تھے۔ وہ لوگوں کے ساتھ میز پر بیٹھ کر کھانا بھی کھاتا تھا۔ چند دنوں کے بعد ایک بندرگاہ سے میاں بیوی سوار ہوئے ان کی ایک خوبصورت لڑکی تھی تمام لوگ بن مانس

اپنا حصہ وصول کرنے کا انوکھا طریقہ

کو تو بھول گئے اور سارا سارا دن اس لڑکی سے بولتے چالتے اور ہنستے کھیلتے رہتے تھے، اس کو یہ برا معلوم ہوا۔ ایک دن معلوم ہوا کہ بن مانس کمرہ میں نہیں ہے اس کے مالک جب تلاش میں نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکی کو ہاتھوں میں اٹھائے سمندر میں پھینکنے ہی والا ہے۔ اگر یہ صاحب ایک دو منٹ دیر سے پہنچتے تو لڑکی سمندر میں ڈوب چکی ہوتی۔

بن مانس اپنے بچوں کو بہت چاہتے ہیں

ایک مرتبہ ایک بن مانس اپنے بچے کو گود میں لئے درخت پر بیٹھا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک شکاری بندوق کی نالی اس کی طرف کر رہا ہے، بن مانس نے اپنے بچے کو سینہ سے لگا لیا، اور شکاری کو اشارہ کیا کہ وہ وہاں سے چلا جائے، اسی طرح ایک شکاری نے بن مانس کو گولی ماری لیکن اس سے اس کا بچہ زخمی ہوگیا، جب اس کے جسم سے خون نکلا تو اس نے روتے ہوئے شکاری کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہے او ظالم تم نے یہ کیا کر ڈالا شکاری کا بیان ہے کہ اس واقعہ سے اس پر بہت اثر ہوا، اور آئندہ سے اس نے شکار سے توبہ کر لی۔

آئندہ پرچہ میں ہم ہونہار بھائیوں کو دوسرے جانوروں کے دلچسپ واقعات اور حالات سنائیں گے۔

سید نصیر احمد۔ جامعی

ادب کامیابی کی بنیاد ہے

ایک مرتبہ ایک تاجر نے اشتہار دیا کہ اس کو ایک نہایت ہی ہوشیار منشی کی ضرورت ہے۔ اس جگہ کے لئے ہر ایک مقام سے درخواستیں پہنچیں، اور ایک مقررہ وقت پر تمام لوگ جمع ہو گئے، تاجر ایک ایک کرکے لوگوں کو اپنے دفتر میں بلاتا تھا، اور ان سے بہت سی باتیں پوچھتا تھا، یہ اس لئے کرتا تھا کہ ان کا علم ان کے آداب و اخلاق معلوم کرے، آخر میں اس نے ایک مختصر گفتگو کے بعد ایک منشی کو پسند کر لیا، تاجر کا ایک دوست بھی باہر بیٹھا ہوا تھا، اس کے دوست نے پوچھا آپ نے اس منشی کو کس چیز کی بنا پر پسند کیا، حالانکہ اس سے بھی قابل لوگ موجود ہیں، تاجر نے کہا اس نے اپنے جوتوں کو اندر داخل ہونے سے پہلے پائدان پر صاف کیا، اور دروازہ کو نہایت آہستہ سے بند کر دیا، میں نے سمجھ لیا کہ یہ نہایت صاف اور منتظم ہے، پھر میری طرف سلام کا اشارہ کیا اور مجھ سے نہایت ادب و احترام سے باتیں کیں، اس سے میں نے جان لیا کہ اس کے اخلاق و آداب اچھے ہیں، تیسری بات یہ کہ یہ اپنی باری کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے یہ نہیں کیا کہ دوسروں کی باری پر خود چلا آئے۔ اس بات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ متواضع بھی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس کو پسند کیا جب اتنی صفات ایک شخص میں جمع ہو جاتی ہیں تو وہ دوسروں سے بہتر ہو جاتا ہے۔

(ترجمہ از عربی) (اشفاق حسین)

شریف اور کمین کی شناخت

ایک بادشاہ اپنے وزیر اور چند ملازم اور
خدمتگاروں کے ہمراہ ایک دن شکار کے واسطے
شکارگاہ میں گیا، اور شکار کی تلاش میں ایک
سمت گھوڑے ڈال دئے۔ ہر طرف دوڑ دھوپ
کی، مگر دوپہر تک کوئی شکار نظر نہ پڑا آخر دھوپ
کی گرمی اور شکار نہ ملنے کی وجہ سے و نیز بھوک کی
تکلیف نے نڈھال کر کے سب کو پریشان کر دیا،
اور سب ایک باغ میں آرام کے لئے گھوڑوں سے اتر پڑے
ہر چند ابھی آرام کرنے بھی نہ پائے تھے کہ بادشاہ
کی نگاہ ایک ہرن پر پڑی فوراً گھوڑے پر سوار ہو
ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا، یوں تو ہرن کی چوکڑیاں
مشہور ہیں، مگر وہ ہرن اس بلا کا تیز تھا کہ اگر
اسے چھلاوہ کہا جائے تو کچھ مبالغہ نہیں غرضیکہ
بادشاہ کی نظروں سے ہرن اوجھل ہو گیا، مگر
بادشاہ نے بھی اپنے گھوڑے کو اس تیزی سے اس
کے پیچھے ڈالا کہ ایک جگہ اسے جا ہی لیا۔

ادھر لشکریوں نے دیکھا کہ بادشاہ سلامت
بغیر کھائے ہی شکار کے پیچھے چلے گئے ہیں۔ تو
وزیر خوش تدبیر کو خیال پیدا ہوا کہ چل کر بادشاہ
کی تلاش کریں۔ اور کھانا پہنچائیں، ورنہ بھوک
کی حالت میں جہاں پناہ کی حالت خراب ہو جائے گی
اور بغیر کھائے ہوئے سخت تکلیف ہوگی۔ چنانچہ،
وزیر نے ایک خادم کو کھانا لے جانے کی تاکید کی، اور
خود گھوڑے پر سوار ہو بادشاہ کی تلاش میں چل دیا
تھوڑی دور جانے کے بعد وزیر کو ایک
جھونپڑی نظر آئی جب جھونپڑی کے قریب پہنچا تو دیکھا
کہ وہاں ایک اندھا فقیر دھونی رمائے بیٹھا ہے
وزیر نے فقیر سے دریافت کیا کہ کیوں بھئی فقیر
ادھر سے کوئی گیا ہے، تو فقیر نے جواب دیا کہ ہاں
حضور ابھی بادشاہ سلامت ادھر سے نکلے ہیں
اور وہ ادھر سیدھے ہاتھ کی طرف چلے گئے
ہیں۔

وزیر یہ معلوم کرکے اسی طرف کو گیا ، جدھر فقیر نے بتایا تھا ، تھوڑی دیر جانے کے بعد بادشاہ سے ملاقات ہوگئی ۔

وزیر کے پیچھے کچھ دیر کے بعد خادم کھانا لئے ہوئے بادشاہ اور وزیر کی تلاش میں اسی جھونپڑی کے پاس پہنچا ، اور اندھے فقیر سے کہنے لگا ، کہ او اندھے کیا ادھر سے کوئی گیا ہے ۔ فقیر نے جواب دیا کہ ہاں ہاں رے ابھی تھوڑی دیر ہوئی پہلے بادشاہ سلامت اور پھر اس کے بعد وزیر ادھر سیدھے ہاتھ کی طرف گئے ہیں ، تو بھی چلا جا ۔

آخرکار خدمت گار بھی اسی طرف گیا جدھر فقیر نے بتایا تھا ، دور جاکر بادشاہ اور وزیر کو ایک جگہ بیٹھے ہوئے دیکھا ، خدمت گار نے آداب بجایا ، اور کھانا خوان میں لگا ، بادشاہ سلامت کے روبرو پیش کیا ، بادشاہ اور وزیر دونوں نے کھانا کھایا ۔

کھانے کے بعد بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اگر تم کھانا نہ لاتے تو بھوک کے مارے میری حالت بہت خراب ہو جاتی ، مگر یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے تلاش کیسے کرلیا ؟

وزیر نے عرض کیا کہ حضور جب ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑائے تیزی سے جا رہے تھے تو کچھ دور تک تو نظر آتے رہے مگر جب نظروں سے اوجھل ہوگئے اور دیر تک تشریف نہ لائے تو خیال پیدا ہوا کہ حضور تک کسی نہ کسی طرح کھانا پہنچانا چاہیئے ۔ چنانچہ میں نے خادم کو کھانا لانے کا حکم دے کر حضور کی تلاش میں چل دیا ، راستہ میں ایک جھونپڑی ملی جہاں ایک اندھا فقیر دھونی رمائے بیٹھا تھا ، میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا کوئی ادھر سے گذرا ہے ؟ اس فقیر نے جواب دیا ، کہ ابھی ابھی بادشاہ سلامت سیدھے ہاتھ کی طرف گئے ہیں ، یہ معلوم کرکے میں بھی اسی طرف چل دیا جدھر فقیر نے بتلایا تھا تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ حضور کو پالیا ، یہ بات سن کر بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا ، کہ اندھے فقیر نے یہ کیسے معلوم کرلیا ، کہ بادشاہ گئے ہیں ، اس نے بادشاہ اور غیر بادشاہ کی شناخت کیسے کرلی ؟

اب بادشاہ نے خدمت گار سے بھی اس کے وہاں تک پہنچ جانے کا سبب پوچھا، تو اس نے بھی وہی سارا واقعہ کہہ سنایا جو اندھے فقیر سے معلوم ہوا تھا، کہ ابھی ابھی پہلے بادشاہ سلامت اور بعد کو وزیر صاحب سیدھے ہاتھ کی طرف گئے ہیں چنانچہ میں بھی اسی پتہ پر چل کر حضور کے پاس تک آپہنچا،

اب تو بادشاہ کو بہت ہی تعجب ہوا۔ کہ اندھے فقیر نے بادشاہ اور غیر بادشاہ کی پہچان کس طرح کر لی، چلو اسی فقیر سے دریافت کریں الغرض بادشاہ، وزیر، اور خدمت گار تینوں اسی جھونپڑے کے پاس پہنچے اور وزیر نے اس فقیر سے دریافت کیا، او بھئی فقیر یہ تو بتاؤ بادشاہ سلامت یہاں ہو کر نکل گئے تھے اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ ادھر سے کوئی گیا تو نہیں ہے تو تم نے جواب دیا کہ ابھی ابھی بادشاہ سلامت سیدھے ہاتھ کی طرف گئے ہیں، اور جب خدمت گار نے میرے بعد اسی طرح دریافت کیا تو تم نے یہ کہا کہ ابھی ابھی بادشاہ سلامت اور اس کے بعد وزیر گئے ہیں تو تم نے یہ کیسے معلوم کیا کہ بادشاہ سلامت گئے ہیں یا وزیر گئے ہیں کیا تم کو کچھ نظر آتا ہے۔

فقیر نے جواب دیا کہ مجھے نظر تو کچھ نہیں آتا اور بالکل اندھا ہوں، مگر میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ جب درخت پر کوا یا کوئل بولتے ہیں تو آپ بغیر دیکھے کیسے معلوم کر لیتے ہیں،

وزیر بولا کہ دونوں کی آواز سن کر کوے اور کوئل کی شناخت ہو جاتی ہے، فقیر نے جواب دیا کہ میں نے بھی بولی ہی سے بادشاہ، وزیر اور خدمت گار کو پہچانا تھا، یعنی بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ سائیں جی کیا ادھر سے کوئی جانور گیا ہے میں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی شریف اور اونچی تہذیب کا آدمی ہے، اور جب وزیر آئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ او بھئی فقیر تو میں سمجھ گیا کہ آدمی تو تہذیب والا اور شریف آدمی ہے کیوں کہ مجھے فقیر کہہ کر پکارتا ہے، مگر پہلے آدمی سے چھوٹے درجے کا ہے، مگر جب خدمت گار آیا تو اس نے کہا کہ ابے اندھے کیا

ادھر سے، کوئی گیا ہے، تو میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی کمین آدمی ہے، جو اس طرح بدتہذیبی سے باتیں کرتا ہے۔ چنانچہ انھیں باتوں کو پرکھ کر میں نے پہلے آدمی کو بادشاہ، اور دوسرے کو وزیر، کہا ورنہ میں اور کسی طرح سمجھ ہی نہ سکتا تھا۔

ہونہار بچو! شریف اور کمین کی شناخت بات چیت ہی سے ہو جاتی ہے اگر تم شریف بننا چاہتے ہو تو ہر ایک سے تمیز اور ادب سے بات کرو اور تعظیم و تکریم کے لفظوں سے دوسروں سے بولو۔ — اللہ بخش انصاری جلیسری

جواب

فروری ۱۹۳۲ء کے رسالے میں صفحہ ۲۱ پر جو سوالات شائع ہوئے تھے ان کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قطب شمالی

۲۔ ب، د، ذ، س۔ ع، ق، ک

۳۔ ایک سیر، تین سیر، نو سیر، ستائیس سیر

۴۔ پاس، (سر کٹنے پر آس باقی رہا۔)

بائیسکل پر چڑھنے کے متعلق ہدایات

(۱) کھانا کھانے سے آدھ گھنٹہ پہلے اور آدھ گھنٹے بعد بائیسکل پر ہرگز نہ چڑھنا چاہئے۔

(۲) جب کسی ایسی پہاڑی پر چڑھنا ہو جس پر چڑھنے سے اصلی زور مشین کے پہیوں پر پڑتا ہے تو مشین کو خالی اوپر لے جانا چاہئیے۔

(۳) چڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ وہ کپڑا جو تمہارے پیٹ گردن یا چھاتی پر ہے کسا ہوا تو نہیں ہے؟

(۴) جب بہت دور کا سفر ہو تو جہاں تک ہو سکے پانی یا دیگر قسم کے عرقیات کا استعمال کم کرو۔

(۵) جب تک ہوا اور سڑک مناسب نہ ہوں دس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ مت چلو۔ اگر تھوڑی دور کا سفر ہو تو رفتار اس سے بھی زیادہ کی جا سکتی ہے

(۶) بائیسکل کی سواری کے وقت تمباکو ہرگز نہیں پینا چاہئے۔

(۷) ہینڈل بار کو پورے طور پر اٹھائے رکھو تاکہ جھکاؤ نہ ہونے پائے۔ (اخبار تعلیم لاہور)

ڈرائنگ

خرگوش بنانے کی نہایت آسان ترکیب

اشفاق حسین

ایک پتلی لکڑی لو، اور اپنے دوستوں سے کہو کہ اس لکڑی کو میں زمین سے دو، تین انچ اونچا رکھوں گا، جو صاحب اس کے اوپر سے کود جائیں گے، انھیں ایک سیب انعام دیا جائے گا۔ ہر شخص کہے گا یہ بڑی ہی آسان بات ہے، اب تم اس چھڑی کو کسی دیوار کے قریب لے جاکر زمین سے دو تین انچ اوپر قائم کر دو، پھر کوئی بھی آگے نہ بڑھے گا، اور نہ کوئی اسکے اوپر کود سکے گا، کہو کتنا اچھا کھیل ہے

دیاسلائیوں کا تماشہ

چار دیاسلائیاں لو، اور ان کو اس طرح کسی میز پر رکھ دو
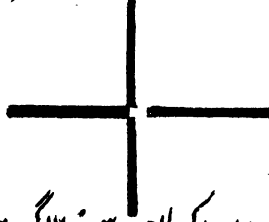
یعنی تین دیاسلائیاں ملی ملی ہوں، اور ایک ان سے ذرا الگ ہو، تم اپنے دوستوں سے کہو کہ کیا کوئی شخص ایک دیاسلائی کو ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے سے ایک مربع بنا سکتا ہے، تمہارے دوست کہیں گے کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہے، ایسا ہو ہی نہیں سکتا، تب تم کہو گے نہیں یہ بالکل آسان ہے، اب تم سیدھے ہاتھ والی دیاسلائی کو اٹھا کر ان تینوں دیاسلائیوں کے قریب لے آؤ اور اس کو اس طرح رکھ دو
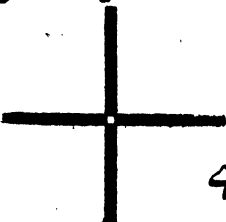
اس طرح جہاں چاروں دیاسلائی ملتی ہیں وہاں ایک چھوٹا سا مربع بن جاتا ہے

ایک عجیب گھوڑا

اپنے دوستوں سے کہو کبھی آج کل دنیا میں عجیب عجیب چیزیں ایجاد ہو رہی ہیں، کل میں نے ایک گھوڑا دیکھا تھا، جس کی ٹانگیں لکڑی کی تھیں، تمھارے دوست کہیں گے تمھیں دھوکا ہوا ہوگا بھلا کسی گھوڑے کے پیر لکڑی کے بھی ہو سکتے ہیں، تم کہو نہیں صاحب مجھے بالکل یقین ہے کہ مجھے دھوکا نہیں ہوا، وہ گھوڑا کپڑے کا بنا ہوا تھا، اور ٹانگیں لکڑی کی تھیں۔

مُومْ بتی کھانا

ایک بڑا سیب بازار سے خرید کر لاؤ، اس کو چھیل کر اس کی لمبائی میں سے کئی ٹکڑے کاٹ لو، اور موم بتی کی طرح ان کو گول کر لو۔ ان کے سرے پر ذرا سا ڈورا لگا دو، ڈورا اگر گھی میں تر کر لیں تو اچھا ہے، جب موم بتیاں تیار ہو جائیں تو اپنے دوستوں سے کہو کہ سنا جاتا ہے کہ روس کے لوگ موم بتی کو نہایت شوق سے کھاتے ہیں، میں بھی اس کا مزا چکھتا ہوں، کیسا ہوتا ہے، اب تم ایک بتی کو دیا سلائی سے روشن کرو، ڈورا ضرور جلے گا، جلاتے ہی فوراً کھانے لگیں، لوگ دیکھ کر حیران ہوں گے، اسی طرح تم دوسری موم بتیاں کھا سکتے ہو، یہ تماشہ رات میں کرو۔

(اڈیٹر)

(جواب اگلے مہینے میں شائع ہوں گے)

۱۔ وہ کون سے لفظ ہیں جن کے مفہوم بالترتیب یہ ہیں، صاحبِ شباب، مذمّت، ایک پھول، غلّہ، گناہ، حرفِ ندا، "ڈاکو" اِن کے اِبتدائی حرفوں کو بالترتیب مِلانے سے ہندوستان کے ایک مشہور بادشاہ کا نام بن جاتا ہے؟ اور آخر حرفوں کو بالترتیب ملانے سے اس بادشاہ کی مشہور معروف ملکہ کا نام بنتا ہے۔

۲۔ مندرجہ ذیل جملوں میں کن جانوروں کے نام چھپے ہوئے ہیں؟

۱۔ مسہری چھت پر ہے۔

۲۔ ارسطو طاعون کے علاج میں ماہر تھا۔

۳۔ صابن دریائی جانوروں کی چربی سے بھی بنتا ہے۔

۴۔ میں نے اپنی تمنا آخر گوش گذار کرہی دی۔

۵۔ اُجین کی راج دھانی میں بارہ سنگھاسن تھے۔

۶۔ باورچی تازہ کھانا لایا ہے۔

عبدالستار انصاری
سوروتی (علیگ)

زندگی کے دس قیمتی اصول

سویڈن کے ایک اخبار میں مقابلہ کا ملخص[1]

سویڈن کے اخبار میں اس قسم کا ایک مقابلہ ہوا تھا کہ زندگی کے لئے بہترین اصول کیا کیا ہیں، تمام جوابات کو دیکھنے کے بعد مندرجہ ذیل دس اصول حاصل کئے گئے ہیں :-

(۱) جس قدر ممکن ہو ناخوش گوار باتوں کو بھول جانا چاہئے۔

۲۔ دوسرے کے لئے خوش گوار ہونے کا طریقہ سیکھنا چاہئے۔

۳۔ شائستگی، خوش خلقی، کو کبھی ترک نہ کرنا چاہئے،

۴۔ دوستوں سے کبھی زیادہ توقعات وابستہ نہ کرنی چاہئیں۔

۵ دوسروں کے سامنے کبھی غیر معمولی مطالبات پیش نہ کرنے چاہئیں۔

۶۔ اپنے رویہ اور اپنے جذبات پر ہمیشہ قابو رکھنا چاہئے۔

۷۔ زندگی کو ہمیشہ روشن پہلو میں دیکھنا چاہئے۔

۸۔ ہر شخص پر یہی ظاہر کرو کہ تم اس پر اعتماد کرتے ہو۔ نہ یہ کہ اس کے خلاف کافی اور بین اسباب موجود ہوں۔

۹۔ جہاں تک ہو سکے دوسروں کے غم اور خوشی میں، اپنی شرکت ظاہر کرنی چاہئے۔ اور

۱۰۔ ایسا کبھی موقع نہ دینا چاہئے کہ معافی مانگنا پڑے۔ عفو[2] بلاشبہ روحانی سکون کے حصول کے لئے ایک اچھا ذریعہ ہے، لیکن اس سے خودداری کو ضرور نقصان پہنچتا ہے۔

۱۔ خلاصہ (۲) معافی

طلبہ کے مضامین۔

ملیریا

حامد کے ابّا - ارے قاسم دیکھ تو صفائی اچھی طرح نہیں کراتا۔ مہترانی آیا کرے تو اس سے اچھی طرح جھاڑو دلوا کر کوڑا کرکٹ باہر ڈلوایا کر، برسات کا موسم ہے۔ ملیریا پھیل رہا ہے،

قاسم - حضور میں تو روز سر ہوتا ہوں، وہ کمبخت بہت ہی کام چور ہے، دن چڑھے آتی ہے اور پانچ منٹ میں جھاڑو کا ایک آدھ ہاتھ پھیر کر چلتی بنتی ہے۔

حامد - ابّا یہ ملیریا کیا بلا ہوتی ہے؟

ابّا - میاں بلا نہیں یہ تو بلا کا بھی باپ ہوتا ہے۔ خدا بچائے رکھے۔ یہ ایک قسم کی بیماری ہے۔ جو ایک آدمی کو ہو جائے تو برابر پھیلتی جاتی ہے اس کا مفصّل حال میں تمھیں رات کو بتاؤں گا۔ اس وقت تو مجھے بازار جانا ہے،

رات ہوئی سب کھانا کھانے بیٹھے حامد میاں بار بار صبح والی بات چھیڑتے۔ مگر اس کے ابا یہ کہہ کر چپکا کر دیتے کہ کھانا کھانے میں زیادہ بولنا عیب ہے۔ اور بدتمیزی میں داخل ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر حامد کے ابا نے نماز پڑھی پھر ٹہلنے نکل گئے۔ کوئی آدھ گھنٹے میں واپس آئے اس اثنا میں حامد نے اپنا سبق بھی یاد کر لیا تھا صرف تھوڑا سا لکھنے کا کام باقی تھا، ابا کے آتے ہی حامد نے پوچھا "ابا جان اب کب سنائیں گے آپ"؟ انہوں نے کہا تم نے اپنا کام ختم کر لیا؟ حامد نے جواب دیا جی ہاں تھوڑا سا املا لکھنا اور ہے۔ وہ بولے "اچھا تم لکھو اتنے ہم اپنا کچھ کام کر لیں اور بڑی بڑی کتابیں کھول کر بیٹھ گئے حامد کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد آیا اور بولا ابا جان اب آپ سونے کب چلیں گے؟ انھوں نے

کہا ابھی چلتے ہیں، اُٹھے اور سونے کے کپڑے
پہن کر اوپر دوچھتی میں سونے کو چلے، حامد نے
کہا جی ملیریا ایک قسم کا مرض ہوتا ہے، ..... پھر؟
ابا - ہاں بچی تو یہ اگر ایک دفعہ کسی کو ہو جائے
تو پھر دوسرے کو ہوتا ہے پھر تیسرے کو رفتہ رفتہ
سارے شہر میں پھیل جاتا ہے، اور سینکڑوں
جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، ایسے مرض کو متعدی
مرض کہتے ہیں، "کونین" اس کا سب سے بڑا
علاج ہے، اسی لئے تو میں نے تمہارے لئے
وہ ننھی ننھی گولیاں لاکر رکھی ہیں، آج تم نے کھائی
تھی ؟-

حامد - جی ہاں میں نے تو کھائی تھی، منہ میں
رکھتے ہی نگل جاتا ہوں یہ بی رشیدہ نہیں کھاتیں

رشیدہ - ابا کڑوی کڑوی ہوتی ہیں، میں نے
سنا ہے -

حامد - اور اس دن امی جان نے جو زبردستی
کھلائی تھی - پھر وہ کڑوی تھی کیا ؟

رشیدہ - بھائی میاں! شروع شروع میں تو
میٹھی معلوم ہوئی پھر تو بڑی کڑوی معلوم ہوئی

ابا - تم نے منہ میں رکھ کر چبا لیا ہوگا - چلو خیر
اب کھالیا کرنا، بہت مفید چیز ہے - ہاں تو یہ
بیماری پھیلتی اس طرح ہے کہ برسات کے موسم
میں تم دیکھتے نہیں کتنے مچھر ہوتے ہیں - اگر مچھر-
دانیوں میں نہ سوئیں تو خبر نہیں کیا حال ہو ؟

رشیدہ - ابا جان ابھی تو آپ "مرلیا" کا ذکر کر رہے
تھے، اور اب مچھر کا، اس کو اس سے کیا
تعلق ؟

ابا - ہاں مچھر کو بقول تمہارے "مرلیا" سے بہت
کچھ نسبت ہے، اصل لفظ ملیریا ہے -

حامد - چلو بی "مرلیا" کی سگی سنتی تو ہو نہیں،
بیچ میں بول پڑتی ہو -

رشیدہ - ابا جان دیکھئے اب میں انھیں کچھ
کہہ رہی ہوں کیا ؟ -

ابا - نہیں تم کچھ نہیں کہتیں یہ ایسے ہی ہیں
تم ان کی بات کا جواب نہ دیا کرو - ہاں تو
برسات کی تری سے مچھر زیادہ ہوتے ہیں
اور جس آدمی کے بدن میں کاٹ لیتے ہیں
اسے بخار چڑھ آتا ہے -

پھر کوئی اور مچھر اس بخار چڑھے ہوئے
آدمی کو کاٹتا ہے، اور اس کا خون چوستا ہے
خون کے ساتھ وہ جراثیم بھی اس کے منہ میں چلے
جاتے ہیں جو پہلے مچھر کے کاٹنے سے ہوئے
تھے۔ اور یہ مچھر کسی اور شخص کو کاٹ کر جراثیم
اس کے بدن میں چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح اس
کے جسم میں بھی بیماری چلی جاتی ہے۔ اور وہ
بھی بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر جلد
علاج نہ کیا جائے تو گھر کے گھر ملیریا سے تباہ
ہوجاتے ہیں،
حامد۔ جراثیم کے بدن میں جانے سے کس
طرح بخار ہوجاتا ہے؟
ابّا۔ اس طرح کہ جب مچھر کاٹتا ہے تو بدن
میں جراثیم داخل کر دیتا ہے۔ وہ جراثیم انسان
کے معدے میں چلے جاتے ہیں۔ اور وہاں
پلتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی دوا استعمال کی جائے
تو مر جاتے ہیں۔ ورنہ آہستہ آہستہ خوب بڑے
ہوجاتے ہیں۔ اور دوران خون کے ذریعہ
تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ اور ان کے زہر
سے بخار چڑھ آتا ہے،
رشیدہ۔ ابا جان کیا یہ میدہ جس کی تیز مال
اور باقرخانیاں بنتی ہیں۔
حامد۔ وہ تو مَ، یٰ زبر ئے دَ، ہٗ زبر دَہٗ
ہوتا ہے، اور یہ تو مِ، عْ زیر مِعْ، دَ، ہٗ زبر
دَہٗ ہے۔
ابّا۔ حامد تم بہن کو معدہ کے معنی سمجھاؤ۔
حامد۔ معدہ آدمی کے جسم میں ایک قسم کی
مشین ہوتی ہے جس کے ذریعہ کھانا ہضم
ہوتا ہے۔ اور یہ پیٹ کا درد جو آئے دن
ہوتا رہتا ہے۔ ابا جان نے اس دن بتایا تھا
کہ اسی معدہ کی خرابی سے ہوتا ہے۔
ابّا۔ ہاں تو مچھر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک
تو ملیریا کے دوسرے معمولی مچھر۔ معمولی تو ایسا
برا نہیں ہوتا۔ مگر دوسرا مچھر بڑا موذی ہوتا ہے
بارش کا پانی جو جگہ جگہ تالابوں اور گڑھوں میں
جمع ہوجاتا ہے۔ اس میں یہ مچھر اپنے انڈے دیتے
ہیں۔ ان خاکی رنگ کے انڈوں میں سے۔
کالے کالے بچے کچھ دن میں نکل آتے ہیں۔

پھر پر نکلنے کے بعد اُڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ان گڑھوں میں جو کچی زمین میں ہو جاتے ہیں پانی نہیں بھرنے دینا چاہئے۔ یا فنائل چھڑک دینی چاہئے تاکہ اس کے اثر سے مچھر اور ان کے انڈے بچے مر جائیں۔ اور دیکھو وہ تمھاری اماں جان گندھک کی دھونی دیتی ہیں نا؟ وہ بھی مچھروں کو بھگانے کے لئے دی جاتی ہے۔

ہندوستانی لوگ صفائی کا خیال نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ ہندوستان گرم ملک ہے۔ بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ اس لئے ہندوستان کا کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے جہاں ملیریا نہ پھیلتا ہو۔ کیوں کہ گرم ملک میں ملیریا زیادہ پھیلتا ہے، مگر دیکھو حامد! خدا نے "ہوا" ہمارے لئے کیسی عمدہ چیز پیدا کی ہے۔ بعض دفعہ ہوا ملیریا کے مچھروں کو ایسی جگہ لے جاتی ہے جہاں ملیریا پھیلانا ممکن ہوتا ہے۔

حامد۔ جی ہاں اَبّا! ہوا کیا اللہ میاں نے ساری چیزیں ایسی مفید پیدا کیں ہیں۔

اَبّا۔ اچھا تو تم اپنے بدن اور کپڑوں کو صاف رکھا کرو۔ کیوں کہ میلے پن سے بھی بہت سی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ پھر کسی دن ہم تمھیں ملیریا کے باپ "ہیضہ" اور دادی "طاعون" کے متعلق کچھ بتائیں گے، یہ بیماریاں کچے پکے اور سڑے ہوئے پھل، گندی اور خراب چیزوں کے کھانے سے پھیلتی ہیں۔

حامد۔ دیکھو رشیدہ تم بہت حلوائی کے ہاں سے گلاب جامنیں اور کاچھن کے ہاں سے کچے امرودوں اور کمرک کے کچالو منگا منگا کر کھاتی رہتی ہو۔

رشیدہ۔ اے چلو تم نہیں کھاتے کیا..... دہی بڑے اور خبر نہیں کیا کیا کھاتے رہتے ہو۔؟

اَبّا۔ ارے بھائی تم دونوں ہر وقت لڑتے رہتے ہو۔ آخر ہو نا او پر تلے کے بہن بھائی۔ رات زیادہ آگئی ہے۔ چلو اپنے اپنے پلنگوں پر سو رہو، دونوں بہن بھائی سلام کر کے۔ اپنے اپنے بستروں پر جا لیٹے۔

محمد شان الحق حقی دہلوی پشاور

(متعلم جماعت ہشتم)

سنہری چڑیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ تھا اس کے گھر کے قریب ہی ایک خوبصورت باغ تھا۔ اس باغ میں صاف پانی کا ایک چشمہ تھا اور اس چشمہ کے قریب ہی ایک سیب کا درخت تھا

سیب کا درخت حسب معمول تین سال میں ایک بار پھل لاتا تھا۔ اور اس میں تین سیب پیدا ہوا کرتے تھے۔ لیکن وہ سیب ہوتے سونے کے تھے۔

تین سال کے بعد اس درخت میں تین سنہرے سیب لگے۔ لیکن ایک چور رات کے وقت ان سیبوں کو چرا کرلے گیا۔ بادشاہ اس بات پر بہت خفا ہوا۔ اس کو ڈر تھا کہ اب کی بار بھی سیب چوری ہو جائیں گے، بادشاہ نے نوکروں کو حکم دیا کہ اس باغ کے چاروں طرف ایک دیوار بنا دو تاکہ کوئی آدمی باغ میں نہ آسکے دیوار میں ایک مضبوط دروازہ لگایا گیا جو ہمیشہ بند رہتا تھا۔ بادشاہ کے پاس ہی دروازہ کی کنجی رہتی تھی اور خود ہی دروازہ کھولتا تھا۔

بہار کا موسم شروع ہوا۔ اور سیب کے درخت میں تین چھوٹے سنہرے پھول لگے، موسم بہار گذر گیا۔ موسم گرما آیا۔ موسم گرما میں پھولوں کی جگہ تین چھوٹے چھوٹے سنہرے سیب نکل آئے سیب آہستہ آہستہ بڑھتے اور پکتے رہے۔ بادشاہ کو پھر ڈر پیدا ہوا کہ سیب کہیں پھر چوری نہ چلے جائیں۔ جوں ہی موسم گرما ختم ہونے لگا سیب پک کر بالکل تیار تھے بس اتنی کمی اور رہ گئی تھی کہ تین چار دن کے بعد درخت سے اتارنے کے قابل ہو جاتے۔ بادشاہ کے تین بیٹے تھے بڑے بیٹے کو بلا کر کہا۔ دیکھو آج تمام رات باغ کی حفاظت کرو۔ کوئی شخص باغ میں نہ آنے پائے۔ شہزادہ رات بھر درخت کے نیچے بیٹھا رہا۔ صبح کے وقت اس کی آنکھ لگ گئی تھوڑی دیر

بعد جاگا اس نے دیکھا کہ ایک سیب غائب ہے بیچارہ شہزادہ بہت پریشان ہوا چاروں طرف دیکھا کسی شخص کے آنے کا کوئی نشان نہ تھا دروازہ بھی بند تھا۔ اتنے میں بادشاہ بھی تشریف لے آئے سیب کے چوری جانے پر شہزادہ پر بہت غصہ ہوئے اور کہا کہ تم اتنا بھی کام نہیں کر سکے کہ اپنی چیز کی بھی حفاظت کر سکو تم محض بیکار ہو۔

بادشاہ نے منجھلے بیٹے کو بلا کر کہا کہ جاؤ تمام رات سیب کے درخت کی حفاظت کرو جاگتے رہنا ایسا نہ ہو کہ تم سو جاؤ اور سنہری سیب چوری چلا جائے شہزادہ رات بھر جاگتا رہا جب صبح ہونے لگی تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ اب تو صبح ہوگئی ہے اب کون چوری کرنے آئے گا۔ درخت کے تنہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ جوں ہی اس نے ٹیک لگائی کہ اس کو نیند آگئی دن نکل آیا۔ بادشاہ باغ میں آیا دیکھتا ہے کہ شہزادہ بے خبر سو رہا ہے اور سیب غائب ہے۔ بادشاہ شہزادہ پر بہت ناراض ہوا اور شہزادہ کو بہت برا بھلا کہا۔

اس کے بعد بادشاہ نے اپنے تیسرے بیٹے سے کہا جاؤ سیب کے درخت کی حفاظت کرو۔ تیسرا لڑکا باغ میں گیا اور تنہ سے سہارا لگا کر لیٹ گیا لیکن سویا نہیں۔ جب صبح ہونے لگی تو اس نے ہوا میں ایک آواز سنی لڑکے نے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔ لیکن وہاں کوئی چیز نہ تھی اور آواز آہستہ آہستہ صاف ہوتی گئی۔ وہ آواز ایک پرندہ کی تھی۔ آخر وہ اٹھا اور درخت کو دیکھنے لگا۔ اتنے میں اس نے ایک پرندے کو درخت پر اترتے ہوئے دیکھا پرندہ درخت پر آیا اور اس نے ایک سیب توڑ لیا، لڑکے نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور خیال کیا سیبوں کا چور یہی پرندہ ہے۔ رائفل اٹھا اور اس پر وار کر دیا جلدی میں اس کا ہاتھ کچھ ٹیڑھا ہو گیا گولی اس کے بازو سے ٹکراتی ہوئی نکل گئی۔ اس ٹکر سے پرندہ کا ایک پر گر پڑا۔ لڑکے نے پر کو اٹھا کر دیکھا تو پر سونے کا تھا۔

جب بادشاہ نے پر دیکھا تو کہا کہ جب ایک پر سونے کا ہے تو تمام پر بھی ضرور سونے کے ہوں گے۔ اور پرندہ بھی سونے کا ہوگا

اور یہی سنہرہ پرندہ میرے تینوں سیب لے گیا ہے، تب بادشاہ نے اپنے پہلے بیٹے سے کہا تم اپنی پہلی رات میں چور کو تو پکڑ نہ سکے تھے۔ اب کوشش کرکے سنہرے پرند کو پکڑ کر لاؤ۔

پہلا لڑکا روانہ ہوا۔ دن بھر برابر چلتا رہا آخر شام کو وہ ایک بڑے جنگل میں پہنچا۔ اس جنگل میں پانی کا ایک چشمہ تھا۔ جوں ہی اس نے چشمہ پار کرنے کو آگے قدم بڑھایا۔ تو اُس نے ایک لومڑی کو اپنے سامنے دوڑتے ہوئے دیکھا، اس نے اپنی بندوق سنبھالی۔ وہ لومڑی کے گولی مارنے ہی کو تھا کہ لومڑی نے اس سے کہا۔ کیا تم سنہری چڑیا تلاش کرنے جا رہے ہو؟ شہزادے نے کہا ہاں! لومڑی نے کہا۔ مجھے مت مارو، میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ جس سے تمھیں بہت فائدہ ہوگا۔ دیکھو اس چشمہ کو پار کرو۔ اور اس چشمہ اور جنگل کو پار کرنے کے بعد تمھیں ایک سڑک ملے گی اس سڑک کے بعد ایک سڑک اور ملے گی اس سڑک سے تم ایک شہر میں پہنچو گے، اس شہر میں تم ایک گرجا دیکھو گے۔ گرجے کے چاروں طرف مکانات بنے ہوئے ہیں۔ ایک طرف ایک بہت بڑا مکان ہے اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ تم اس چھوٹے مکان میں ٹھہرنا بڑے میں مت ٹھہرنا۔

چلتے چلتے شہزادہ اُسی گاؤں میں پہنچا سردی زیادہ تھی وہ کچھ گرمی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ گرجے کے قریب بہت سے مکانات تھے ان کے مقابلہ میں وہ چھوٹا سا جھونپڑا جس کو لومڑی نے ٹھہرنے کے لئے بتایا تھا نہایت بھدا اور خراب مکان تھا۔ غرض وہ لڑکا چھوٹے مکان کو چھوڑ کر بڑے مکان میں گھس گیا۔ اندر گھستے ہی سنہری چڑیا، اور جو کچھ بادشاہ نے کہا تھا سب بھول گیا یہی نہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو بھی بھول گیا کہ میں کون ہوں اور مجھے کیا کرنا ہے؟ بادشاہ نے بہت انتظار کیا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ آخر اُس نے مجبور ہو کر اپنے دوسرے لڑکے کو روانہ کیا۔ اس کے سامنے بھی لومڑی آئی۔ وہ لومڑی کو گولی

مارنے ہی کو تھا کہ لومڑی نے کہا۔ مجھے مت مارنا میں تم کو کچھ بتلاؤں گی۔ جو تمھیں سنہری چڑیا کے حاصل کرنے میں بہت مدد دے گا۔ لومڑی نے وہ تمام باتیں جو پہلے لڑکے سے کہی تھیں وہ سب اُس کو بتلادیں۔ لیکن دوسرے لڑکے نے بھی وہی کیا جو پہلے لڑکے نے کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کا حال بھی پہلے لڑکے کی طرح ہوا۔ وہ بھی اسی مکان میں داخل ہوگیا اور تمام باتیں بھول گیا اور گھر لوٹ کر نہ آیا۔

جب بادشاہ نے دیکھا کہ دوسرا لڑکا بھی واپس نہیں آیا تو اس نے اس کام کے لئے اپنے تیسرے لڑکے کو بھیجا یہ ایک قصبہ میں پہنچا رات اس نے اسی قصبہ میں گذاری فجر کی نماز پڑھ کر قصبہ سے نکل کھڑا ہوا چند قدم بھی نہ چلنے پایا تھا کہ اس کے سامنے سے بھی لومڑی گذری اُس نے کہا تم اپنے دونوں بھائیوں کے پیچھے مت جانا میں نے ان کو بڑے گھر میں جانے کو منع کیا تھا مگر وہ دونوں اسی گھر میں چلے گئے اور سب کچھ بھول گئے۔ ان کا آج تک پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئے اور کیا ہوئے؟

تیسرا لڑکا اسی گاؤں میں آیا۔ اس کو بڑا گھر بہت ہی پسند آیا۔ وہ بھی اس گھر میں جانے کے لئے آگے بڑھا قریب ہی تھا کہ وہ اُس گھر میں داخل ہو اسے لومڑی کی نصیحت یاد آگئی اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اور وہ چھوٹے اور بھدّے گھر میں چلا گیا۔ رات اس نے اسی گھر میں گذاری۔ صبح ہوتے ہی وہاں لومڑی آئی اور لڑکے سے بولی چلو میں تمھیں سنہری چڑیا کے پاس لئے چلتی ہوں۔ لڑکے نے کہا میں تمھارے پیچھے کیسے چل سکتا ہوں تم تو بہت تیز دوڑتی ہو۔ لومڑی بولی اچھا تو تم میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔ لومڑی لڑکے کو اپنی پیٹھ پر بٹھاکر نہایت تیزی سے دوڑی اور چند منٹ کی دوڑ کے بعد ایک پہاڑی پر جا کھڑی ہوئی پھر لومڑی لڑکے سے بولی دیکھو تم اس پہاڑی کی چوٹی پر چلے جاؤ جب تم وہاں پہنچو گے تو تمھیں ایک بہت بڑا دروازہ نظر آئے گا دروازہ کے سامنے دونوں طرف سپاہیوں

کی دو قطاریں ہوں گی تم ان کے درمیان سے گذر جانا۔ وہ تم سے کچھ نہیں کہیں گے جب تم اندر پہنچو گے تو وہاں تمھیں بہت سے دروازے نظر آئیں گے۔ ایک دروازے میں دو پنجروں کے درمیان سنہری چڑیا بیٹھی ہوگی۔ ایک پنجرا سونے کا ہوگا اور دوسرا لکڑی کا۔ تم اس چڑیا کو لکڑی کے پنجرے میں ڈال دینا۔

لڑکے نے لومڑی کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔ اور وہ سنہری چڑیا تک پہنچ گیا۔ اس کے قریب تین سنہرے سیب رکھے ہوئے تھے۔ لڑکے نے جوں ہی سنہری چڑیا کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا چڑیا چلانے لگی۔ اس کی آواز سے سارے کے سارے سپاہی جاگ گئے۔ اور لڑکے کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لائے۔ بادشاہ نے اس کی سزا قتل تجویز کی لڑکے نے معافی کی درخواست کی زیادہ اصرار کے بعد ایک شرط پر اس کی درخواست منظور کرلی۔ تم کو یہ پہاڑ جو محل کے سامنے ہے جس کی وجہ سے سمندر دکھائی نہیں دیتا کھودنا پڑے گا۔ اگر تم نے اس کام کو انجام دے دیا تو میں اپنی لڑکی کی شادی تمھارے ہی ساتھ کروں گا۔ لیکن اس کام کے لئے صرف ایک ہفتہ دیا جائے گا۔ لڑکے نے کہا کہ ایک ہفتہ تو بہت کم ہے لیکن میں کوشش کروں گا۔

دوسرے دن لڑکا پہاڑ پر گیا اور اس نے اپنا کام شروع کردیا۔ چھ دن برابر کام کرتا رہا لیکن پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔ ساتویں دن لومڑی آئی اور اس نے کہا تم ڈرو نہیں۔ چیونٹیوں کا بادشاہ بہت طاقت ور ہے۔ وہ اس پہاڑ کو اپنے لشکر سے اُٹھوا کر کسی دوسری جگہ رکھوا دے گا۔ تم جاؤ اور آرام کرو۔ چیونٹیوں نے رات میں پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُٹھالیا۔ صبح بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ تم نے ابھی تک پہاڑ کو نہیں ہٹایا میں تمہارا سر اڑا دوں گا۔ بادشاہ نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو پہاڑ ہٹا ہوا تھا اور سمندر صاف نظر آرہا تھا۔ بادشاہ لڑکے سے بہت خوش ہوا اور اپنی لڑکی سے اس کی شادی کردی اور سنہرا پرند بھی دے دیا۔ لڑکے نے اپنے بڑے بھائیوں کو بھی بڑے گھر سے نکال لیا۔

لڑکا اپنے گھر جا رہا تھا۔ راستہ میں لومڑی سے پھر ملاقات ہوگئی لڑکے نے لومڑی سے کہا میں تمہارا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں اور ہر وقت خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ لومڑی بولی میں بھی تمھیں اپنا قصہ سناتی ہوں۔ میں ایک بادشاہ کی بیٹی تھی مجھ کو ایک بدمعاش پری نے انسان سے لومڑی بنا دیا۔ لومڑی نے لڑکے سے کہا۔ تم آگ جلاؤ اور مجھے قتل کرکے میرا دل نکال کر آگ میں ڈال دو لڑکے نے ایسا ہی کیا آگ میں سے ایک آواز نکلی اس کے بعد ایک خوبصورت شہزادی اٹھ کھڑی ہوئی۔ لڑکے نے شہزادی سے شادی کرلی اور دونوں میں بہت زیادہ محبت ہوگئی اور وہ سب خوشی خوشی رہنے لگے۔ (ترجمہ)

احمد اللہ مہکری متعلم جامعہ دہلی
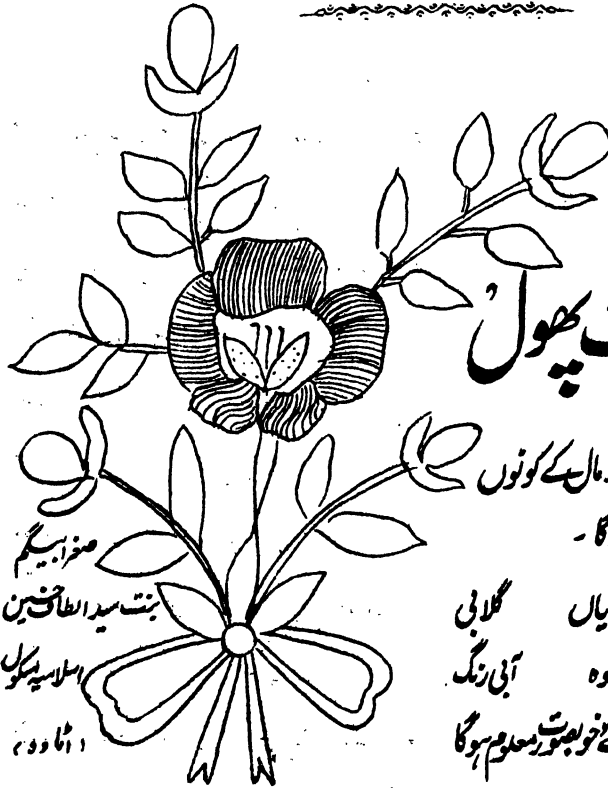
ایک خوبصورت پھول

یہ پھول میز پوش تکیہ غلاف، رومال کے کونوں پر بہت خوش نما معلوم ہوگا۔

پھول سرخ کلیاں گلابی

پتیاں سبز بوہ آبی رنگ

بیچ میں سنہری موتی ٹانک دیجئے خوبصورت معلوم ہوگا

صغرا بیگم
بنت سید الطاف حسین
اسلامیہ اسکول
(اٹاوہ)

حق بحق دار رسید

ایک جگہ پر ایک سنیاسی رہا کرتا تھا۔ اس کے دو چیلے تھے۔ وہ بہت ہی عقل مند تھے۔ اگر کوئی مشکل سے مشکل کام بھی سنیاسی اپنے چیلوں کو دے دیتا تو وہ اس کو آن واحد میں کر ڈالتے سنیاسی اپنے چیلوں سے بہت ہی خوش رہتا تھا

ایک مرتبہ سنیاسی کو کہیں سے بہت ساری جائداد ملی۔ اس نے دل میں یہ سوچا کہ "میں مرنے کے بعد تمام جائداد کسی چیلے کو دے دوں"۔ آخر اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ میں دونوں چیلوں کا امتحان لوں گا۔ امتحان لینے کے بعد پتہ چل جائے گا کہ کون مستحق ہے اور کون نہیں۔ جو چیلا ہوشیار اور عقل مند ہوگا۔ اس کو تمام جائداد دے دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے چیلوں کو بلایا۔ اور کہا کہ "میں آج تمہارا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ مجھے معلوم کرنا ہے کہ تم میں سے کون عقل مند ہے۔ جب یہ معلوم ہو جائے گا۔ تو میں اپنی ساری جائداد اسی کو دے دوں گا۔ یہ سن کر چیلے مارے خوشی کے اچھل پڑے اور امتحان دینے کو راضی ہو گئے

سنیاسی نے اپنے دونوں چیلوں کو دو کبوتر دے دئے اور ان کو کہا کہ "تم ان کبوتروں کو ایسی جگہ کاٹ کر لانا جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔ دونوں چیلوں نے کبوتر لے لئے اور خوشی خوشی جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک چیلا تو ایک گھنے جنگل میں چلا گیا۔ جہاں پر نہ تو درندے تھے اور نہ پرندے اور نہ وہاں کسی آدمی کا ہی نام و نشان تھا۔ غرض کہ جگہ بالکل سنسان تھی۔ ایسی تنہائی کی جگہ پاکر وہ چیلا وہاں بیٹھ گیا۔ اور اس نے کبوتر کو ذبح کر ڈالا۔ اور پھر سنیاسی کے جھونپڑے کی طرف خوشی خوشی واپس آیا۔

جب سنیاسی نے اپنے چیلے کو اتنی جلدی آتے دیکھا تو مسکرانے لگا۔ پہلا چیلا بہت خوش تھا کہ وہ اپنے گرو کا حکم پہلے بجالایا ہے اور سنیاسی اس سے زیادہ خوش ہو کر اس کو ساری جائداد کا مالک بنادے گا۔ اب دونوں دوسرے چیلے کے آنے کے انتظار میں تھے۔ بہت دیر کے بعد جب وہ انتظار کرتے کرتے تھک گئے اور بالکل مایوس ہوگئے۔ اچانک وہ ایک مکان کے کے پیچھے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ لیکن اس چیلے نے کبوتر ذبح نہیں کیا۔ آتے ہی سنیاسی نے پوچھا "تم نے کبوتر ذبح کیوں نہیں کیا" یہ سن کر لال پیلی آنکھیں نکال کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ چیلے نے جواب دیا مہاراج! میں کبوتر کو اس وجہ سے ذبح نہ کرسکا کہ مجھے ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کہ اُسے ذبح کرتا۔ سنیاسی بہت غصہ ہوا اور بولا۔ اے نالائق! دیکھ میرے اس چیلے نے اپنا کام انجام دیا ہے۔ کیا تجھ کو کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو، چیلے نے جواب دیا۔ مہاراج مجھ پر بیکار غصہ نہ کیجئے۔ مہاراج میں بھی گھنے جنگل میں گیا تھا۔ اور میں نے بہت ہی عمدہ اور تنہائی کی جگہ تلاش کرلی تھی۔ لیکن جب میں نے کبوتر کو لٹاکر ذبح کرنا چاہا تو اک دم خیال آیا کہ پرماتما ہر جگہ موجود ہے اور اگر کوئی جاندار مجھے نہیں دیکھ رہا لیکن وہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے کبوتر کو ذبح کرنے کا خیال دل سے نکال دیا اور میں اب آپ کے پاس آیا ہوں۔

جب سنیاسی نے ان باتوں کو سنا تو بہت ہی خوش ہوا اور اپنی تمام جائداد اُس عقلمند چیلے کے نام کردی

۔ ایس۔ دلوی پانڈے۔ دکن

ہونہار بچو!

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کرو۔ ورنہ تمھیں اپنے خط کا جواب جلد نہ مل سکے گا۔

"مینجر"

چار لڈّو

ایک ڈپٹی صاحب کے یہاں ایک افیونی نوکر تھا جس کا نام بدھو تھا، ڈپٹی صاحب نے اسے دو آنے دے کر کہا کہ لڈّو لا دے۔ بدّھو نے جواب دیا بہت اچھا حضور، بدّھو بازار گیا۔ اور چار لڈّو خرید کر گھر کی طرف چل دیا۔

راستہ میں بدھو نے افیون کے نشے میں خیال کیا کہ ان میں سے ایک لڈّو تو ڈپٹی صاحب مجھے دیں گے ہی، لہذا یہ خیال کرتے ہوئے اس نے ایک لڈّو کھا لیا۔ آگے چل کر بدھو نے ایک ٹھوکر کھائی تو ایک لڈّو نالی میں گر گیا، بدھو نے لڈّو کو اٹھا لیا اور خیال کیا کہ ڈپٹی صاحب اسے تو کھائیں گے ہی نہیں۔ کیوں کہ خراب ہو گیا ہے، دھو کر بدّھو نے اسے بھی کھا لیا۔ بعد ازاں نشے کی حالت میں بدھو کو ایک ٹھوکر اور لگی۔ ایک لڈّو ریت میں اور گر پڑا، اور پہلے کی طرح خیال کر کے بدّھو نے اسے بھی پھونک سے صاف کر کے کھا لیا، اب ایک لڈّو باقی رہ گیا سو اس کو لے جا کر ڈپٹی صاحب کے سامنے پیش کیا ایک لڈّو دیکھ کر ڈپٹی صاحب آگ بگولہ ہو گئے اور لال پیلی آنکھیں کر کے کہنے لگے۔ ابے بیوقوف دو آنے کے چار لڈّو آتے ہیں یا ایک۔

بدھو نے کہا حضور ذرا ٹھنڈے ہو جائیے اتنے گرم کیوں ہوتے ہیں دو آنے کے چار ہی آتے ہیں مگر ذرا یہ تو بتلا دیجئے۔ ان چار میں سے آپ ایک تو مجھے دیتے ہی۔

ڈپٹی صاحب نے کہا ہاں ہاں۔

یہ سن کر بدّھو نے کہا کہ ایک تو میں نے راستہ میں کھا لیا۔ کہ ڈپٹی صاحب ایک تو مجھے دیں گے ہی، اور دوسرا نالی میں گر پڑا تھا۔ اس کو آپ کھاتے نہیں۔ اس لئے اُس کو بھی میں نے صاف کر کے کھا لیا، اور تیسرا ریت میں گر پڑا تھا۔ صاف کر کے اس کو بھی کھا لیا

ڈپٹی صاحب نے کہا وہ کیسے کھالیا ۔ بڈھو نے
چوتھا لڈو اٹھا کر پھونک مار کر کھالیا اور کہا کہ
ایسے کھالیا۔ ڈپٹی صاحب اُس کی اس
داستان سے بہت خوش ہوئے۔ (ترجمہ)

محمد یٰسین جلیسری درجہ ہفتم
(گورنمنٹ ہائی اسکول ایٹہ)

خوشنما باسکٹ

یہ باسکٹ میز پوش کے کونے پر یا بیچ میں اور تکیہ کے بیچ میں خوشنما معلوم ہوتا ہے۔

پتیاں ۔ سبز — باسکٹ ۔ پیلی
پھول ۔ گلابی — ۔ ۔ چاکلٹ
ڈلیا ۔ ۔ کاہی
چھوٹے پھول کاسنی یا گلابی

ایم ۔ اے قیوم ۔ فرخ آبادی ۔

دلچسپ معلومات

"ایجادیں اور ان کے موجد"

ایجاد	موجد	سنِ ایجاد
ریل کا انجن	جارج اسٹیفنسن	۱۸۱۴ء
ٹیلیگراف	سیموئل، ایف، پی، مورس	۱۸۳۷ء
سینے کی مشین	ہو	۱۸۴۵ء
مشین گن	گاٹنگ	۱۸۶۱ء
ٹیلیفون	بیئل	۱۸۷۶ء
متحرک تصاویر کی مشین	ایڈیسن	۱۸۹۳ء
ہوائی جہاز	اردل اور ولبر رائٹ	۱۹۰۵ء

کے، ایم، بشیر چکوالی۔ طالب علم سرگودھا۔

اسکاؤٹنگ کی تحریک۔ اِسکاؤٹنگ کی تحریک لارڈ بیڈن پاول نے ۱۹۰۸ء میں شروع کی۔ اِس وقت دنیا میں اِسکاؤٹوں کی تعداد ۲۲ لاکھ ہے لڑکیوں کے لئے گرل گائڈ کی تحریک ہے۔ اِس وقت دنیا بھر میں گرل گائڈز کی تعداد، ۹ ۴ ۶ ۲ ۴ ۹ ہے۔

ورزش

سہل سا نسخہ ہے ورزش تندرستی کے لئے
یہ دوا اکسیر ہے آزارِ سستی کے لئے

پڑھنا لکھنا ہے مقدم لازمی ہے کھیل کود
عقل کی اس سے ترقی اس سے صحت کی نمود

سچ اگر پوچھو تو دونوں لازم و ملزوم ہیں۔
یہ نہ ہوں تو عقل و صحت یک قلم معدوم ہیں

علم دولت کا ذریعہ، کھیل راحت کی کلید
زندگی میں شادمانی کے لئے دونوں مفید

جسم گر کمزور ہے، محنت سے جی اکتائے گا
خاک لڑکا امتحاں میں کامیابی پائے گا۔

جی چرانا شوقِ ورزش سے خردمندی نہیں
ہر طرح کی اس میں آزادی ہے پابندی نہیں

کرکٹ و فٹ بال یا ہاکی و ٹینس کھیلنا۔
دوڑنا، مگدر ہلانا، تیرنا، ڈنٹر پیلنا۔

نور کے تڑکے ہوا خوری کسی گل زار کی
سیر کھیتوں کی، چمن کی، دامنِ کہسار کی

بانک، لکڑی ہو، کبڈی، یا پرانا یام ہو۔
مختصر یہ ہے ریاضت کا ہو کوئی کام ہو

تندرستی کے لئے یہ ورزشیں ہیں سود مند۔
اُس کی عادت ڈال لو اس میں سے جو آئے پسند

آزما دیکھو صداقت سے اگر انکار ہے
ہاتھ کنگن کے لئے کیا آرسی درکار ہے

(بشیر چکوالی - از سرگودھا)

ریویو

ہمجولی

اس نام کا ایک نہایت خوبصورت ماہوار رسالہ محترمہ سیدہ بیگم خویشگی کی ادارت میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا ہے۔ اس رسالے کے مضامین۔ نظمیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ سب بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ حیدرآباد کیا ہندوستان کے بہت سے رسالوں سے اس کا نمبر بڑھا ہوا ہے۔

اس رسالہ کا ہر نمبر پہلے کی بہ نسبت بہت اچھا نکل رہا ہے۔ حال ہی میں اس کا عروس نمبر شائع ہوا ہے اس میں شہزادگان اعظم جاہ و معظم جاہ بہادر کے نہایت عمدہ اور خوب صورت فوٹو دئے گئے ہیں۔ شہزادی دُرِّ شاہوار اور شہزادی نیلوفر کے نہایت عمدہ فوٹو ہیں۔ ان شہزادیوں سے حال ہی میں شاہزادگان والا تبار کی ٹیس میں شادی ہوئی ہے۔ نیس کے مناظر بھی قابلِ دید ہیں۔

اس نمبر کے تمام مضامین اور نظمیں نہایت خوب ہیں۔ رسالہ کا سائز $\frac{20 \times 30}{16}$۔ ضخامت تقریباً ۱۰۰ صفحے دفتر رسالہ ہمجولی۔ فتح میدان۔ حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے۔

نرالی اُردو

دلی کی کوثر سے دُھلی ہوئی اردو زبان تو ہندوستان میں مشہور ہے لیکن یہاں ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو عجیب و غریب قسم کی اردو بولتا ہے۔ یہ کارخانہ داروں کا طبقہ کہلاتا ہے اس طبقہ کے لوگ چونکہ پڑھے لکھے نہیں ہیں اس لئے اپنی غلطیوں کو نہیں سمجھتے۔

دلی کے ایک نوجوان ادیب مسٹر ایم اے مُغنی بی اے کی یہ بہت قابلِ تحسین ہے کہ انھوں نے اس خاص زبان کو کتابی صورت میں لاکر ان لوگوں کے لئے دلچسپی کا سامان پیدا کیا ہے جو یہ زبان اپنے کانوں سے نہیں سُن سکتے۔ اور انھوں نے اردو زبان کی تاریخ لکھنے میں بھی ایک بہت بڑی مدد پہونچائی ہے۔ امید ہے کہ ملک اس علمی تحقیق کی قدر کرے گا۔ یہ کتاب شروع سے آخر تک نہایت دلچسپ ہے۔ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$۔ ضخامت ۱۲۸ صفحات جس میں مختلف قسم کے ۴۲ مضامین ہیں۔ قیمت صرف ۸ ر

۸ ر کے ٹکٹ بھیج کر مینجر دفتر نرالی اردو کوچہ دکھنی رائے دریا گنج سے طلب کیجئے۔

صفحہ ۲۴ پر ہم اسی کتاب سے ایک چھوٹا سا مضمون "بڑے بول کا سر نیچو ہوتا ہے" اس رسالے میں نقل کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ صحیح اردو بھی لکھے دیتے ہیں جس سے صحیح اور غلط میں اندازہ ہوسکے اور طلبہ کارخانہ داروں کے زبان کے ساتھ ساتھ اُن کی دلچسپ غلطیوں سے بھی واقف ہو جائیں۔ نرالی اردو پڑھتے وقت زیر زبر پیش اور الفاظ کی عجیب قسم کی تبدیلیوں کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہئے

بڑے بول کا سر نیچو ہوتا ہے

بعض آدمی تو جناور سے بھی بدتر ہوتے ہیں، وِن کی عقل گدّی کے پیچھو ہوتی ہے، کہ اپنے آگو کسی دوسرے کو سمجھتے ہی نئی۔ دور کیوں جاؤ منتیاز ہی کو دیکھ لو جمّا جمّا آٹھ دِن ادسے پلوانی کرتے ہونے ہوئے ہیں، مگر ہر وخت کھال سے باہر رہتا ہے، گویا افلاطون کا بچہ بنا وا ہے، بے ناحق لوگوں سے اڑتا ہے کسو کو مار کسو کو پیٹ، ایک زور اُدھار کھا ہے، میں نے کتّی ایک دفعہ وِس سے کیا کہ دیکھ وی منتیاز تو اِتا اکڑا اکڑا نہ کر، بڑے بول کا سر ہمیش نیچو ہوتا ہے، بے فضول میں ہر ایک کو ستانا اچھا نئی ہے، کدھی کسو بے ڈھب سے واسطہ پڑ گیا تو تیرے تلکے کے سے بل نکل جائیں گے، مگر وہ آدمی ہو تو سمجھے، وِسے تو اپنی جوانی اور پلوانی پر اِتا غرّہ تھا کہ میری وصیت کو ایک کان سنا اور ایک کان اڑا دیا، سُنا نہ سُنا برابر کیا، میں نے بھی سوچ لیا کہ ایسا آدمی ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے، میں کیوں اپنی زبان تھکاؤں، ہاں اِس فکر میں ضرور رہا کہ کسو طریاں وِسے اپنی آنکھوں کے سامنے نیچ ملتا وا دیکھوں اور میری یہ مراد پوری بھی ہو گئی، ایک دِنا کو ہی۔

ڈیڑھ بجے کا ٹیم تھا میں کلّن درودز سے باتیں کر رہا تھا، کہ اتّے میں گلی میں سے غل غپاڑے کی آواز آئی میں زلدی سے باہر نکل کے گیا نظر اٹھا کے جو دیکھا تو دال سیب والے کا خونچہ تو زمین میں گرا وا پڑا تھا اور منتیاز کی اور دال سیب والے کی بڑے زوروں پہ ہاتھا پائی ہو رہی ہے، کدھی تو منتیاز وِسے نیچو دبا دیتا ہے اور کدھی وہ منتیاز کے اوپر چڑھ بیٹھتا ہے، میں نے ایک لمڈے سے جو واں کھڑا وا تھا، دریافت کیا کہ وئی یہ لڑائی دنگہ کس بات پہ ہو رہا ہے، وہ بولا خلیفہ جی بات دراصل میں یہ ہوئی تھی کہ منتیاز اپنی بیٹھک میں سو رہا تھا، وِس دال سیب والے نے آواز لگا کے چیخنا شروع کیا تو وِس کی آنکھ کھل گئی۔ بس وِس نے غصّہ میں جا کر دال سیب والے کو پہلم پار تو گالیاں دیں اور بازوار وِس کا خونچہ بھی زمیں پہ پھینک دیا پھر تو وِس دال سیب والے کو بھی غصّہ آ گیا، اور وِس نے منتیاز کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا، کہ میرا خونچہ کیوں پھینکا وِس کا نالواں ابھی تیرے سے رکھوا لوں گا، بس جد سے وِن دونوں کی کشتم کشتا ہو رہی ہے میں نے کیا غضب اندھیر منتیاز تو نواب کا بچہ ہی بنا وا ہے، کہ وِس کے سونے کے وخت سودے والا گلی میں آواز بھی نئیں لگائے، میں تو یہ کہہ ئی رہا تھا کہ دال سیب والے نے منتیاز کو کولے پہ لاد کے دے مارا منتیاز کی ساری شیخی کرکری ہو گئی، دال سیب والا اچھل کے سے اس کے سینے پہ چڑھ بیٹھا اور پھر جو وِس نے منتیاز کے وے رپٹے پہ رپیٹا رسید کیا، ہے تو منتیاز کو بیچا چھٹانا دوبر ہو گیا، وہ تو مجھے یاریانے کا خیال آ گیا۔

جو میں نے وِسے جلا کے دال سیب والے سے چھڑایا، ورنہ وہ تو اس کی اِتی گت بناتا کہ صبو کر دیتا۔ دال سیب والا بولا خلیفہ جی آخر دیکھو میرا کو ہی قصور بھی ہو وِس نے بے مطلب مجھے گالیاں دیں لڑنے پر آمادہ ہو گیا اور میرا نقصان ہوا سو الگ، میں تو وِس سے ایک ایک کوڑی دھروالوں گا، میں نے دیکھا بات بڑھتی چلی جاتی ہے بس وِسی وَخت اپنی نیما آستین کی جیب میں سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر وِس کے ہاتھ میں دے دیا، کہ لے د ئی بس جھگڑا ختم کر بلا سے ہم اپنے یار کے کارن پانچ روپے کا جریانہ ہی بھگتیں گے۔ دال سیب والا تو نوٹ لے کر چلتا بنا اور میں نے ممتاز سے کہا کہ دیکھ پیارے اب کسو سے خانا خا، نہ الجھیو یوں کہ دنیا میں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہے تجھے جس بات کا گھمنڈ تھا وہ بھی تو نے دیکھ لیا اگر میں بر وَخت پہ نہ آجاتا تو آج خدا جانے تیری کیا گت بنتی ممتیاز کچھ ایسا جھینپ رہا تھا کہ وِس نے مجھے کچھ جواب نئی دیا اور سیدھا اپنے گھر میں گھس گیا، اور میں بھی اپنے دل میں یہ کہتا واپس گیا کہ جیسا یہ بڑا بول بولتا تھا اور لوگ باگوں سے بُرائی سے پیش آتا تھا، ویسائی آج وِس کو سبخ مل گیا۔

بڑے بول کا سر نیچا ہوتا ہے

بعض آدمی تو جانوروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں ان کی عقل گدی کے پیچھے ہوتی ہے، اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں، دور کیوں جاؤ، ممتاز ہی کو دیکھ لو جبہ جبہ آٹھ دن پہلوانی کرتے گذرے ہیں مگر ہر وقت آپے سے باہر رہتا ہے، گویا افلاطون کا بچہ بنا ہوا ہے، ناحق لوگوں سے اڑتا ہے کسی کو مار کسی کو پیٹ، ایک اُدھم مچا رکھا ہے، میں نے کئی مرتبہ اس سے کہا دیکھ بھئی ممتاز! تو اتنا نہ اکڑ اکڑ بڑے بول کا سر ہمیشہ نیچے ہوتا ہے، خواہ مخواہ ہر ایک کو ستانا اچھا نہیں ہے کبھی کسی بے ڈھب سے واسطہ پڑ گیا تو تیرے نکلے کے سے بل نکل جائیں گے، مگر وہ آدمی ہو تو سمجھے، اسے تو اپنی جوانی اور پہلوانی پر اتنا غرور تھا، کہ میری نصیحت کو نہ مانا، ایک کان سنا ایک کان اُڑا دیا، میں نے بھی سمجھ لیا کہ ایسا آدمی ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے، میں کیوں اپنی زبان تھکاوں ہاں یہ فکر مجھے ضرور رہی کہ میری آنکھوں کے سامنے اسے سبق ملے میری یہ مراد پوری ہوئی۔ ایک دن کوئی ڈیڑھ بجا ہوگا میں کلن زردوز سے باتیں کر رہا تھا، کہ گلی میں غل غپاڑے کی آواز آئی میں جلدی سے باہر نکلا، دیکھا تو دال سیب

والے کا خوانچہ تو زمین پر گرا ہوا پڑا ہے، اور ممتاز سے خوانچہ والے کی بہت زور سے لڑائی ہو رہی ہے کبھی ممتاز نیچے دبا لیتا ہے اور کبھی وہ منتیاز پر چڑھ بیٹھتا ہے، میں نے ایک لڑکے سے جو وہاں کھڑا تھا دریافت کیا کہ کس بات پر لڑائی ہوئی ہے، اس نے کہا خلیفہ جی! بات اصل میں یہ تھی کہ ممتاز اپنی بیٹھک میں سو رہا تھا، دال سیب والے نے گلی میں آکر آواز لگائی تو ممتاز کی آنکھ کھل گئی، پہلے تو غصہ میں اسے گالیاں دیں اور پھر اس کا خوانچہ پھینک دیا، خوانچہ والے کو بھی غصہ آیا، اور اس نے ممتاز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر کہا کہ میرا خوانچہ کیوں پھینکا اس کی لاگت ابھی تجھ سے دھروالوں گا، بس جب سے لڑائی ہو رہی ہے، میں نے کہا غضب، اندھیر، ممتاز تو نواب کا بچہ بنا ہوا ہے اس کی نیند کے وقت کوئی سودے والا گلی میں آواز بھی نہ لگائے۔ میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ممتاز کو دال سیب والے نے کولھے پر دھر کر دے مارا، ممتاز کی ساری شیخی کرکری ہوگئی۔ دال سیب والا اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا، لتے تھپڑ، سید کئے کہ ممتاز کو بچا چھڑانا مشکل ہوگیا، وہ تو مجھے دوستی کا خیال آگیا، جو میں نے جاکر چھٹایا، ورنہ وہ تو اس کی اتنی گت بناتا کہ تسبیح کر دیتا، دال سیب والا بولا، خلیفہ جی دیکھو تو میرا کوئی قصور بھی ہے، خواہ مخواہ اس نے مجھے گالیاں دیں اور لڑنے پر آمادہ ہوگیا، اور میرا نقصان ہوا سو الگ، میں تو اس سے کوڑی کوڑی رکھوالوں گا، میں نے دیکھا کہ بات بڑھ رہی ہے، اس وقت نیم آستین کی جیب میں سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں دیا کہ لے بھائی جھگڑا ختم کر بلا سے ہم اپنے دوست کی خاطر پانچ روپے کا جرمانہ بھگت لیں گے، دال سیب والا تو نوٹ لے کر چلا گیا، میں نے ممتاز سے کہا، دیکھو بھائی اب کسی سے خواہ مخواہ نہ الجھیو اس لئے کہ دنیا میں ایک سے ایک زیادہ ہے، جس پر تجھے گھمنڈ تھا وہ بھی تو نے دیکھ لیا، اگر میں وقت پر نہ آتا تو خدا جانے تیری کیا گت ہوتی۔ ممتاز کچھ ایسا شرمندہ ہو رہا تھا کہ مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور سیدھا اپنے گھر چلا گیا، اور میں بھی اپنے دل میں یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ جیسا یہ بڑا بول بولتا تھا اور لوگوں سے برائی سے پیش آتا تھا ویسا ہی آج اس کو سبق بھی مل گیا۔

"م"

ہنسی کی باتیں

حمید ۔ (جو اپنی مٹھائی کھا چکا تھا اپنے چھوٹے بھائی مجید سے) آؤ مجید شیر شیر کھیلیں ۔

مجید ۔ وہ کیا کھیل ہے ؟

حمید ۔ آؤ ایک چڑیا گھر بنائیں ، میں شیر بنا ہوں اور تم اپنی مٹھائی میرے سامنے پھینکو ۔

ایک شخص ریل گاڑی میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا ، ایک اور مسافر نے اس سے کہا کیا آپ مجھے عینک تھوڑی دیر کے لیئے دے سکتے ہیں ؟

اس نے کہا بڑی خوشی سے لیجیے ۔

مسافر نے عینک لگا کر کہا چونکہ آپ بغیر عینک کے نہیں پڑھ سکتے ، اس لیئے ذرا اپنا اخبار بھی مجھے عنایت کر دیجیے ۔

مجسٹریٹ ۔ (ملزم سے) تمھیں شرم آنی چاہیے کہ تم آٹھویں مرتبہ عدالت میں آئے ہو ۔

ملزم ۔ حضور گستاخی معاف ۔ مجھ سے زیادہ آپ کو شرم آنی چاہیے کیونکہ آپ ہر روز آتے ہیں

ماں ۔ "بیٹا آج تم کیوں رو رہے ہو ؟"

بچہ ۔ "ماں جان آج میرے دو آنے کھو گئے" ۔

ماں ۔ "کہاں کھو گئے"

بچہ ۔ "ابا جان سے میں چونی مانگنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن مانگتے وقت زبان سے دونی نکل گئی ، اور ابا جان دونی دے کر چلے بھی گئے" ۔

خریدار ۔ "میں گراموفون قسطوں پر خریدنے چاہتا ہوں"

دوکاندار ۔ کیا کوئی شخص تمھاری دیانت کی تصدیق کر سکتا ہے ؟

خریدار ۔ جس دوکان سے میں نے گراموفون خریدا تھا تم اس سے تصدیق کر سکتے ہو جب وہ چار مہینے کے بعد ہی مشین واپس لے گیا تو اس پر ایک خراش تک نہ تھی

کلینڈر سنہ ۱۹۳۲ء

یہ کلینڈر پچھلے مہینہ میں شائع ہوا تھا، لیکن کاتب کی غلطی سے غلط کتابت ہوگئی۔ اب اس کو صحیح کرکے چھاپا جارہا ہے۔

جنوری، اپریل، جولائی	جمعہ	ہفتہ	اتوار	سوموار	منگلوار	بدھور	جمعرات
اکتوبر	ہفتہ	اتوار	سوموار	منگلوار	بدھوار	جمعرات	جمعہ
مئی	اتوار	سوموار	منگلوار	بدھوار	جمعرات	جمعہ	ہفتہ
فروری، اگست	سوموار	منگلوار	بدھوار	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار
مارچ، نومبر	منگلوار	بدھوار	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	سوموار
جون	بدھوار	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	سوموار	منگلوار
ستمبر، دسمبر	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	سوموار	منگلوار	بدھوار
	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴
	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱
	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸
	۲۹	۳۰	۳۱				

مرتبہ

سید محمد صدیق ابن سید ابراہیم قادری

(مہسلہ)

انعامی مقابلہ

مجلس ہونہار نے یہ طے کیا ہے کہ رسالہ ہونہار میں مضامین لکھنے والے طلبہ اور طالبات کا ہر سال انعامی مقابلہ کیا جائے۔ جس طالب علم کے مضامین زیادہ ہوں گے اور بہترین شمار کئے جائیں گے اُس کو چاندی کا ایک تمغہ انعام میں دیا جائے گا اور اُس کا فوٹو بھی رسالے میں شائع کیا جائے گا۔

داخلے کے شرائط

(۱) انعامی مقابلے میں شامل ہونے والے طلبہ کے لئے رسالہ ہونہار کا خریدار ہونا ضروری ہے۔

(۲) جو مضامین مقابلے کے لئے بھیجے جائیں اُن پر "انعامی مقابلہ" لکھ دینا چاہئے تاکہ وہ اُسی مہینے میں شائع ہو سکیں۔ جس مضمون پر یہ الفاظ نہیں ہوں گے اُس کو نمبر آنے کے بعد شائع کیا جائے گا۔

(۳) ہر مقابلے میں نئے طالب علم کو انعام دیا جائے گا۔

(۴) تمام مضامین عام فہم عبارت میں لکھے جائیں۔ کسی کتاب یا رسالے سے نقل نہ کئے جائیں بلکہ اپنی عقل اور قابلیت سے لکھے جائیں۔ دوسری زبانوں کی کتابوں اور رسالوں کا ترجمہ بھی بھیجا جا سکتا ہے لیکن اُن کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔ (۵) مضامین طویل نہ ہوں بلکہ مختصر ہوں اور اُن میں کسی کے مذہب پر حملہ نہ ہو۔

(۶) تمام مضامین لفافہ کے اندر بند کر کے اور اس پر پورے پورے ٹکٹ لگا کر ایڈیٹر صاحب رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی کے پاس بھیج دینا چاہئیں۔ بیرنگ خطوط یا مضامین وصول نہیں کئے جائیں گے۔

مینیجر رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی

بچوں کا کتب خانہ

اسکول کی زندگی (ڈرامہ) یہ ڈرامہ خاص طور سے بچوں کے لئے لکھا گیا ہے جس میں ہندوستانی مدرسوں کی زندگی بتائی گئی ہے، اچھے اور شریر طالب علموں کا خوبی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے، اور ان کے نتائج دکھائے گئے ہیں، یہ ڈرامہ جامعہ کے بچوں نے اسٹیج پر کیا تھا، جو بہت پسند کیا گیا، قیمت صرف ۸ر

قوم پرست طالب علم (ڈرامہ، بقول "معارف" بچوں کے کھیلنے کے لئے لکھا گیا ہے، اس میں متحدہ قومیت، حب وطن، ایثار راستبازی، وفاداری، بالآخر کامیابی کے مناظر نہایت اچھے طریقے سے دکھائے گئے ہیں، اور طلبہ میں پاک جذبہ پیدا کرنے میں یہ ڈراما یقیناً کامیاب ثابت ہوگا، قیمت ۸ر

بچوں کا انصاف (ڈرامہ، یہ ڈرامہ الف لیلہ کا ایک قصہ ہے، بچوں نے خیانت کا مقدمہ اس طرح فیصل کیا کہ خلیفہ ہارون رشید بھی دنگ رہ گیا، یہ بچوں کا ڈرامہ بچوں ہی کی زبان میں لکھا گیا ہے، قیمت صرف ۸ر

دنیا کے بسنے والے حبشیوں، امریکہ کے پرانے باشندے، بدوعربوں افریقہ کے بونوں، جاپان، سوئٹزرلینڈ اور ان ملکوں کے حالات درج ہیں جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے

کتاب میں تقریباً ۵۰ تصویریں ہیں، جن میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ انھیں دیکھ کر ہنسی آتی ہے، اور اس کا ضبط کرنا محال ہے، قیمت صرف ۶ر

ترکوں کی کہانیاں اس کتاب میں ترک بچوں کی بہادری اور ہمت و جرات کی چند علمی اور سچی کہانیاں ہیں، جن کے پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے، اور ان ترک بچوں کی طرح سے وہ بھی تندرست اور بہادر بننے کی کوشش کرتے ہیں، قیمت صرف ۸ر

ہمارے نبی یہ رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح عمری نہایت دلچسپ طرز بیان میں لکھی گئی ہے۔ زبان نہایت سادہ، قیمت ۸ر

نبیوں کے قصے مشہور سولہ نبیوں کے مختصر حالات زبان نہایت سلیس اور سادہ، انداز بیان نہایت دلکش ہے قیمت ۶ر

کاریگری تمام مفید اور اہم صنعتوں کے حالات اچاقو دیاسلائی، پن، سوئی، ہیچک، کپڑا بننے کی مشین گھڑی، شیشہ، چائے، پتھر کا کوئلہ، بوٹ، گڑ، شکر، چینی، قفل اور چینی کے برتن بنانے کے حالات بہت دلچسپ انداز میں قیمت

محصول ڈاک بذمہ خریدار

کتبخانہ شرکت ادبیہ قرولباغ دہلی

باہتمام فیاض حسین نسیم پرنٹر و پبلشر جامعہ ملیہ برقی پریس دہلی میں طبع ہو کر دفتر رسالہ ہونہار قرولباغ سے شائع ہوا

THE HON-HAR DELHI

اغراض و مقاصد

۱۔ ہندوستان کے مختلف فرقوں کے بچوں میں اتحاد پیدا کرنا۔

۲۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ایسے مضامین شائع کرنا جن کے مطالعہ سے انھیں تعلیم سے دلچسپی ہو۔ اُن کی قابلیت بڑھے۔ اُن کی معلومات میں اضافہ ہو۔ اُن میں ترقی کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور اُن کے اخلاق سُدھر جائیں۔

قواعد و ضوابط

۱۔ رسالہ ہونہار ہر ماہ کے وسط میں شائع ہوتا ہے۔

۲۔ اگر کبھی اتفاقاً رسالہ نہ ملے یا رسالہ پہونچنے میں دیر ہو جائے تو مہینہ کے آخر تک رسالے کے وصول نہ ہونے کی اطلاع دے دینی چاہیے۔ اِس کے بعد طلب کرنے والوں کو قیمتاً بھیجا جائے گا۔

۳۔ رسالہ ہونہار کا سالانہ چندہ عا/۸۔ بذریعہ وی پی عا/۱۲۔ ششماہی عہ/۔ بذریعہ وی پی عہ/۱۲ ہے۔

۴۔ غریب طالب علموں کے لئے ایک سستا ایڈیشن بھی شائع کیا جاتا ہے۔ اُس کا سالانہ چندہ عہ/۱۲ ہے

۵۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیے۔ جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا پانچ پیسے کے ٹکٹ بھیجئے ورنہ جواب دیر میں ملے گا۔ بیرنگ خطوط وصول نہیں کئے جائیں گے۔

۶۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام مینیجر صاحب رسالہ ہونہار دہلی ہونی چاہیے۔

۷۔ مضامین و دیگر شکایات کے متعلق تمام خطوط ایڈیٹر صاحب رسالہ ہونہار کے نام آنا چاہئیں۔

۸۔ مضامین مختصر اور عام فہم ہونے چاہئیں جن کو پرائمری اسکولوں کے بچے بھی نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں اور بچوں کے اخلاق سدھارنے اور اُن میں ترقی کا جذبہ پیدا کرنے میں معاون ہوں۔

۹۔ ایسے مضامین جو مشکل ہوں اور بچوں کی سمجھ سے باہر ہوں درج نہیں کئے جائیں گے۔

۱۰۔ مضامین کے ہمراہ اگر اُن کی تصویریں بھی بھیجی جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

۱۱۔ اچھے مضمون لکھنے والے بچوں کو انعام دیا جاتا ہے اور اُن کی تصویریں رسالہ میں چھاپی جاتی ہیں۔

"مینیجر"

ہونہار
بابت ماہ نومبر ۱۹۳۲ء
جلد ۳ — نمبر ۱۱

فہرست مضامین

بچّوں کو نصیحت

ماں باپ کا دل اپنے دکھانا نہیں اچھا ‖ بچوں کے لئے ان کا ستانا نہیں اچھا

پیچھے کہیں رہ جاؤ نہ ہمجولیوں سے تم ‖ سر دُکھنے کا ہر روز بہانا نہیں اچھا

کہتا ہے تمہیں کون کہ چھٹی میں نہ کھیلو ‖ درجے میں مگر شور مچانا نہیں اچھا

اس گندے پنے سی تمہیں آتی نہیں گھن بھی ‖ تختی پہ کبھی تھوک لگانا نہیں اچھا

ہم تم سی کہے دیتے ہیں نا پاس نہ ہو جاؤ ‖ ہر روز رضالے کے تو جانا نہیں اچھا

جو چیز خرید و اُسے لے جاؤ گھر اپنے ‖ سڑکوں پہ کبھی بیٹھ کے کھانا نہیں اچھا

تم بھول نہ جانا کہ صفائی ہے بڑی چیز ‖ کپڑوں پہ سیاہی کا گرانا نہیں اچّھا

ہوتے نہیں ان باتوں سی اُستاد ذرا خوش ‖ مکتب میں کبھی دیر سی جانا نہیں اچھا

ہم تم کو بتاتے ہیں بڑے کام کی اک بات

بے فائدہ وقت اپنا گنوانا نہیں اچھا

دبستان۔ ناظم انصاری۔ حیدرآباد دکن

نیک کام

(ایک ایکٹ کا مختصر ڈراما)

(مدرسہ کا ایک کمرہ۔ سب لڑکے بیٹھے ہوئے ہیں۔ استاد اپنی میز کے پاس کھڑا ہے)

اُستاد: "بچو۔ تم نے آج کون کون سے اچھے کام کئے۔ یہ پینسل میں اس لڑکے کو انعام میں دوں گا۔ جس نے سب سے اچھا کام کیا ہے"

(کچھ لڑکے ہاتھ اٹھاتے ہیں)

۔ ہاں محمود تم بتاؤ۔

محمود۔ میں آج کسی سے نہ لڑا۔ صبح ناشتہ کرکے پڑھنے بیٹھ گیا۔ پھر کھانا کھا کے اسکول چلا آیا۔

استاد: "شاباش۔ اچھا۔ کرشن تم نے کون سا اچھا کام کیا"

کرشن۔ ماسٹر صاحب۔ ہمارے کہار کا لڑکا صبح ایک پینسل کے لئے ضد کر رہا تھا۔ اس کے باپ کے پاس پیسہ نہ تھا۔ میں نے اپنی پینسل لڑکے کو دے دی۔ اچھا کیا نہ۔ ماسٹر صاحب"

استاد: "ہاں ٹھیک ہے۔ تم بولو فہیم"

فہیم۔ آج صبح ہمارے گھر کے پاس خوب پیچ ہو رہے تھے۔ بہت سی پتنگیں کٹ کٹ کر ہماری چھت پر سے گذر رہی تھیں میرے ابّا نے مجھے منع کر دیا کہ میں چھت پر نہ چڑھوں میں نہ چڑھا۔ حالانکہ ابا باہر چلے گئے تھے

استاد: "بہت خوب کیا۔ اچھا کوئی لڑکا اور۔"

ذکی: "ماسٹر صاحب میں نے ایک اندھے آدمی کو رستہ بتایا"

شمیم: "میں نے ایک بڑھیا کا خط لکھا"

روپی: "میں سویرے تڑکے اٹھا تھا"

استاد۔ خاموش۔ سب ایک دم نہ بولو۔ اسلم

تم خاموش کیوں ہو ؟ (اسلم کھڑا ہو گیا پھر بھی خاموش رہا) سب لڑکے اس کی طرف دیکھتے ہیں۔)

استاد ۔ہاں بولو۔تم نے آج کوئی اچھا کام نہ کیا

اسلم ۔نہیں۔مجھ سے آج ایک قصور ہو گیا ۔

استاد ۔قصور! کیا ؟

اسلم ۔میں آج جھوٹ بولا ۔

استاد ۔جھوٹ ۔افسوس!۔کیا جھوٹ بولے؟

اسلم نے نیچی نگاہ کرکے کہنا شروع کیا میں آج صبح حامد کے ساتھ بازار چلا گیا ۔ ابا نے جو مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں گیا تھا۔تو میں نے کہہ دیا اشرف کے ساتھ پڑھ رہا تھا ، وہ فوراً سمجھ گئے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں ، اشرف کے یہاں آدمی بھیج کر دریافت کرالیا ۔کہ میں ان کے یہاں نہ گیا تھا ،پھر تو میں کہتا ہی رہ گیا کہ بازار گیا تھا مگر انہوں نے ایک نہ سنی ۔ اور میری خوب خبر لی ۔

(رونے لگتا ہے ۔ لڑکے آپس میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں)

استاد ۔ اسلم روؤمت ۔ مجھے رنج ہوا کہ تم جھوٹ بولے ۔اور اس کی سزا تم کو مل گئی ۔مگر اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم نے مجھ سے سب واقعہ ۔ بیان کر دیا ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے کئے پر شرمندہ ہو

اسلم ۔جی ہاں ۔ اور میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں کبھی جھوٹ نہ بولوں گا ۔

استاد ۔شاباش ۔اگر تم پہلے ہی سچ کہہ دیتے تو ممکن ہے تمہارے والد تم کو مارتے تم کو چاہیئے کہ ہمیشہ سچ بولو ۔سچائی دنیا میں سب سے زیادہ نیک کام ہے ، ایک لڑکا کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو ۔ اگر جھوٹ بولتا ہے ۔ تو ہرگز بھی تعریف کے قابل نہیں ہے ۔اس کی وجہ بھی ہے ۔ انسان کا چال چلن سچائی پر ہی منحصر ہے ۔ ابھی تم کو سچائی کی خوبیاں نہ معلوم ہوں گی ۔لیکن جب تم بڑے ۔ ہو جاؤ گے تو یہ خوبیاں تم کو خود معلوم

ہو جائیں گی (دوسرے لڑکوں سے مخاطب ہوکر) میں اسلم سے بہت خوش ہوں۔ اس نے آج صبح اپنے قصور کا اعتراف مجھ سے کیا، اور وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ سچ بولے گا۔ اس لئے میں یہ پنسل اُسی کو انعام دیتا ہوں)

(سب لڑکے خوشی سے تالیاں بجاتے ہیں اسلم خوش ہوکر پنسل لے لیتا ہے۔ پردہ گرتا ہے)

(مفتاح الدین بی ایس سی - بریلی)

طلیعہ یا اسکاؤٹ

طلیعہ یا اسکاؤٹ کا لفظی ترجمہ جاسوس ہے، یہ بات مندرجہ ذیل مضمون سے واضح ہو جائے گی کہ ان الفاظ کا اصلاحی مفہوم کیا ہے۔

بیڈن پاویل نے جو افواج برطانیہ میں لفٹنٹ جنرل تھے "جنگ بوئر" میں "میفٹ کنگ کا محاصرہ کرتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ تمام آدمی اس وقت میدان کارزار میں مصروف ہیں، اور پیام رسانی کا کام صرف کمسن لڑکوں سے لیا جاسکتا ہے۔ لڑکوں کی جماعتیں مختلف حیلوں سے اہم خطوط ایک قلعہ سے دوسرے قلعہ تک لیجاتی تھیں اور جنگ کے اختتام پر انہوں نے فخر کے ساتھ بالغ سپاہیوں کے ہمراہ انعامی تمغہ حاصل کئے

جنرل بیڈن پاویل کو یقین تھا کہ لڑکوں کی جماعتیں امن اور جنگ کے زمانوں میں یکساں طور پر مفید مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں، اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ انہوں نے ۱۹۰۸ء میں برطانیہ عظمیٰ میں "بوئے اسکاوٹ" کی تحریک کی بنیاد ڈالی۔

جنرل بیڈن پاویل نے مقام مہے پر چند انگریز لڑکوں کو جمع کیا، انھیں اسی

قسم کی تھوڑی سی تعلیم دی، جو میف کنگ
کے محاصرے کے موقع پر لڑکوں کو
دی گئی تھی، ان کے لئے وردی ایجاد
کی، اور تھوڑی سی ڈرل بھی سکھائی۔
اسکاؤٹنگ کا خیال رفتہ رفتہ ترقی پکڑتا گیا
یہاں تک کہ جزائر برطانیہ کے گوشہ گوشہ
میں اسکاؤٹ نظر آنے لگا۔
جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے۔ ریلوے
کی کوئی واردات ہو جاتی ہے۔ کوئی گھوڑا
چھوٹ جاتا ہے۔ کسی مکان میں آگ لگ جاتی
ہے۔ یا کوئی آدمی دریا میں گر جاتا ہے۔
تو اسکاؤٹ دفعتہً اس طرح جمع ہو جاتے
ہیں، کہ گویا ان کو کسی نے جادو سے پیدا
کر لیا۔ وہ ہر طرح سے اپنے آپ کو مفید بنانے
کی کوشش کرتے ہیں،
اس وقت دنیا کے تمام مہذب ممالک
میں لاکھوں اسکاؤٹ موجود ہیں، ۱۹۲۳ء
میں بریلی کے قریب دریائے رام گنگا کے
پل پر "آر اینڈ کے" ریلوے کی ایک ٹرین
دریا میں گر گئی تھی، مقامی اسکاؤٹ یہ سنتے
ہی اسٹریچر اور دیگر امدادی سامان لے کر
دوڑے۔ گھنٹوں تک انہوں نے مردوں
اور زخمیوں کے درمیان شریفانہ اور
خطرناک خدمات انجام دیں، اور اس طرح
ڈاکٹروں، پبلک اور ریلوے کے ملازموں
کو بیش قیمت امداد دی۔
خدمت کرنے کا یہی جذبہ، کہ وہ۔
روز نہ کوئی نہ کوئی کام کریں، جنرل بیڈن۔
پاویل نے اسکاؤٹنگ کا جزو لازمی قرار دیا
اور یہیں سے اس تحریک کو نہایت سرعت
سے ہر دل عزیزی حاصل ہونے لگی،
اسکاؤٹ بننے سے قبل ہر لڑکے کو
یہ وعدہ کرنا پڑتا ہے۔
میں اپنی عزت کی قسم کھا کر وعدہ
کرتا ہوں،۔
(۱)۔ خدا، بادشاہ اور ملک کی خدمت
انجام دیتا رہوں گا۔
(۲)۔ ہر وقت دوسروں کی مدد کرتا رہوں گا،

(۳) اسکاؤٹنگ کے قوانین کا پابند رہوں گا۔
مندرجہ اسکاؤٹنگ کے دس قوانین ہیں۔

(۱) اسکاؤٹنگ کی عزت معتمد بنتا ہے۔
(۲) اسکاؤٹنگ اپنے بادشاہ، ملک، افسران والدین، آقا، اور ماتحتوں کا وفادار ہوتا ہے۔
(۳) اسکاؤٹ کا فرض ہے کہ مفید بنے اور دوسروں کی مدد کرے۔
(۴) اسکاؤٹ سب کا دوست ہوتا ہے۔ اور ہر ایک اسکاؤٹ کا بھائی ہوتا ہے۔ خواہ اخراللہ کسی معاشرتی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔
(۵) اسکاؤٹ خلیق ہوتا ہے۔
(۶) اسکاؤٹ حیوانات کا دوست ہوتا ہے۔
(۷) اسکاؤٹ بغیر کسی سوال کے اپنے والدین پیٹرول لیڈر، اور اسکاؤٹ ماسٹر کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔
(۸) اسکاؤٹ تمام مشکلات میں مسکراتا ہے اور سیٹی بجاتا ہے۔
(۹) اسکاؤٹ بخیل ہوتا ہے۔
(۱۰) اسکاؤٹ اپنے خیال، الفاظ اور اعمال میں پاک ہوتا ہے۔

وہ اسکاؤٹنگ کے طریقہ سے سلام کرنے کے لئے اپنے دائیں ہاتھ کو کندھے کی بلندی تک اٹھاتا ہے ہتھیلی سامنے کی جانب ہوتی ہے۔ انگوٹھا چھن انگلی کے ناخون پر رکھا ہوتا ہے۔ اور باقی تینوں انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوتی۔ سیدھی اوپر کی جانب اشارہ کرتی ہیں اور وہ بائیں ہاتھ سے مصافحہ کرتا ہے۔

ابتدائی امتحان (ٹنڈرفٹ) سے قبل اس کو اسکاؤٹنگ کی سِستم کے مفہوم سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ ملاحوں کی کم از کم چھ گانٹھیں لگانا سکھایا جاتا ہے۔ قومی جھنڈے کی ترکیب، اور اس کو صحیح طریقہ پر اُڑانے کا طریقہ تعلیم سکھایا جاتا ہے۔ اس امتحان کے بعد اسے ایک خوبصورت وردی دی جاتی ہے۔ جس کا وہ پیشتر سے بہت آرزومند ہوتا ہے۔ اور اسے

بہت سے دوسرے مفید کام سکھائے
جاتے ہیں، سب سے پہلے زخمیوں کی
امداد کے طریقے بتائے جاتے ہیں،
مورس یا سیما فور کے اشاروں سے۔
گفتگو کرنا۔ اسکاؤٹ کی رفتار سے بارہ
منٹ میں نصف میل کا فاصلہ طے کرنا۔
چاقو کا مناسب استعمال صرف دو دیا۔
سلائیوں سے کھلے ہوئے میدان میں
آگ روشن کرنا بغیر برتنوں کی مدد کے
دو آلو اور دو چھٹانک کھانا پکا کر طیار کرنا
تھوڑی رقم خود کما کر بنک میں جمع کرنا۔ اور
قطب نما کی سولہ سمتوں سے واقف ہونا
اس کے ابتدائی سبق ہوتے ہیں۔
علاوہ بریں سکنڈ کلاس اور فرسٹ
کلاس اسکاؤٹ بننے کے لئے اور اعلیٰ
امتحانات پاس کرنے ہوتے ہیں۔ جو چست
اور بیدار مغز لڑکوں کے لئے دلچسپیوں
سے لبریز ہوتے ہیں ہیوں ہی بتدریج
لڑکوں میں خودداری۔ خود اعتمادی،
اور ضبطِ نفس کے جذبات پیدا ہو جاتے
ہیں، وہ جنگلوں اور میدانوں کے رموز
سے آگاہ ہو جاتے ہیں، ان کے دل میں
ایک خالص اور مردانہ خواہش پیدا ہوتی
ہے کہ ہم روزانہ کسی انسان کے کام
آئیں ان کو زندگی میں ایک مقصد ہاتھ
آجاتا ہے۔

(عبدالستار انصاری دسوردنی)
(علیگ)

مضمون نگار طلبہ کے فوٹو

سالگرہ نمبر میں مضمون نگار طلبہ کے فوٹو بھی شائع ہوں گے۔ جو طلبہ کہ اپنا
فوٹو سالگرہ نمبر میں چھپوانا چاہتے ہیں وہ منیجر رسالہ ہونہار دہلی سے خط و کتابت کریں اور
جواب کے لئے جوابی کارڈ روانہ فرمائیں۔

خرگوش اور اس کے دوست

کسی جنگل میں ایک خوبصورت خرگوش رہا کرتا تھا، وہ اتنا شریف اور بھولا جانور تھا، کہ جنگل کے تمام جانور اس سے محبت کرنے لگے اور اپنے کو اس کا دوست بتانے لگے۔ جب کبھی خرگوش اور اس کے دوست آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے تو خرگوش اپنی دلچسپ باتوں سے دوسروں کو خوب ہنسایا کرتا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے جنگل میں ایک مزے دار اور پر تکلف صحبت رہتی۔ خرگوش کے دوست اکثر ہمدردی جتایا کرتے اور کہتے کہ "مسٹر خرگوش اگر کسی وقت تم کسی مصیبت خطرہ میں پھنس جاؤ تو ہم کو اطلاع دینا۔ ہم تمہاری مدد کریں گے"۔ یوں تو قریب قریب خرگوش کا ہر دوست اس کی مدد کرنے کو کہتا تھا مگر چار دوست بڑے دعوے کے ساتھ کہتے تھے کہ ہم تمہاری مصیبت کے وقت ضرور مدد کریں گے جن میں پہلا تو گھوڑا تھا، دوسرا دوست گائے۔ تیسرا دوست بکرا، اور چوتھا دوست ایک بھیڑ تھی ایک روز اتفاق سے اُس طرف ایک شکاری آنکلا اور اپنے شکاری کتوں کو غریب خرگوش پر چھوڑ دیا۔ خرگوش اپنی جان بچانے کے لئے نہایت تیزی سے بھاگا۔ اور ایک جھاڑی میں چھپ گیا جب اُس کو ذرا اطمینان ہوا کہ اب شکاری کتے بہت پیچھے رہ گئے ہیں تو اس نے سوچا کہ یہ وقت ایسا ہے۔ کہ اپنے دوستوں سے مدد لینی چاہئے۔ چنانچہ پہلے گھوڑے کے پاس پہنچا۔ اور اس سے کہا "اے میرے دوست اس وقت میں مصیبت میں پھنس گیا ہوں میری مدد کرو۔ اور اپنی پیٹھ پر بٹھا کر کسی ایسی جگہ پہنچا دو جہاں ان بے رحم کتوں سے بچ سکوں"۔ گھوڑے نے جواب دیا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ میرے پیر میں سخت درد ہے۔ اور میں اس قابل نہیں کہ تم کو اپنی

پیٹھ پر بٹھاکر دوڑ سکوں ۔ لہٰذا اس وقت کسی اور سے مدد مانگو ۔ مجھے یقین ہے کہ دوسرے دوستوں میں سے کوئی نہ کوئی تمہاری ضرور مدد کرے گا۔" خرگوش نے کچھ نہ کہا ۔ اور گھوڑے سے رخصت ہوکر گائے کے پاس آیا ۔ اور کہا "میں اس وقت بہت بڑے خطرہ میں ہوں ۔ تم میری مدد کرو اور اپنے سینگوں سے ظالم کتوں کو مار کر بھگا دو۔" لیکن گائے نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا ۔ اور عذر کیا کہ مسٹر خرگوش میں چونکہ اس وقت اپنے بچہ کو دودھ پلانے جا رہی ہوں ۔ اس لئے میں تمہاری مدد کرنے سے مجبور ہوں ، ہاں اگر آئندہ کسی وقت ضرورت ہوئی تو ضرور تمہاری مدد کروں گی ، میری رائے میں تمہیں بکرے کے پاس جانا چاہیئے ، وہ ضرور کوئی نہ کوئی تدبیر کرے گا ۔ کہ تم ظالم اور بے رحم کتوں سے بچ جاؤ۔" خرگوش کو یہ سن کر بہت رنج ہوا ۔ اور چوں کہ اتنا وقت نہیں تھا کہ گائے سے اور زیادہ باتیں کرے ۔ کیوں کہ شکاری کتوں کا خوف تھا کہ کہیں آ نہ جائیں ۔ اس لئے چار و ناچار بکرے کے پاس پہنچا ۔ اور اپنی مصیبت ظاہر کرتے ہوئے مدد کی درخواست کی ۔ بکرے نے بھی گھوڑے اور گائے کی طرح ترش روئی سے جواب دیا ۔ اور کہا تم ہی بتلاؤ میں تمہیں کس طرح بچاؤں ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ۔ ہاں ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے ۔ وہ یہ کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ ۔ اور میں تم پر کھڑا ہو جاؤں ۔ مگر ایسی حالت میں میرے تیز کھر تم کو تکلیف پہنچائیں گے ۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تم بھیڑ کے پاس جاؤ ۔ اور اس سے مدد کے خواستگار ہو۔" غریب خرگوش بہت پریشان تھا ۔ کہ کیا کرے ۔ آخرکار بھیڑ کے پاس پہنچا اور بہت ہی عاجزی کے ساتھ مدد مانگی مگر بھیڑ نے اس کا کوئی خیال نہ کیا ۔ بلکہ منہ پھلا کر جواب دیا ۔ کہ میں تم کو بچاکر اپنے اوپر آفت لینا نہیں چاہتی ۔ کیوں کہ اگر میں نے تم کو پناہ دے دی تو شکاری کتے مجھے پھاڑ کر کھا جائیں گے ۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ شکاری کتے قریب آ گئے ۔ اور خرگوش دم دبا کر بھاگا ۔ خدا خدا کرکے اسے ایک نہایت گھنی اور گنجان جھاڑی

دور سے نظر آئی۔ وہ بڑھ کر اس میں چھپ رہا۔ شکاری کتے اس جھاڑی کے پاس سے ہو کر گذرے اور خرگوش کو نہ دیکھ سکے۔ تب اس نے کہا "افسوس میں نے خیال کیا تھا کہ میرے بہت سے دوست ہیں کوئی نہ کوئی تو خطرہ سے بچا ہی لے گا۔ مگر نہیں میرا خیال غلط تھا، آج سے میرا کوئی دوست نہیں"

ہونہار بچو! دیکھو! غریب خرگوش کی مصیبت کے وقت کسی نے مدد نہ کی، اور یہ معلوم ہو گیا کہ جو دوست بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہیں۔ اور دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہی ایسے ہوتے ہیں کہ مصیبت کے وقت دانت دکھا جاتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔ اس لئے ہم نے اس کہانی سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہم لوگ کسی کی دوستی پر بھروسہ نہ کریں۔ بلکہ اپنی ہی مدد اور قوت پر اعتماد کریں۔ اور دوسرے لوگوں کی مدد کا بھروسہ نہ کریں۔

قاری عبدالقادر۔ اثرؔ لکھنوی

(دبیر ماہر)

تجارت

تجارت ہے انساں کو انساں بناتی
ہے آداب و اخلاق سب کو سکھاتی

وہ نیشن جو کرتی ہے ہم پر حکومت
سبب اس کی طاقت کا ہے بس تجارت

تجارت بناتی ہے ادنےٰ کو اعلیٰ
زمانے میں پھیلا ہے اُس سے اُجالا

ترقی اگر تم بھی کچھ چاہتے ہو
تو اٹھو قواعد تجارت کے سیکھو

کاملؔ جونپوری

چلتا پرزہ

گھسیٹا بہت چلتا پرزہ آدمی تھا۔ ہمیشہ ایسی بات کرتا۔ کہ سننے والے لاجواب ہوجاتے۔ اسی چالاکی اور عیاری سے وہ روزی کماتا۔ اور دن رات عیش کرتا، ایک مرتبہ اسے خیال آیا کہ والئے سلطنت سے کچھ اینٹھوں۔ اور نہیں تو ہزار دو ہزار تو لے ہی مروں گا۔ یہ سوچ کر بادشاہ سے ملاقات کرنے کی ترکیب سوچنے لگا۔ آخر موقع پاکر بادشاہ سے جاملا۔ بادشاہ نے دریافت کیا تم کون ہو، کیوں آئے ہو۔ اور کیا کام کرتے ہو۔ چلتا پرزہ بولا۔ حضور۔ خاکسار آپ کا ایک ادنیٰ غلام ہے۔ خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہے کہ بندہ کی پرورش ہوجائے۔ میرا کام نہیں۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ دوسروں کے دل کی بات کہہ دوں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ خوب ہم تمہیں دو ہزار روپے دیں گے۔ اگر دل کی بات بتادو گے۔ چلتا پرزہ بولا۔ حضور کے دل میں یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے برحق رسول ہیں بادشاہ کو غصّہ تو بہت آیا۔ لیکن لاجواب ہوگیا۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان باتوں سے منکر نہیں ہوسکتا تھا، چپ چاپ دو ہزار روپے دے دئے۔ وزیر بھی موجود تھا، اس سے نہ رہاگیا۔ جی میں کہا۔ بہت خوب ہم تو دن بھر کام کرتے کرتے مرتے ہیں۔ تب کچھ کماتے ہیں، اس پاجی نے دو ہزار روپیہ دم بھر میں ٹھگ لیا۔ آخر وزیر بولا۔ میاں اگر تم میرے دل کی کہوگے۔ تو میں اسی وقت ایک ہزار روپے دوں گا۔ چلتا پرزہ بولا۔ جناب عالی۔ آپ کے دل میں یہ ہے کہ بادشاہ سلامت شاد رہیں۔ ترقی عمر و دولت ہو۔ اور ہمیشہ ان کے وفادار نمک حلال ملازم ثابت ہوں۔ وزیر دم بخود ہوکر رہ گیا۔ بادشاہ کے سامنے اس بات سے کب منکر

ہوسکتا تھا، ہزار روپے گن کر چلتا پرزہ کے حوالے کئے۔ میاں گھسیٹا تین ہزار روپے اپنے قابو میں کر خوش خوش وہاں سے رخصت ہوئے اس کے چلے جانے کے بعد وزیر نے بادشاہ سے کہا۔ حضور یہ تو کوئی بے ایمان ٹھگ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے قتل کا حکم دیجئے۔ یہ لٹیرا تو اسی طرح رعایا کو لوٹتا پھرے گا۔ بادشاہ نے کہا درست ہے۔ اور ایک افسر کو بلا کر حکم دیا کہ کچھ سپاہی ساتھ لے جاؤ اور گھسیٹا کی گردن اتار کر لاؤ۔ افسر سپاہیوں کو لے کر روانہ ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں گھسیٹا کو جا لیا۔ گھسیٹا نے گھبرا کر پوچھا۔ ارے بھائی خیر تو ہے میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ آخر کوئی بات بھی ہو۔ افسر بولا۔ بات وات کیا ہوتی۔ بادشاہ سلامت کا حکم ہوا ہے کہ تمہیں قتل کر دیا جاوے گھسیٹا نے ذرا توقف کیا۔ پھر بولا۔ مرنے سے پیشتر مجھے نماز تو پڑھ لینے دو۔ انہوں نے کہا ضرور گھسیٹا نے الٹی سیدھی جھوٹ موٹ کی نماز پڑھی۔ اور اس کے بعد جو ہنسنا شروع کیا ہے۔ تو اس کی ہنسی ختم ہونے ہی میں نہیں آتی۔ سپاہی بولے۔ ارے کیا پاگل ہو گیا ہے۔ جو یوں ہی ہنسے چلا جاتا ہے۔ گھسیٹا بولا۔ مجھے اس لئے ہنسی آرہی ہے۔ کہ ایک نجومی کی بات یاد آگئی۔ اس نے مجھے بتایا تھا۔ کہ تو قتل ہوگا۔ اور تیرا قاتل شیطان ہوگا میں نے کبھی شیطان دیکھا نہیں تھا۔ اب معلوم ہو جائے گا۔ کہ تم میں کون ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کہا آؤ۔ آؤ باہر نکلو۔ کون سا میرا قاتل ہے۔ سپاہیوں نے اپنے افسر سے کہہ دیا کہ صاحب ہم تو یہ کام کرتے نہیں۔ ہم شیطان تھوڑا ہی ہیں جو اسے قتل کریں۔ آپ ہی اس کام کو کیجئے۔ افسر بولا تو میں شیطان ہوں۔ جو یہ کام کروں۔ چنانچہ وہ لوگ اسے وہیں چھوڑ چھاڑ۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ صاحب عالم ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ اسے تو وہ قتل کرے جو شیطان کہلائے۔

بادشاہ سلامت ہنس دئے اور فرمایا کہ حقیقت میں وہ چلتا پرزہ تھا۔ سب کو اُلّو بنا کر

چلتا ہوا ۔ اُدھر میاں چلتا پرزہ وہاں سے
ہوا ہو گئے کہ کہیں پھر نہ دھر لئے جائیں ۔ اور شہر
سے باہر جا کر دم لیا ۔

(شیخ محمد یسین بی اے ۔ بی ٹی ۔ دہلی)

موتیوں کی تتلی

بہنیں اس تتلی کو کاربن پیپر سے عکس کریں اور پھر اس میں جا بجا موتی ٹانک دیں یہ تتلی بچوں کے فراک کے سینے پر نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہے ۔

حسن زمانی بیگم کلکتہ

اِسکول کی شرارتیں

خدا بخشے کس قدر مسرت بخش تھے وہ دن جب کہ ہم کچھ اوپر پانچ لیکن چھ سے کچھ کم گھنٹے اسکول میں رہا کرتے تھے اور بقیہ وقت جیل نما بورڈنگ ہاؤس میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کی نگرانی میں گزارا کرتے تھے۔

ایک دن کم بخت تھیٹر والوں کو جو سوجھی تو ہمارے اِس دولت خانے کے قریب ہی ڈیرے ڈال دئے۔ بس پھر کیا تھا یاروں کو بھی تھیٹر دیکھنے کا شوق چرایا اور لگیں ہونے بڑے دھوم دھام سے تیاریاں۔ لیکن اللہ بخشے ہمارے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو جو علم نجوم میں لاہور کے عامل حکیم کریم الدین سے بھی بڑھے ہوئے تھے رات کو حاضری کے بعد مندرجہ ذیل نوٹس پڑھنا شروع کیا:

"چونکہ آج بورڈنگ کے قریب ایک ناٹک کمپنی کا کھیل ہونے والا ہے اور بہت سے شریر لڑکے دیکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں لہٰذا تمام لڑکوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ کوئی لڑکا تھیٹر دیکھنے کی ناکام کوشش نہ کرے۔ حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو زیر دفعہ ۹۹ بورڈنگ ہاؤس تین دن تک کھانے سے محروم رہنا پڑے گا"

خیر تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے یہ نوٹس سنا کر ہماری آرزوؤں کا خون کر دیا۔ لیکن بھلا ہم بھی کب چوکنے والے تھے۔ تھیٹر میں جانے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب نے لڑکوں کو روکنے کے لئے بہت سخت انتظامات کئے تھے۔ پھاٹک کے دروازے کو تالا لگا کر بجائے چوکیدار کے خود ہی پہرہ دے رہے تھے۔ پھاٹک کے آگے ٹاٹ کا پردہ لٹکا دیا تھا تاکہ کوئی لڑکا تھیٹر کی جھلک بھی نہ دیکھ سکے۔

لیکن اِن باتوں سے ہمارا شوق اور بھی بڑھ گیا اور آخر کار یہ صلاح ٹھہری کہ چھت پر چڑھ کر رسی کے ذریعہ سے بورڈنگ کے پچھلے حصے کی طرف اترنا چاہئے۔ اِس طرح سپرنٹنڈنٹ صاحب تو کیا اُن کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی تجویز معقول تھی۔ سب کو پسند آئی۔ بس پھر کیا تھا چھت پر چڑھ کر لگے قسمت آزمائی کرنے۔ مگر واہ رے بدنصیبی کہ رسی چھوٹی نکلی۔

اُس وقت ایک اور بات سوجھی وہ یہ تھی کہ حسنِ اتفاق کہئے یا خوبیِ قسمت کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب تو باہر تھے اور اُن کے کمرے کی پیچھے کی کھڑکی کھلی تھی۔ اِس بات کا تو ہمیں علم ہی تھا کہ اُن کی دستارِ مبارک کھڑکی کے پاس ہی کھونٹی پر لٹکی رہتی ہے۔ بس ہم نے یا علی مدد کہکر جو اپنا ہاتھ بڑھایا تو خوش قسمتی سے پگڑی ہاتھ لگ گئی۔ ہم نے جلد جلد پگڑی کو رسی سے باندھا اور کمی پوری ہوگئی اور ہم نے نہایت اطمینان اور بے فکری کے ساتھ تھیٹر کا تماشہ دیکھا۔ جب تماشہ ختم ہوگیا تو اُسی طریقے سے بورڈنگ ہاؤس میں داخل ہوگئے اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کی پگڑی کو بالکل اسی طرح کلاہ کے ارد گرد لپیٹ کر کھونٹی پر لٹکا دیا اور اپنے اپنے بستروں پر دراز ہوگئے۔

صبح آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ہماری پارٹی کا ایک ممبر صادق زور زور سے اپنے کمرے میں رو رہا ہے۔ ہم بہت ڈرے کہ کہیں رات کا قصہ کسی کو معلوم تو نہیں ہوگیا۔

آخر تحقیقات سے پتہ چلا کہ جناب سپرنٹنڈنٹ صاحب کو ہمارے تھیٹر میں جانے کا کچھ کچھ پتہ چل گیا تھا۔ اور وہ صادق کو اِس لئے پیٹ رہے تھے کہ وہ کمزور دِل کا لڑکا ہے سارا حال سچ سچ بتا دے گا اور پھر اُس کو سرکاری گواہ بنا لیا جائے گا۔

مار بُری ہوتی ہے۔ خدا دشمن کو بھی اس سے پالا نہ ڈالے۔ صادق سپرنٹنڈنٹ صاحب کے ہاتھوں پٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ رحم کی بھی التجا کرتا جاتا تھا۔ لیکن سب فضول۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب پیٹنے میں اپنی پوری طاقت سے کام لے رہے

تھے۔ غریب صادق کو مجبوراً وعدہ معاف گواہ بننا ہی پڑا۔ یا یوں کہئے کہ اُس نے ایک معزز رکن ہوتے ہوئے اپنی پارٹی سے غداری کی۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب نے تماشہ میں جانے والے طلبہ کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی اور ایک آرڈی ننس نافذ کیا جس کی رو سے ہمیں تین دن کھانا دینے سے محروم کردیا گیا۔

نوٹس پڑھا تو ہم بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لگے لمبی چوڑی التجائیں کرنے کہ "جناب اب کے معاف کردیجئے۔ پھر کبھی ایسی خطا سرزد نہ ہوگی۔ صاحب ہم غریب الوطن ہیں۔ پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ ہمارا کھانا بند کردیا گیا ہے۔ آخر کھائیں گے کہاں سے؟" بہتیرا چیخے چلائے لیکن سپرنٹنڈنٹ صاحب تھے کہ بت بنے بیٹھے تھے۔ اُن پر ہماری التجاؤں کا کوئی اثر نہوا۔

خیر تو یاروں نے بھی سوچا کہ رونا دھونا سب فضول ہے۔ بہتر ہو کہ باورچی کو دھمکی دے کر کھانا تیار کرالیا جائے۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ صاحب تھے کہ سائے کی طرح پیچھے لگے ہوئے تھے۔ انھوں نے عین باورچی خانے کے دروازے میں کرسی بچھوائی اور اُس پر ڈٹ گئے تاکہ ہم کسی طرح باورچی کے پاس نہ پہونچ جائیں۔ اتنی کڑی نگرانی کی وجہ سے ہمیں بھوکا ہی مدرسے جانا پڑا۔

ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب کا معمول تھا کہ ۱۲ بجے اسکول میں کھانا منگوا کر کھاتے تھے۔ کیونکہ اُن کو سوا گیارہ بجے سے بارہ بجے تک دسویں جماعت کو پڑھانا پڑتا تھا اِس لئے پڑھانے کے بعد ہی کھانا کھایا کرتے تھے اور اُن کا کھانا بھی مقررہ وقت پر آجاتا تھا۔ لیکن ہماری خوش قسمتی کہئے کہ آج کھانا ساڑھے گیارہ بجے ہی آگیا۔ باورچی تو میز پر کھانا رکھ کر باہر چلا گیا اور ہم ڈرل ماسٹر صاحب سے پیٹ کے درد کا بہانہ کرکے آرام کرنے کے لئے کھانے کی میز پر پہونچ گئے اور لگے کھانے پر جلدی جلدی ہاتھ صاف کرنے۔ ابھی فارغ بھی نہونے پائے تھے کہ کمبخت باورچی نہ جانے کہاں سے کمرہ

میں آدھمکا اور اُس نے ہماری کارروائی کو نوٹ کرلیا۔ بیچارہ نیا آدمی تھا اور تو کچھ نہ کر سکا۔ اُس نے نہایت شیریں لہجے میں دریافت کیا کہ صاحب آپ کون ہیں اور یہ کھانا کیوں کھالیا۔ ہم نے نہایت بہادری سے جواب دیا کہ ہمارا نام ہے مظلوم خاں اور بھئی ہم بھوکے تھے اس لئے کھانا کھالیا۔ تم جانتے ہو کہ اگر ہم بھوکے نہ ہوتے تو کھانا کیا مٹھائی بھی ہوتی تو نہ کھاتے" یہ کہکر جھٹ پٹ اپنے کلاس کی طرف چل دئے۔ دِل میں خوش تھے کہ اب ہیڈ ماسٹر صاحب کو کیا خاک پتہ چلے گا کہ اُن کا کا کھانا کون کھاگیا لیکن کوئی سوا بارہ بجے ہوں گے کہ جناب ہیڈ ماسٹر صاحب مع اپنے نئے باورچی کے ہمارے کمرے میں تشریف لے آئے اور شناخت ہونے لگی۔ خیر جناب مظلوم خاں پہچانے گئے پہلے تو ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے انکار کردیا لیکن بعد میں سچ سچ عرض کرنا پڑا کہ صاحب مرتے کیا نہ کرتے مجبوراً آپ کا کھانا کھانا پڑا اور اصل معاملہ یہ ہے۔

"اُس وقت خدا جانے ہیڈ ماسٹر صاحب کے دِل میں رحم آگیا یا بھوک کے سبب سے ہماری تکلیف بھی محسوس ہوئی کہ انھوں نے ہمارے سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر کو بُلا کر تاکید کردی کہ ان نامعقولوں کو اور جو کچھ مناسب سمجھیں سزا دے دیا کریں لیکن مہربانی فرماکر ان کا کھانا بند نہ کیا کریں کیونکہ اِن شریروں کے بجائے مجھے بھوکا رہنا پڑا۔"

ہم دل ہی دِل میں اپنے ہیڈ ماسٹر صاحب کی شرافت کی داد دے رہے تھے۔ اور سوچ رہے تھے کہ ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔ یا اورکسی سے نہیں تو سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر سے تو ضرور ہی اچھے ہیں۔

دیکھئے صاحب ابھی ہم اور باتیں سنائیں گے۔ منتظر رہئے۔

نیاز مند
الفت انوری۔ سیالکوٹی
متعلم جامعہ ملیہ
دہلی

دلچسپ مشغلہ

اوپر کے دئے ہوئے نشانوں کو کسی دوسرے سفید کاغذ پر عکس کرلو - پھر اِن دسوں نشانوں کو ہوشیاری کے ساتھ قینچی سے اُس کاغذ میں سے ٹھیک ٹھیک کناروں پر سے کاٹ لو - پھر اُن کو آپس میں مِلاؤ تو ایک ایسا نام بن جائے گا جِس کو تم پہلے سے جانتے ہو۔

وحیدالدین تاتاری دہلوی

میز پوش اور تکیہ کے غلاف کے لئے پھول بٹو
پتیاں - سبز
پھول - سرخ
(قمر آرا بیگم - از دیوبند)
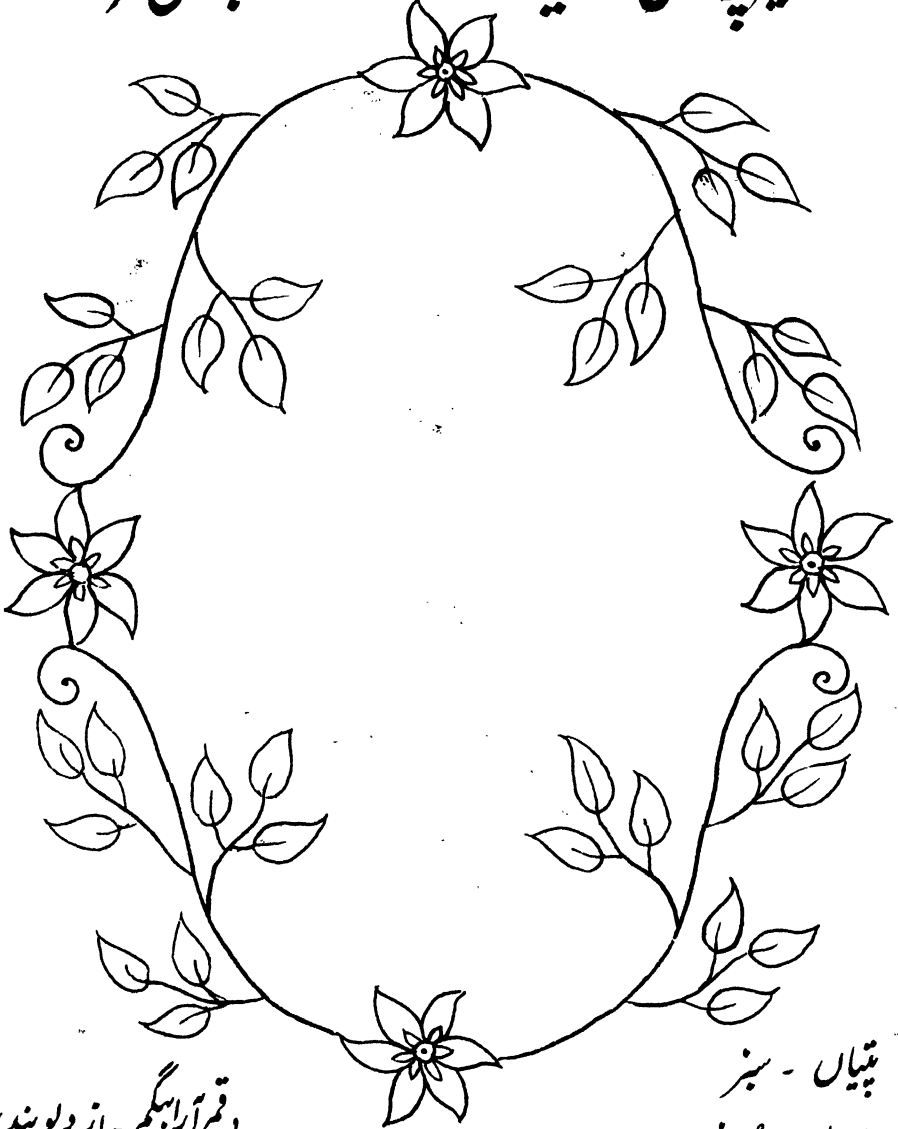
برف کی شہزادی

(گذشتہ سے پیوستہ)

شیشے کا جواب سن کر شہزادی آگ بگولہ ہوگئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ شیشہ کبھی غلط نہیں کہتا۔ اس کو معلوم ہوگیا کہ جلاد نے اُس کی جان نہیں لی بلکہ اُس کو زندہ چھوڑ دیا۔ وہ اَب پہاڑ پر بونوں کے مکان میں ہے۔ کینے کی آگ پھر اُس کے دل میں روشن ہوگئی۔ اب وہ ہر وقت اِس فکر میں رہنے لگی کہ کسی طرح اُس کا خاتمہ کر دینا چاہیئے تاکہ میرا کوئی مقابل نہ ہو۔

آخر کار اُس نے بہت سوچ کر ایک راستہ برف کی شہزادی کی جان لینے کا نکالا۔ ایک دن اپنے چہرہ اور ہاتھ کو سیاہ رنگ کر اور پھیری والی عورتوں کے سے کپڑے پہن کر اور کچھ چیزیں ٹوکرے میں رکھ کر پہاڑ پر پہونچی۔ مکان کو پہچان کر اپنے دل میں بہت خوش ہوئی۔ مکان کے دروازے پر پہونچ کر آواز دی کہ کوئی مکان میں ہے؟ میں فلاں فلاں چیزیں بیچتی ہوں"۔

برف کی شہزادی نے کھڑکی سے دیکھا اور پوچھا "مائی تم کیا کیا چیزیں بیچتی ہو"؟ اُس مکارہ نے جواب دیا "ہر طرح کا عمدہ گوٹہ کناری"۔ یہ کہکر ایک ریشمی چمکدار لیس اُس کو دکھایا۔ لیس حقیقت میں نہایت عمدہ اور ریشمی تھا۔ شہزادی نے لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ بدبخت عورت اپنی کامیابی پر خوش ہو کر مکان کے اندر داخل ہوئی۔ لیس شہزادی نے پسند کیا اور خریدنا چاہا۔ اُس مکار عورت نے کہا بیٹی لاؤ پہلے میں تمہارے بدن پر اُس کو ناپ لوں۔ وہ معصوم بچی اُس کے قریب آکر کھڑی ہوگئی اُس عورت نے تیزی سے ریشمی لیس کا پھندہ اُس کے گلے میں ڈالدیا اور اتنی سختی سے اُس کے گلے کو کس دیا کہ وہ بچی بیہوش ہو کر زمین پر آپڑی اُس کے مرنے کا یقین کر کے یہ کم بخت عورت

بہت خوش ہوئی اور اونچی آواز سے کہا اب
"بتاؤ دنیا میں سب سے زیادہ خوب صورت کون ہے؟"
یہ کہکر وہاں سے غائب ہو گئی۔

شام کو جب وہ بونے مکان واپس آئے
تو حسب معمول دور ہی سے شاہزادی کو ان
سبھوں نے پکارا۔ لیکن جواب نہ پاکر گھبرائے
اور دوڑ کر مکان میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ
معصوم بچی زمین پر بیہوش پڑی ہوئی ہے۔ ان
لوگوں نے اُس کو زمین سے اٹھایا۔ دیکھا کہ
اس کا گلا کسی نے ریشمی لیس سے کس دیا ہے
اُس کو فوراً چاقو سے کاٹ دیا گیا۔ چونکہ ابھی
اس بچی میں جان باقی تھی لیس کے کٹتے ہی
اس نے سانس لینا شروع کر دیا اور تھوڑی
ہی دیر میں وہ ہوش میں آگئی اور جو واقعہ
گذرا تھا شہزادی نے ان ساتوں بونوں کو
سنایا۔ عقلمند بونے سمجھ گئے اور کہا "نادان
بچی وہ لیس بیچنے والی تمہاری سوتیلی ماں
تھی۔ اب تم بہت ہوشیار رہو۔ وہ طرح
طرح کی اذیت تم کو پہونچائے گی۔ تم ہرگز
کسی آدمی کو مکان کے اندر نہ آنے دو اور
نہ کسی سے کچھ خرید و فروخت کرو۔"

وہ مکار عورت یہاں سے سیدھی اپنے
مکان پر پہونچی اور آئینہ سے وہی سوال کیا۔
اے دیوار کے شیشے سچ بتا کہ دنیا میں سب سے زیادہ
خوب صورت کون ہے"؟ شیشے وہی جواب
دیا جو پہلے دیا تھا کہ "میری مہربان شہزادی
یہاں تجھ سے زیادہ کوئی خوب صورت نہیں
لیکن پہاڑ پر جو سات بونے رہتے ہیں اُن
کے یہاں برف کی شہزادی ہے وہ سب سے زیادہ
خوب صورت ہے۔"

شیشے کا یہ جواب سن کر وہ عورت آگ
بگولہ ہو گئی۔ اُس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا
اُس نے کہا "ہائے افسوس۔ وہ اب تک
زندہ ہے۔ میری کارروائی بے کار ثابت ہوئی"
تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح کھڑی سوچتی رہی
اور دانت پیس کر بولی "اچھا اب میں بھی دیکھوں
گی کہ وہ میرے ہاتھ سے کس طرح بچتی ہے۔"
وہ عورت کچھ جادو بھی جانتی تھی اس نے

ایک زہریلی کنگھی بنائی اور پھر وہ بھیس بدل کر شہزادی کے مکان پر پہونچی۔ مکان کے قریب پہونچ کر اس نے آواز دی "کیا کوئی ان نفیس چیزوں کو خریدے گا؟" شہزادی نے باہر جھانکا اور جواب دیا "مہربانی کرو۔ میں کوئی چیز لینا نہیں چاہتی"۔ اُس مکار عورت نے کہا۔ "اگر خریدنا پسند نہیں تو چیزوں کے دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے۔ دیکھو یہ کیسی نفیس کنگھی ہے" یہ کہکر کنگھی کو دکھلایا۔ کنگھی بہت ہی خوب صورت تھی۔ شہزادی کو بھی پسند آگئی اور خریدنے کے لئے اُسے اندر بلالیا۔ اندر پہونچ کر اُس نے کہا "بیٹی لاؤ۔ میں کنگھی تمہارے بالوں میں لگاکر دیکھوں"۔ بھولی شہزادی اُس عورت کے قریب آبیٹھی۔ کنگھی بالوں میں لگتے ہی زہر نے اپنا اثر کیا۔ شہزادی چکر اکر زمین پر گر پڑی اور بے ہوش ہوگئی۔

اُس مکار عورت نے چلاکر کہا "بدبخت لڑکی بتا تو خوب صورت ہے یا میں"؟ یہ کہکر خوشی خوشی مکان واپس آئی

خوش قسمتی سے یہ وقت شام کا تھا۔ وہ ساتوں بونے آج جلدی ہی آگئے۔ دیکھا کہ غریب شہزادی زمین پر بے ہوش پڑی ہے وہ سمجھ گئے کہ آج پھر یہ بے چاری اپنی ماں کے ظلم کا شکار ہوئی ہے۔ بونوں نے اس کو زمین سے اٹھایا۔ دیکھا کہ بالوں میں ایک چمکدار کنگھی لگی ہوئی ہے۔ کنگھی جیسے ہی بالوں سے نکلی شہزادی نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور جب ہوش و حواس بجا ہوئے تو آج کا بھی قِصّہ اُس نے ان بونوں کو سنایا۔ ان سب نے کہا" دیکھو اب ہم لوگوں غیر موجودگی میں کسی کو بھی مکان کے اندر نہ آنے دینا ورنہ تمہاری جان کی خیر نہیں ہے"؟

وہ حاسد عورت اپنی کامیابی پر خوش خوش مکان پہونچی اور شیشے سے اس نے وہی سوال کیا" اے دیوار کے چھوٹے شیشے سچ بتا کہ اب دنیا میں سب سے خوب صورت کون ہے" شیشے نے جواب دیا۔"میری مہربان شہزادی یہاں تجھ سے زیادہ کوئی بھی خوب صورت نہیں لیکن پہاڑ پر

بونوں کے پاس جو شہزادی رہتی ہے وہ تم سے خوب صورت ہے"۔ شیشے کا یہ جواب سن کر وہ حاسد ملکہ جل گئی اور غصہ میں بھر کر بولی۔ "وہ بہت جلد مر جائے گی۔ اس کوشش میں خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

کچھ دنوں کے بعد اس نے ایک زہریلی ناشپاتی تیار کی۔ وہ ایسی تازہ اور خوبصورت معلوم ہوتی تھی کہ جو شخص اُس کو دیکھتا اُس کا جی بے اختیار اُس کے کھانے کو چاہتا تھا۔ اُس ناشپاتی کا ایک ذرا سا ٹکڑا بھی آدمی کی جان لینے کے لئے کافی تھا۔

اُس مکار عورت نے اپنی شکل ایک کسان عورت کی سی بنائی اور پھر ناشپاتی لے کر اُسی مکان پر پہونچی۔ جہاں وہ غریب شہزادی رہتی تھی۔ حسب عادت اس نے دروازے پر آواز دی۔ شہزادی نے جواب بہت خوف زدہ رہتی تھی کھڑکی سے سر نکال کر دیکھا اور کہا "میں تم کو ہرگز نہ آنے دوں گی اِس لئے کہ مکان کے مالکوں نے مجھے منع کر دیا ہے"

مکار عورت نے کہا "بیٹی مجھ سے خوف مت کھاؤ۔ میں تو بس ناشپاتیاں بیچتی ہوں جو نہایت شیریں اور خوش رنگ ہیں۔ لو ایک میں تمہاری نذر کرتی ہوں"۔ شہزادی نے جواب دیا "شکریہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نہ لوں گی" اس عورت نے کہا شاید تمہیں اس کے متعلق کچھ شک ہے۔ لو اس میں سے نصف کاٹ کر میں کھاتی ہوں اور نصف تم کھا لو"

ناشپاتی ایسی چالاکی سے بنائی گئی تھی کہ نصف میں تو زہر تھا اور باقی نصف بالکل بے ضرر تھی۔ بھولی لڑکی نے اُس مکار کے کہنے کا یقین کر لیا اور نصف ٹکڑا اُسے کھاتا دیکھ کر نصف خود کھانا شروع کیا۔ منہ میں ناشپاتی کا ٹکڑا رکھنا ہی تھا کہ وہ معصوم بچی مردہ ہو کر زمین پر گر پڑی۔

وہ دغاباز عورت اپنی آنکھوں سے شہزادی کو مردہ دیکھ کر چلّا کر بولی۔ "بدنصیب اور بدقسمت لڑکی اب تم ہمیشہ کے لئے آرام کرو

اب تم کو وہ بونے نہیں جگا سکتے"

وہ اپنی کامیابی پر خوش خوش اپنے مکان واپس آئی اور سیدھی اپنے آئینے والے کمرے میں پہونچی اور شیشے سے دریافت کیا: "اے دیوار کے چھوٹے شیشے سچ بتا کہ سب سے زیادہ خوب صورت کون ہے"؟ شیشے نے جواب دیا کہ "بے شک اب تو آپ ہی سب سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

(باقی آئندہ)

مظہر علی امام
(گیا)

ہاتھیوں کا مدرسہ

بلجی کانگو میں آپی نام ایک مقام ہے جہاں ہاتھیوں کا مدرسہ ہے۔ اِس مدرسہ میں ہاتھی اور اُن کے بچے پڑھتے ہیں یا سدھائے جاتے ہیں۔ کوئی تیس سال ہوئے بلجیم کی حکومت نے یہ تجربہ شروع کیا کہ ہاتھی بوجھل چیزیں کس طرح کھینچیں چنانچہ اُن کے سدھانے کے لئے آپی میں مدرسہ جاری کیا مگر اِس میں پہلے پہل بہت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اِس لئے حکومت نے اسے بند کرنا چاہا لیکن بلجیم کے بادشاہ نے کہا اچھا اسے میرے خرچ سے جاری رکھو۔ اِس کے بعد چند ہندوستانی مہاوت بلائے گئے اور وہ افریقی ہاتھیوں کو سدھانے لگے اب یہ مدرسہ اپنے مقصد میں خاصی کامیابی حاصل کر رہا ہے۔

اِس مدرسے کی مدت تعلیم ہمارے اسکولوں کی طرح دس سال ہے۔ اِس میں پچاس ہاتھی طالب علم ہیں جو اپنا روزانہ کام ہندوستانی بچوں کی طرح صبح غسل سے شروع کرتے ہیں۔ ہمارے مدرسے تو دس بجے کھل کر پانچ گھنٹوں کے بعد بند ہو جایا کرتے ہیں مگر آپی کا مدرسہ صبح ساڑھے پانچ بجے کھلتا ہے اور شام کو پانچ بجے بند ہو جاتا ہے۔ اِس لمبی تعلیم کے دوران میں انھیں چرنے کے لئے کچھ تفریح بھی دی جاتی ہے اور دریا میں

غوطے لگانے کا موقع بھی دیا جاتا ہے۔

اس مدرسہ میں دو یوروپین افسر ہیں اور ۴۶ شکاری اور مہاوت ہیں۔ اب یہ زیادہ تر "آ زندی" قوم کے لوگ ہیں اور ہندوستانی مہاوتوں کے شاگرد ہیں جن سے انھوں نے تامل زبان کے چند الفاظ سیکھ لئے ہیں جن سے وہ ہاتھیوں کو اُٹھک بیٹھک کراتے ہیں۔

جب ہاتھی کا بچہ پکڑا جاتا ہے تو اُس کا قد ۵ فٹ ہوتا ہے۔ اس وقت تو وہ بہت کمزور ہوتا ہے مگر چند ہی سال بعد وہ سوسوا سو من کا بوجھ کھینچنے کے قابل ہو جاتا ہے اور دن بھر میں دو اڑھائی ایکڑ زمین میں ہل چلاکر رکھ دیتا ہے۔ سدھے ہوئے ہاتھی کی قیمت ۵۰۰ پونڈ سے کم نہیں ہوتی۔

آپ کے مدرسے میں ہاتھیوں کو صرف پیار اور محبت سے سدھایا جاتا ہے۔ انھیں انگلی تک لگانے کی اجازت نہیں۔ ہاتھی کو ہر حکم مان لینے پر انعام ملتا ہے جو جنگل کا کوئی شیریں پھل ہوتا ہے۔

بچہ ہاتھی کسی خرانٹ ہاتھی کے پلّے باندھ دیا جاتا ہے اور وہ اسے اُٹھنا بیٹھنا، چلنا، ٹھہرنا اور جھکنا سکھا لیتا ہے۔

ہاتھی بڑا عقلمند جانور ہے۔ جب سیکھنے پر آتا ہے تو جلدی ہی سیکھ جاتا ہے۔ اس کا کینہ بھی مشہور ہے۔ جب کسی سے خفا یا ناراض ہو جاتا ہے تو اس سے بدلہ لئے بغیر نہیں رہتا۔

تم نے اُس بچے کی حکایت سنی ہو گی کہ جس نے بکری کے بچے کو ممیاتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ یہ مدرسے جاتے ہوئے ممیاتا ہے۔ ہاتھی کے بچے کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ جب وہ پہلے پہل مدرسے میں داخل ہوتا ہے تو اپنے گھربار اور ماں باپ کی یاد اُسے بہت ستاتی ہے مگر مہاوتوں کی محبت اور رکھوالوں کا پیار اُسے رام کر لیتا ہے اور وہ اتنا سدھ جاتا ہے کہ روئی کے کھیتوں میں ہل جوتتا ہے اور بھاری بھاری بوجھ ڈھونے کا عادی بن جاتا ہے۔

حمایت الاسلام۔ لاہور

ظلم کا انجام

شام کا وقت ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ بوڑھا جیک اور اس کی بیوی اپنے جھونپڑے میں ابھی رات کا کھانا کھا کر جو نہایت معمولی چیزوں پر مشتمل تھا۔ بیٹھے ہوئے خوش گوار باتیں اپنے ٹوٹے ہوئے جھونپڑے گائے اور اجاڑ باغ کے متعلق باتیں کر رہے تھے کہ کتوں کی بھوں بھوں اور لڑکوں کی چیخ و پکار آہستہ آہستہ گاؤں میں بڑھنا شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ دونوں کو ایک دوسرے کی باتیں سننی ناممکن ہوگئیں۔ "اوہ" شوہر نے چلا کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسافر بے چارہ قسمت کا مارا اس گاؤں میں آگیا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ان کو کھانا اور رہنے کے لئے جگہ دی جائے۔ ان پر کتے چھوڑ دئے گئے ہیں اور جیسی کہ لڑکوں کی عادت ہے وہ شور مچا مچا کر اُن لوگوں کو تکلیف پہونچا رہے ہیں" بیوی نے جواب دیا "افسوس! گاؤں والے بچوں کو غریب مسافروں پر ڈھیلے پھینکنے کو منع کرنے کے بجائے اُن سے کہتے ہیں "ہاں شاباش اور مارو" بوڑھے نے اپنا سفید سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ایسے لڑکے کبھی اچھے نہیں ہوسکتے مجھے اندیشہ ہے کہ تمام گاؤں والوں پر کوئی عذاب الٰہی نہ نازل ہو۔ لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ اپنی بد اخلاقی کو درست کرلیں۔ پس ہم لوگوں کو تیار ہو جانا چاہیے کہ آدھا کھانا کسی غریب مسافر کو کھلا دیا کریں جو بے چارہ غریب الوطن ہو "یہ بالکل ٹھیک ہے"۔ بوڑھی نے کہا "آئندہ سے ایسا کریں گے"۔ یہ غریب بوڑھا جوڑا ایک معمولی جھونپڑے میں اپنی زندگی کے دن گذار رہا تھا۔ ان لوگوں کو کھانا تک بہت مشکلوں سے میسر ہوتا تھا۔ غریب بوڑھا اپنے

باغ میں دن بھر کام کرتا تو اس کی بیوی اپنے جھونپڑے میں مکھیوں کے چھتے سے شہد نکالتی، کبھی مکھن اور پنیر بناتی، اتنی محنت و مشقت کے بعد بھی ان کا کھانا معمولی روٹی چند پھل اور تھوڑی مقدار میں کبھی مکھن یا پنیر پر مشتمل ہوتا۔ یہ غریب تھے۔ لیکن دل غنی تھا۔ اس گاؤں میں شریف کہے جانے کے مستحق صرف یہی دو غریب بوڑھے تھے۔

یہ گاؤں پہاڑی مقام پر واقع تھا، یہاں کے باشندے اتنے سنگ دل تھے کہ غریب مسافروں کو دیکھتے ہی اپنے خون خوار کتوں کو للکار دیتے، اپنے بچوں کو اشارہ کر دیتے۔ یہاں تک کہ غریب بوڑھے۔ کمزور، زخمی اور اپاہج مسافروں کو بھاگنا تک دشوار ہو جاتا۔ جو ایک دفعہ یہاں سے گذر جاتا۔ پھر کبھی دوبارہ آنے کی تکلیف گوارا نہ کرتا۔ لیکن جب کوئی امیر آدمی اچھے لباس میں خوبصورت گھوڑے پر یا کسی ایسی حالت میں جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ دولت مند ہے۔ غلطی سے بھی کسی کتے نے غرا دیا اور لڑکے نے ہنس دیا۔ تو دونوں سزا کے مستحق ہو جاتے۔ گانوں والے ان کی بہت آؤ بھگت کرتے۔ یہ سب کچھ انعام کے لئے ہوتا جوان کو کبھی کبھی مل جاتا تھا۔

"میں نے آج تک کتوں کو اس طرح بھونکتے نہیں دیکھا" بوڑھے نے کہا۔ "اور نہ ایسے لڑکوں کو" بیوی نے جواب دیا۔ کہ اتنے میں کتوں کی آواز لڑکوں کی چیخ و پکار ان کے جھونپڑے کے نزدیک آنی شروع ہوئی۔ اور دو غریب مسافر ان کے جھونپڑے میں داخل ہوئے لیکن وہ اس طرح کھڑے ہوئے گویا رات بھر رہنے کے لئے اور کھانے کی قیمت دینے کے لئے ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ گاؤں والے ان کے ساتھ اس طرح پیش آئے۔

"سنو" بوڑھے نے اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ہم ان غریب مسافروں سے ملیں" بیوی نے جواب دیا۔ تم ان کو بٹھاؤ۔ جب تک میں کچھ دودھ اور روٹی

کھانے کے لئے دیکھتی ہوں ۔ تاکہ میں ان غریب مسافروں کو خوش کر سکوں "۔ بوڑھا گیا ۔ اور بہت خوش ہو کر کہنے لگا ۔ "خوش آمدید" خوش آمدید مسافرو "شکریہ" ۔ مسافروں میں سے ایک نے جواب دیا ۔ " یہ ہماری خوش قسمتی ہے ۔ کہ تم سے ملاقات ہوئی ۔ لیکن سخت تعجب ہے کہ تم ایسے بد اخلاق لوگوں کے پڑوس میں رہتے ہو بوڑھے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "۔ کیا آپ لوگ تشریف رکھیں گے ۔ اور مجھے اس بات کی اجازت دیں گے کہ پڑوسیوں کے بد اخلاقی کے بدلے میں آپ لوگوں کی کچھ خدمت کر سکوں "۔ وہ ان لوگوں کو اپنی جھونپڑی میں لے آیا ۔ اور بٹھا دیا ۔

"دوستو" بڈھے نے کہا ۔ براہ مہربانی آپ لوگ یہاں پر آرام کریں ۔ جب تک میری بیوی آپ لوگوں کے کھانے کا انتظام کرے گی ۔ اس میں شک نہیں کہ ہم لوگ بہت غریب ہیں ۔ لیکن ہم سے جو کچھ ہو سکے گا ۔ آپ کی خاطر کرنے میں دریغ نہ کریں گے "۔ مسافر بیٹھ گئے اور ان میں سے جو بڑا تھا ۔ اس نے سوال کیا ۔ کیا جہاں اب گاؤں ہے ۔ وہاں پر کبھی تالاب نہیں تھا ۔ "نہیں جناب میرے وقت میں تو نہیں "۔ بوڑھے نے جواب دیا ۔ تم دیکھتے ہو کہ میں کتنا بوڑھا ہوں ۔ یہاں پر ہمیشہ سے یہی میدان ۔ یہی بد اخلاق لوگ ۔ اور یہی پرانے پرانے درخت اور غالباً یہی حالت ہمارے باپ دادا کے وقت میں بھی تھی ؛ جہاں تک مجھے علم ہے "۔ بوڑھے مسافر نے اپنا سر غصہ سے اٹھا کر کہا ۔ چونکہ گاؤں والوں سے اخلاق اور ہمدردی مٹ گئی ہے ۔ کیا یہ اچھا نہیں کہ تالاب پھر نکل آئے تاکہ یہ لوگ اپنے کئے کی سزا بھگت لیں "۔ مسافر کے چہرہ کو دیکھ کر بوڑھا بے چارہ ڈر سا گیا ۔ لیکن فوراً ہی مسافر کے چہرہ پر مہربانی اور رحم کے آثار نظر آنے لگے کہ بوڑھا آدمی ان باتوں کو بھول گیا ۔

وہ لوگ کھانے کی میز پر گئے ۔ اور کھانا شروع کیا ۔ لیکن وہاں اتنا بھی نہ تھا کہ ایک بچّے کا بھی پیٹ بھر سکے ۔ لیکن وہاں تو دو تین آدمی

تھے۔ آخرکار بوڑھے مسافر نے اور دودھ مانگا بوڑھا جیک اور اس کی بیوی سخت شرمندہ۔ اور پریشان تھے کہ کیوں کر اور کہاں سے دودھ لایا جائے۔ مسافر سمجھ گیا اور اس نے دودھ کا برتن انڈیلا۔ خدا کی قدرت کہ سب نے پیٹ بھر کر پی لیا۔ لیکن پیالہ میں دودھ بھرا کا بھرا ہی رہا اور وہ اس بوڑھے کا شکریہ ادا کر کے روانہ ہو گئے۔ مظلوموں کی مدد ہمیشہ خدا کرتا ہے۔ ان لوگوں کا ظلم حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ایک دن وہاں چشمہ ابل پڑا۔ اور تمام گاؤں سوائے ایک جھونپڑی کے جس کی مددگار ایک غیبی طاقت تھی۔ تباہ ہو گیا۔ (ترجمہ)

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں

طہیر حسن۔ کوئی بری (گیا وی)
(متعلم مسلم یونیورسٹی اسکول علیگڈھ)

بچو!

کچھ خدا کے لئے پڑھو لکھو
عمر جائے نہ رائگاں بچو!

عہدِ طفلی بہت غنیمت ہے
تم کہاں پھر یہ دن کہاں بچو

یاد پھر تم کو آئے گا بچپن
تم بھی ہو گے کبھی جواں بچو

شوق سے سیکھ لو تم علم و ہنر
کہ بنو فخرِ خانداں بچو

بسترِ خواب سے اٹھو دیکھو
کہ یہ ہے وقتِ امتحاں بچو

وہ دن آئے کہ تم چڑھو پروان
ہو یہ اختر بھی شادماں بچو

اختر زندانی۔ علیگڑھ

مضمون

......بس ہم مضمون لکھنے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ اڈیٹر صاحب نے فرمایا۔ اگر تم بھی کوئی مضمون رسالہ ہونہار میں شائع کرانا چاہو تو انگریزی، فارسی کی کہانیوں کا ترجمہ ہی کرکے دیا کرو۔ ہم نے اس پر عمل کرنے کی کوشش تو ضرور کی مگر...... آپ یہ تو جانتے ہیں کہ جب بچہ "ا" "ب" شروع کرتا ہے۔ تو اس وقت اس کو تمام قاعدہ میں "ہوّا ہی ہوّا" دکھائی دیتا ہے ...... بس وہی ہمارا حال شریف ہوا...... خیر تہیہ کیا کہ ضرور...... کوئی ترجمہ کریں گے۔ پھر کیا تھا۔ ترجمہ کے لئے کتاب کے کیڑے بن گئے۔ مگر پہلے ورق گردانی کی کہ آیا کتنے صفحے ہم کو ترجمہ کرنا پڑے گا۔ ورق گنے تو معلوم ہوا کہ کافی ہیں۔ سوچا...... کہ ترجمہ کرنے سے ہماری کوئی شہرت تو ہوگی نہیں۔ مگر...... یہ بھی خیال ہوا کہ مضمون لکھنا بھی کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ بس...... ہم کو ایسی راہِ عمل اختیار کرنی چاہئے۔ جو سب سے بہتر اور آسان ہو۔ خیال کیا کہ رات کو بستر پر لیٹ کر سوچیں گے۔ اسی فکر میں خدا خدا کرکے رات ہوئی۔ کھانا کھا کر تفریح کے لئے گئے مگر معمول سے قبل ہی گھر آ پہنچے۔ دن بھر کے تھکے مارے تو تھے ہی ...... بستر پر دراز ہو گئے۔ لیٹنا ہی تھا کہ خواب خرگوش میں مبتلا ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی...... کہ گھر میں جہاں ہمارا بستر بچھا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک چھوٹی سی کیاری تھی جس میں ہر قسم کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ ان کی خوشبوؤں نے ہمارے چھوٹے سے دماغ کو اپنا گھر بنا لیا۔ جس کے سبب مضمون وغیرہ کا سب خیال بھول گئے ...... مگر نیند میں بھی ہم کو دن کا خیال ستا رہا تھا آخر کار آنکھ کھل گئی اور ہم مضمون نگاری

کے چمن میں دوڑنے لگے ۔ ابھی دوڑ ہی رہے تھے کہ ٹھوکر سی لگی ...... گویا معلوم ہوا کہ ہماری یہ سوچ بچار ابھی صرف ایک معمولی چڑے چڑیا کی کہانی پر منحصر ہے ۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی ستا رہا تھا ۔ کہ ہم سے بہتر تو بچے ہی ہیں ۔ جو کہہ تو دیتے ہیں " ایک چڑیا اور چڑا تھا اور دونوں نے مل کر کھچڑی پکائی " خیر ...... شکر ہے کہ کچھ دل کو تسلی تو ہوئی ۔ کہ ہم بھی ایک چھوٹے سے مضمون نگار کہلائیں گے ۔ اور چاک کچھ اور سوچیں مگر گئے ...... اور جب موذن نے صدائے "اللہ اکبر" بلند کی تو اٹھے ۔ جوتی پہن ۔ ٹوپی سر پر رکھ مسجد کی راہ لی ۔ نماز کے بعد ہوا خوری کے لئے نکلسن باغ کا رخ کیا ...... واپس آکر ہم نے دوات قلم سنبھالی ۔ کاپی ہاتھ میں لے ایک خاصے منشی جی بن گئے ۔ دن بھر کا غذ سیاہ کئے ۔ آخر کار دن بھر کی محنت وصول ہوئی ...... کہانی لے پہنچے سیدھے اڈیٹر صاحب کے پاس ...... عرض کی کہ جناب اس کو شائع فرما کر شکر گذار فرمائیں ...... اڈیٹر صاحب نے ہم پر مہربانی کی ۔ جب رسالہ اپنی مقررہ تاریخ پر شائع ہوا ...... ہمارے دوستوں کی نظر سے ہمارا مضمون گذرا تو فوراً داد دینے کے لئے آموجود ہوئے ۔ اور آفرین کہتے ہوئے مٹھائی اور دعوت کی فرمائش کر دی ۔

ہونہار بھائیو ! تم نے دیکھا کہ ہم نے کتنا اچھا مضمون لکھا ۔ دیکھیں اس سے اچھا مضمون لکھ کر کون بھیجتا ہے ۔

شجاع الدین ۔ متعلم پنجابی سکول
(دہلی)

جواہر ریزے

۱۔ اگر خدا مرتبہ دے تو غریبوں پر ظلم نہ کرو
۲۔ برے لوگوں سے ہمیشہ دور رہو ۔
۳۔ علم دنیا کی تمام دولتوں سے بہتر ہے
۴۔ جو مزہ بخش دینے میں ہے وہ بدلہ لینے میں نہیں ۔
۵۔ محنت تم کرو اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو ۔

(طاہر حسین علیگڑھ)

شریر حامد

شہر دہلی میں ایک رئیس محمد احمد رہتے تھے وہ اس قدر نیک اور شریف تھے۔ کہ محلہ والے تو درکنار تمام شہر والے ان کی عزت، ور تعریف کرتے تھے۔ ان کا ایک بیٹا حامد تھا۔ جو ماں کا لاڈلا تھا۔ ماں کے لاڈ کی وجہ سے اس قدر شریر ہوگیا تھا۔ کہ توبہ ہی بھلی۔ محلہ والے اسکول کے ماسٹر۔ حتیٰ کہ شہر کے اور آدمی بھی نالاں تھے۔ اور اکثر اس کے والد سے شکایت کیا کرتے تھے۔ اس کے والد بے چارے ڈانٹ ڈپٹ تو دیتے۔ مگر بیوی کے ناراض ہوجانے کے خوف سے اس کو کبھی مارا نہ کرتے۔ حامد کی ماں یہ کہہ کر بچہ ہے محمد احمد کا غصہ دھیما کردیا کرتی تھی۔ اس ڈھیل کی وجہ سے حامد کی شرارت دن بدن زیادہ ہوتی گئی، اسکول کے اور بدمعاش لڑکے بھی حامد کے دوست بن گئے تھے۔ اور تقریباً ہر وقت حامد کے ساتھ رہا کرتے تھے یہ سب مل کر خوب شرارتیں کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دیوالی کے موقعہ پر ان سب نے ٹھانی کہ رات کو دیوالی کا میلہ دیکھنے چلیں گے۔ اور لطف اٹھائیں گے۔ غرض سورج غروب ہوتے ہی تمام دوست حامد کے مکان پر جمع ہوگئے۔ اور سب اکٹھے سیر کو نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں کبھی اس کو چھیڑ کبھی اس کو چھیڑتے اور گالیاں کھاتے چلے گئے۔

جب اس سے طبیعت بھر گئی تو دیوںوں کو توڑنا شروع کردیا۔ بعض دوکاندار تو ان کی یہ حرکت دیکھ کر خاموش ہوگئے۔ مگر ایک لالہ صاحب کو غصہ آہی گیا۔ انہوں نے لپک کر میاں حامد کے ہی تھپڑ رسید کیا۔ لالہ صاحب کا چانٹا کھاکر حامد صاحب کے ہوش گم ہوگئے۔ چپکے کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ مگر جب

لالہ صاحب تھوڑی دور آگے چلے گئے۔ توحامد کے دوستوں نے طعنہ دینا شروع کئے ایک کہنے لگا۔ "اگر مجھ کو مارتا۔ تو میں لالہ صاحب کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتا"۔ دوسرے نے کہا۔ "واہ میاں حامد واہ تھپڑ کھاکر خاموش ہوگئے۔ ارے میاں دیکھتے کیا تھے۔ تم بھی لالہ جی کو جھپٹ جاتے۔ اور مارتے۔ پھر ہم دیکھ لیتے کہ وہ کیا کرسکتے تھے۔

الغرض اسی طرح تمام یار دوستوں نے کچھ کچھ کہنا شروع کیا۔ اس پر میاں حامد بھی جوش میں آگئے۔ اور لالہ جی کے پیچھے ہولئے راستہ میں ایک دوکان پر سے وہ سوت توڑ لیا جس پر کاغذ کی جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ اور لالہ صاحب کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ آخرکار تھوڑی دور جاکر لالہ جی ایک تاریک گلی میں چلے گئے۔ حامد بھی ان کے پیچھے گلی میں چل دیا تھوڑی دیر بعد لالہ جی تھک گئے۔ اور ایک نیم کے درخت سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے حامد نے یہ موقع غنیمت سمجھا۔ اور چپکے سے لالہ جی کی قمیص میں سوت باندھ دیا۔ درخت کے دوسری طرف خود چھپ کر کھڑا ہوگیا کچھ دیر بعد لالہ جی جو ذرا موٹے تازہ تھے۔ چلنے لگے۔ توحامد نے زور سے سوت کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ اور لالہ جی تھے کہ سنبھل نہ سکے۔ اور گر پڑے حامد نے پہلے تو زور سے قہقہہ لگایا۔ اور پھر لالہ جی سے کہنے لگا کہیئے صاحب آپ نے تھپڑ مارنے کا مزا چکھ لیا"۔ لالہ جی بے چارے اس وقت کیا کرسکتے تھے۔ شرمندہ ہوگئے اور بہت کچھ گالیاں دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ لالہ جی کی یہ کچھ گت بناکر حامد اپنے دوستوں میں آشامل ہوا۔ اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ تمام دوست حامد کی چالاکی پر بہت خوش ہوئے۔ اور تعریفوں کے پل۔ باندھ دئے۔ اور کہنے لگے "خوب بدلہ لیا۔ ایسے شخص کا یہی علاج ہے"۔ غرض اسی طرح شرارتیں کرتے ہوئے یہ سب دوست رات کو نو بجے گھر پہنچے۔ حامد کے والد نے جو

پوچھا کہ اتنی دیر کہاں رہے۔ تو حامد نے۔ جواب دیا۔ کہیں نہیں دیوالی کی روشنی دیکھنے گئے تھے"۔ محمد احمد سن کر خاموش ہو گئے

کچھ دنوں بعد حامد چھٹی سے واپس آرہا تھا کہ دروازہ پر وہی لالہ صاحب جن کو ان حضرت نے گرایا تھا۔ مل گئے۔ لالہ جی حامد کو پکڑ کر ہیڈ ماسٹر کے پاس لے گئے۔ ہیڈ ماسٹر لالہ جی کے بڑے گہرے دوست تھے۔ ان کو دیکھتے ہی ہیڈ ماسٹر کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے "آیئے لالہ رنچھوڑ داس تشریف رکھئے۔ آج آپ کس طرح ادھر آنکلے"۔ لالہ جی نے حامد کو سامنے کر کے تمام قصہ سنایا ہیڈ ماسٹر صاحب حامد سے واقف تو تھے ہی لالہ جی سے قصہ سن کر ان کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا۔ اور حامد سے کہنے لگے "تم اپنی شرارتوں سے باز نہیں آؤ گے"۔ حامد نے صاف انکار کر دیا۔ کہنے لگا "جناب میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ کوئی اور لڑکا ہو گا۔ لالہ جی کو دھوکہ ہوا ہے"۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے۔ لالہ جی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ سچ سچ بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا"۔ حامد وہی کہتا رہا۔ کہ میں نے نہیں کیا۔ اس پر۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کا غصہ اور بھی تیز ہو گیا اور بیت لے کر حامد کو مارنا شروع کیا۔ مگر حامد انکار ہی کرتا رہا۔ آخر کار ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس قدر مارا۔ کہ حامد کے ہاتھ ورم کر آئے پھر تو حامد نے قبول دیا کہ ہاں اسی نے یہ فعل کیا تھا۔ جب حامد نے اقبال کر لیا۔ تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے مارنا تو بند کر دیا۔ مگر اس کا نام اسکول کے رجسٹر سے کاٹ دیا اور کہہ دیا "ایسے شریر لڑکوں کا ہمارے اسکول میں کام نہیں ہے"۔ حامد اپنا سا منہ لے کر گھر چلا آیا۔ اور کسی سے اس واقعہ کا ذکر تک نہ کیا۔

دوسرے دن حامد روز کی طرح اٹھا ناشتہ سے فارغ ہو کر اور اپنی کتابیں سنبھال کر چل دیا۔ تمام دن ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔

اور چھٹی کے وقت گھر پر آموجود ہوا۔ ادھر
ہیڈ ماسٹر صاحب نے جو محمد احمد کے بھی دوست
تھے اس کو ایک چٹھی لکھ دی۔ کہ کل سے آپ
کے لڑکے کا نام اسکول سے خارج کر دیا ہے
جب حامد گھر آیا تو باپ نے پوچھا "کہاں گئے
تھے" حامد نے جواب دیا۔ "گیا کہاں تھا۔ اسکول
گیا تھا" اس پر محمد احمد کو بھی غصہ آگیا۔ اور کہنے
لگے "نالائق تو اپنی شرارتوں اور جھوٹ بولنے
سے باز نہیں آئے گا۔ دیکھو ہیڈ ماسٹر صاحب
نے کیا لکھا ہے" یہ کہہ کر محمد احمد نے چٹھی۔
حامد کے آگے ڈال دی۔ اب تو حامد کے رہے
سہے ہوش گم ہو گئے۔ اور کچھ جواب دیتے بن
نہ پڑی۔ آخرکار اس کے والد کہنے لگے۔ کہ
ہیڈ ماسٹر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ تم کو
سزا بھی دے چکے ہیں۔ اس لئے میں تم کو مارتا
تو ہوں نہیں۔ لیکن اور سزا دیتا ہوں۔ یعنی
آج تم کو کھانا نہیں ملے گا۔ اور جب تک تم آئندہ
کے لئے توبہ نہیں کرو گے۔ تم کو اس کوٹھری
میں بند رکھوں گا" یہ کہہ کر محمد احمد نے حامد کو
ایک کوٹھری میں بند کر کے باہر تالا لگا دیا۔

حامد کو کوٹھری میں پڑے پڑے پانچ بج
گئے۔ اب تو بھوک نے ستانا شروع کیا دوسرے
گرمی نے آخرکار اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔
اس پر محمد احمد نے دروازہ کھولا۔ اور کہا کہ
"توبہ کرو تو تم کو کھانا ملے گا" اس پر حامد نے
توبہ کی۔ اور کھانا کھا کر اپنے کمرہ میں چلا گیا
اور دو تین دن کے واقعات پر غور کرنے
لگا۔ اب اس کو اپنی نالائقی محسوس ہوئی
اور ارادہ کر لیا کہ اب کبھی ایسا نہ کرے گا۔
دوسرے دن محمد احمد اس کو اسکول لے گئے
اور ہیڈ ماسٹر سے کہا "اب اس نے معافی
مانگ لی ہے۔ اب کبھی ایسا نہ کرے گا۔ اب
اس کو پھر داخل کر لیجئے" غرض حامد پھر اسکول
میں داخل ہو گیا۔ اور خوب محنت سے کام کرنے
لگا۔ اور آئندہ پھر کبھی شرارت نہیں کی، اور
نہ ہی کبھی جھوٹ بولا۔ امتحان میں بھی اول آیا جو
لڑکے اس سے ملنے میں پرہیز کیا کرتے تھے۔ اس سے ملنے
میں اپنا فخر سمجھنے لگے۔ (راقم ممتاز احمد دہلی)

ہنسی کی باتیں

بیٹا۔ ابا جان بڑا غضب ہو گیا۔ ایک شخص نے بیس روپئے دئے اور تیس روپئے والی گھڑی لے گیا۔

باپ۔ تو نہایت احمق ہے۔ تیری وجہ سے مفت میں دس روپئے کا نقصان ہوا لیکن خیر وہ مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔ اس گھڑی کی قیمت اصل میں پانچ روپئے تھی۔

"کون کہتا ہے کہ سرحدی بڑے بہادر ہوتے ہیں؟"

"ہوتے تو بہادر ہیں"

"بالکل غلط۔ ابھی کل کی بات ہے۔ میں شام کو اپنے دو بیٹوں، تین بھائیوں اور آٹھ دوستوں کے ہمراہ آرہا تھا۔ راہ میں ایک سرحدی پٹھان سے جھگڑا ہو گیا ہم لوگوں نے اُسے مار کر بھگا دیا۔ بہادر ہوتا تو وہ ہم کو مار کر بھگا دیتا۔

ماں۔ کیوں رے شریر تو آج نئی اچکن پہن کر کیچڑ میں گر پڑا۔

بچہ:۔ اماں جان۔ کیا کروں مجھے اچکن اتارنے کی فرصت ہی نہ ملی۔

ایک شخص ایک جنرل مرچنٹ کی دوکان میں داخل ہوا اور بہت سی چیزیں خریدیں

دوکاندار۔ (کچھ ٹائیوں کے نمونے دکھا کر) یہ ٹائیاں بہت عمدہ ہیں انھیں خرید لیجئے

خریدار۔ نہیں مجھے ٹائیوں کی ضرورت نہیں میری داڑھی بہت لانبی ہے۔

"حامد نہایت فضول خرچ ہے۔ اس کے پاس کبھی پیسہ نہیں رہتا۔ جب دیکھو ہاتھ خالی"۔

"تو کیا وہ تم سے کچھ مانگنے آیا تھا؟"

"نہیں۔ بلکہ میں اُس سے مانگنے گیا تھا"

آپس کی باتیں

رسالہ ہونہار کا سالگرہ نمبر

رسالہ ہونہار کے سالگرہ نمبر کے لئے تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔ اور اس کے لئے نہایت اچھے مضمون نگاروں سے مضامین لکھائے جا رہے ہیں۔ بہت سے مضامین وصول بھی ہو چکے ہیں۔ سالگرہ نمبر کے تمام مضامین اور کہانیاں پڑھنے کے قابل ہیں۔ بعض مضامین تو ایسے ہیں جنھیں پڑھ کر بچے ہنستے ہنستے لوٹ جائیں گے۔ اِن کے علاوہ نظمیں۔ تصویریں۔ کھیل تماشے مختلف چیزوں کے بنانے کے طریقے اور مضامین ایسے ہیں جن کو پڑھ کر ہونہار بہنیں اور بھائی بہت خوش ہوں گے۔ جن بچوں نے اپنے مضامین ابھی تک نہیں بھیجے وہ بہت جلد بھیج دیں

دسمبر کا پرچہ شائع نہ ہوگا

اِس نمبر کے بعد گذشتہ سال کی طرح دسمبر کا رسالہ شائع نہ ہوگا بلکہ اب جنوری میں سالگرہ نمبر شائع ہوگا۔ لہٰذا ہونہار بھائی دسمبر کے پرچے کی طلبی میں کوئی خط بھیجیں۔

ایک غلطی کی تصحیح

اکتوبر کے رسالے میں پنجابی اسکول کے مضمون میں کاتب کی غلطی سے بجائے عبد الغنی کے عبد الحیٔ کا نام چھپ گیا ہے۔ ناظرین اس کو صحیح کر لیں۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں اور جواب کے لئے جوابی کارڈ بھیجا کریں ورنہ جواب دیر میں ملیگا۔ اس ماہ کا رسالہ طباعت کی دقتوں کی وجہ سے دیر میں شائع ہو رہا ہے۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ ایڈیٹر

معمّے

معمے بھیجنے کے شرائط

۱۔ جو صاحب رسالہ ہونہار میں کوئی معمہ شائع ہونے کے لئے بھیجیں اور حل کے ہمراہ ایک آنے کا ٹکٹ بھی طلب کریں اُن کو انعام میں کم از کم تین روپئے کی قیمت کی چیز رکھنی چاہئے۔ اگر انعامی چیز تین روپے کی قیمت کی نہو تو ارکا ٹکٹ طلب نہ کریں۔

۲۔ معمے کے ہمراہ اُس کا جواب بھی لکھ کر بھیجا کریں تاکہ نظر ثانی کرنے میں آسانی ہو۔

۳۔ جس شخص کے نام انعام نکلے اس کا نام رسالہ ہونہار میں ضرور شائع کرایا جائے۔

۴۔ آسان اور مختصر معمے بھیجے جائیں جن کو بچے بغیر کسی مدد کے اپنے آپ حل کر سکیں۔ (اڈیٹر)

ہونہار ماہ اکتوبر کے صفحہ ۲ پر جو معمہ شائع ہوا تھا۔ اُس کا حل یہ ہے۔

رسالہ "طالب علم" پنجابی اسکول دہلی۔

بموجب شرائط معمہ قرعہ اندازی میں عبدالرشید خاں صاحب (حیدرآباد دکن) کا نام نکلا۔ ان کے نام رسالہ ہونہار ایک سال کے لئے جاری کرادیا گیا

محمد صالح ۔متعلم پنجابی اسکول دہلی

ہندوستان کا معمّہ

اکتوبر کے رسالے میں صفحہ ۲ پر جو معمہ شائع کیا تھا بعض بچے اُسے اچھے طرح سمجھے نہیں اس لئے دوبارہ شائع کیا جاتا ہے۔

(۱) ہندوستان میں جتنے حروف ہیں اُن کو باہم ملاکر معنی دار الفاظ بناؤ جو یا تو اسم ہوں یا فعل۔ حرف نہوں

(۲) جو صاحب سب سے زیادہ الفاظ بناکر بھیجیں گے اُن کے نام سال بھر کے لئے رسالہ ہونہار جاری کردیا جائے گا اور فیصلہ سالگرہ نمبر میں شائع کیا جائے گا۔

نمبر ۳۔ تمام جواب ۱۵ دسمبر تک آجانے چاہئیں

نمبر ۴۔ جو صاحب جواب بھیج چکے ہیں اُن کو دوبارہ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ "اڈیٹر"

بالکل مفت

صنعت وحرفت کی کتاب قیمتی ایک روپیہ جس کا اشتہار رسالہ ہونہار کے پچھلے نمبروں میں شائع ہو چکا ہے اور جس میں بیسوں مفید چیزوں کے بنانے کی ترکیبیں درج ہیں۔ رسالہ ہونہار کے اُن نئے خریداروں کو مفت دی جائے گی جو رسالہ ہونہار کا سالانہ چندہ ؏ بذریعہ منی آرڈر ۳۱ دسمبر ۱۹۳۲ء تک دفتر رسالہ ہونہار دہلی میں بھجوادیں۔

بچوں کا کتب خانہ

اسکول کی زندگی

یہ ڈراما خاص طور سے بچوں کے لئے لکھا گیا ہے جس میں ہندوستانی مدرسوں کی زندگی بتائی گئی ہے، اچھے اور شریر طالب علموں کا خوبی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے اور ان کے نتائج دکھائے گئے ہیں، یہ ڈرامہ جامعہ کے بچوں نے اسٹیج پر کیا تھا، جو بہت پسند کیا گیا۔ قیمت صرف ۴ر

قوم پرست طالب علم

بقول معارف "بچوں کے کھیلنے کے لئے لکھا گیا ہے اس میں متحدہ قومیت۔ حب وطن، ایثار۔ راستبازی، وفاداری، بالآخر کامیابی کے مناظر نہایت اچھے طریقے سے دکھائے گئے ہیں، اور طلبہ میں پاک جذبہ پیدا کرنے میں یہ ڈرامہ یقیناً کامیاب ثابت ہوگا قیمت ۴ر

بچوں کا انصاف

یہ ڈرامہ الف لیلہ کا ایک قصہ ہے۔ بچوں نے خیانت کا مقدمہ اس طرح فیصل کیا کہ خلیفہ ہارون رشید بھی دنگ رہ گیا یہ بچوں کا ڈرامہ بچوں ہی کی زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

ہمارے نبی

یہ رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح عمری نہایت دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہے۔ زبان نہایت سادہ ہے۔ ۴ر

دنیا کے بسنے والے

حبشیوں، امریکہ کے پرانے باشندے بدو عربوں۔ افریقہ کے بونوں، جاپان، سوئٹزرلینڈ، اور ان ملکوں کے حالات درج ہیں جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے۔ کتاب میں تقریباً ٥٠ تصویریں ہیں جنمیں سے بعض تو ایسی ہیں کہ انھیں دیکھ کر ہنسی آتی ہے اور اسکا ضبط کرنا محال ہے۔ قیمت ٦ر

ترکوں کی کہانیاں

اس کتاب میں ترک بچوں کی بہادری اور ہمت جرأت کی چند صحیح اور سچی کہانیاں ہیں، جن کے پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے اور ان ترک بچوں کی طرح سے وہ بھی تندرست اور بہادر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ قیمت صرف ٦ر

آسان خوش خطی

بغیر استاد کے خوش خطی سکھانے والی کاپیاں۔ کیسا ہی بدخط کیوں نہ ہو ان کاپیوں پر مشق کرنے سے خط بہت جلد اچھا ہو جاتا ہے۔ یہ کاپیاں ہر جگہ پسند کی گئی ہیں۔ چاروں حصوں کی قیمت صرف ٥ر

انگلش ٹیچر

یہ وہ لاجواب کتاب ہے جس کے مطالعہ سے بغیر استاد کی مدد کے بہت جلد انگریزی آجاتی ہے۔ قیمت عمر

ہونہار بک ڈپو قرولباغ دہلی

باہتمام عیاض حسین نسیم پرنٹر و پبلشر جامعہ ملیہ برقی پریس دہلی میں طبع ہو کر دفتر رسالہ ہونہار سے شائع ہوا

ہندوستان کے محکمہائے تعلیمات میں منظور شدہ

لڑکوں اور لڑکیوں کا باتصویر ماہوار رسالہ

دہلی

ہونہار

ایڈیٹر

فاضل حسین نسیم ہاشمی

پتہ۔ دفتر رسالہ ہونہار قرولباغ دہلی

اغراض و مقاصد

(۱) ہندوستان کے مختلف فرقوں کے بچوں میں اتحاد پیدا کرنا۔

(۲) لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ایسے مضامین شائع کرنا جن کے مطالعہ سے انھیں تعلیم سے دلچسپی ہو، ان کی قابلیت بڑھے، ان کی معلومات میں اضافہ ہو، ان میں ترقی کرنے کا جذبہ پیدا ہو، اور ان کے اخلاق سدھر جائیں۔

قواعد و ضوابط

(۱) رسالہ ہونہار ہر ماہ کے وسط میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) اگر کبھی اتفاقاً رسالہ نہ ملے یا رسالہ پہونچنے میں دیر ہو جائے تو مہینے کے آخر تک رسالہ کے وصول نہ ہونے کی اطلاع دے دینی چاہئے۔ اس کے بعد طلب کرنے والوں کو قیمتاً بھیجا جائے گا۔

(۳) رسالہ ہونہار کا سالانہ چندہ تین روپے، بذریعہ وی پی تین روپے چار آنے، ششماہی [illegible] ہے۔

(۴) خط و کتابت کرتے وقت پتا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیے۔ جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا [illegible] کے ٹکٹ بھیجئے۔ بیرنگ خطوط وصول نہیں کئے جائیں گے۔

(۵) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام مینیجر رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی ہونا چاہئے۔ و دیگر شکایات کے متعلق تمام خطوط اڈیٹر صاحب رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی کے نام آنا چاہئیں۔

(۶) مضامین جو رسالہ ہونہار میں شائع ہونے کے لئے بھیجے جائیں مختصر اور عام فہم ہونا چاہئیں۔ جن کو بچے نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں، اور جو بچوں کے اخلاق سدھارنے اور ان میں ترقی کا جذبہ پیدا کرنے میں معاون ہوں۔

"مینجر"

لڑکوں اور لڑکیوں کا باتصویر ماہوار رسالہ
ہونہار
بابت ماہ مئی ۱۹۳۲
جلد ۳
نمبر ۵
ایڈیٹر
فیاض حسین تسنیم
جامعی
پتہ دفتر رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی

فہرست مضامین رسالہ ہونہار بابت ماہ مئی ۱۹۳۲ء

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک احاطہ میں سات چھوٹے بطخ کے بچے رہا کرتے تھے ان میں سے چار بہت نیک تھے، اور تین بہت شریر، ایک دن صبح کے وقت ان بچوں کی ماں ان کو احاطہ کے تالاب میں تیرانے کے لئے لے گئی، اس نے بچوں سے کہا بچو دیکھو اس میں تیرنے میں کتنا لطف آرہا ہے۔ چار بچوں نے جواب دیا "بہت لطف آرہا ہے"۔ لیکن تین شریر بچوں نے اس سے کوئی دلچسپی نہ لی۔ بلکہ اپنی ماں کی نظر بچتے ہی وہ دوسرے کنارے کی طرف تیر گئے۔

ماں نے جب اِن کو اُدھر دیکھا تو بچوں کی اس بے وقوفی پر اسے رنج ہوا۔ اس نے چلا کر کہا۔ میرے بچو۔ خدا کے لئے فوراً واپس آجاؤ۔ فوراً واپس آجاؤ۔

ان تینوں شریر بچوں نے کہا ہم واپس نہیں آتے، ہم ذرا سبزے کی سیر کرنے جارہے ہیں۔ وہ کنارے پر چڑھ گئے۔ احاطہ سے نکل کر ہرے بھرے میدانوں کی طرف دوڑ گئے

ایک ہری بھری کیاری میں ایک گائے دھوپ میں پڑی ہوئی تھی، جب وہ بچے اس کے قریب پہنچے۔ تو اس نے کہا۔

اے چھوٹے بچو! تم کہاں جارہے ہو۔ انھوں نے جواب دیا ہم کھیت کے احاطہ سے بھاگے

چلے آرہے ہیں۔ اور ذرا سیر کے لئے آگے جا رہے ہیں۔ بڑھی گائے نے کہا یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ فوراً اپنے گھر کی طرف لوٹ جاؤ تینوں شریر بچوں نے جواب دیا۔ نہیں ہم نہیں جائیں گے یہ کہہ کر وہ ہرے بھرے میدان کی طرف دوڑے۔

اس میدان میں مسٹر گدھے خاں گھاس چر رہے تھے جیسے ہی بچے اس کے قریب پہنچے اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا تم کہاں جا رہے ہو؟

بچوں نے جواب دیا ہم اپنے گھر سے بھاگ آئے ہیں اور ذرا سیر کرنے کے لئے آگے جا رہے ہیں۔ گدھے خان نے پھر کہا "یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ فوراً اپنے گھر واپس جاؤ اور آگے جانے کی کوشش مت کرو"۔

لیکن ان بچوں نے مسٹر گدھے خاں کی بات کو بھی نہ مانا اور جنگل کی طرف دوڑ گئے۔ وہاں ان کی ایک نہایت شریف شخص سے ملاقات ہوئی۔ جو لال اور بھورے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور اس کے بہت خوب صورت دُم لگی ہوئی تھی۔ وہ لومڑی تھی۔

لومڑی نے کہا۔ چھوٹے بچو سلام۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ ایسے اچھے وقت میں تم کہاں جا رہے ہو؟

بچوں نے کہا ہم احاطہ سے بھاگ آئے ہیں۔ اور ذرا سیر کرنے جا رہے ہیں۔ لومڑی نے قہقہہ لگایا ہا ہا۔ ہی ہی اور کہا یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اگر تم میری پیٹھ پر چڑھنا پسند کرو، تو میں تمھیں اپنی پیٹھ پر چڑھا کر اپنے گھر لے جاؤں گی۔ میں تو چھوٹے بطخ کے بچوں کو بہت ہی پسند کرتی ہوں۔

تب وہ تینوں بچے اڑکر لومڑی کی پیٹھ پر بیٹھ گئے، اور وہ جنگل کی طرف جانے لگی، لیکن جب یہ ایک بڑے درخت کے قریب پہنچے تو بڑ کی شاخوں کی طرف سے ایک آواز سنائی دی۔ چھوٹے بچو! چھوٹے بچو! کیا تم نہیں جانتے کہ لومڑی تمھیں کھانے کے لئے اپنے گھر لے جا رہی ہے۔

یہ سن کر تینوں بچے لومڑی کی پیٹھ سے اڑ گئے۔ اور جدھر سے آئے تھے اسی طرف دوڑے لومڑی بھی یہ چال دیکھ کر ان کے پیچھے دوڑی۔ لیکن جیسے ہی وہ اس بڑ کے درخت کے پاس سے گذری۔ وہ کانٹوں میں پھنس گئی۔ کانٹے اس کے سر میں۔ کانوں میں۔ ناک میں چبھ گئے اور بیچ سے اس کی بھوری اور سرخ پیٹھ اور خوبصورت دم میں گھس گئے۔ اور وہ بہت پریشان ہو گئی۔ اور چاروں طرف چکر کھانے لگی۔ وہ یہ بھی معلوم نہ کر سکی کہ کس طرف دوڑے بی گلہری جس نے چھوٹے بچوں کو خبردار کیا تھا۔ اور اس کے دوست پیڑ پر بیٹھے ہوئے لومڑی پر ہنس رہے تھے۔

ان تینوں بچوں کو بھاگنے کا خوب موقع مل گیا۔ لیکن لومڑی نے ہوش و حواس درست کر کے ان بچوں کا پیچھا کیا۔ اور جب وہ جنگل کے کنارے پر پہنچے تو انھوں نے لومڑی کو قریب آتے ہوئے دیکھا۔

جب وہ سرسبز گھاس کے میدان میں پہنچے تو انھوں نے چلا کر کہا۔ کوئی ہماری مدد کرو کوئی ہماری مدد کرو۔ اور وہ مسٹر گدھے خاں کے اوپر آ پڑے۔ جو کہ دھوپ میں آرام سے لیٹا ہوا تھا۔

ہیچو! ہیچو! اس نے آواز نکالی۔ اے چھوٹے بچو اب تم کہاں دوڑے جا رہے ہو بچوں نے کہا۔ اب ہم گھر جا رہے ہیں۔ مہربانی فرما کر آپ ہماری مدد کیجئے۔ لومڑی ہمارے بالکل قریب آ گئی ہے۔

مسٹر گدھے خاں نے پوچھا۔ وہ کیوں آ رہی ہے۔ اچھا فوراً اڑ کر میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔ تینوں بچے اڑ کر گدھے خاں کی پیٹھ پر بیٹھ گئے اس نے احاطہ کی طرف رُخ کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں لومڑی بھی آ گئی۔ اس نے کہا ٹھہر جاؤ ٹھہر جاؤ۔ وہ بطخ کے تینوں بچے میرے ہیں۔

مسٹر گدھے خاں نے کہا۔ ہرگز نہیں یہ تمہارے نہیں۔ یہ کہہ کر وہ بہت تیزی کے ساتھ اس ہرے بھرے میدان سے پار نکل گیا۔

لومڑی نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ کمزور ہو گئی تھی، اس لئے پیچھے رہ گئی۔ اور مسٹر گدھے خاں سڑک کو پار کر کے بچوں کے بڑے احاطہ میں پہنچ گئے۔

تالاب میں بچوں کی ماں اور چاروں دوسرے بچے اب تک تیر رہے تھے۔ تینوں شریر بچے مسٹر گدھے خاں کی پیٹھ سے اڑ کر تالاب میں پہنچ گئے۔ اور اپنے بھائیوں کے ساتھ وہ بھی تیرنے لگے۔ ماں اور ان کے بھائیوں نے دریافت کیا۔ کہ تم کہاں گئے تھے۔

ان بچوں نے جواب دیا۔ ہم تو ایک بڑی مصیبت میں پھنس گئے تھے۔ اور پھر انھوں نے اپنی ساری کہانی سنائی

قائیں! قائیں! ماں نے کہا۔ واقعی تم

بڑی مشکل سے بچ سکے ہو۔ اب تم شرارت کبھی نہ کرنا۔ اور ہمارے کہنے پر چلنا۔ اگر ہمارے کہنے پر چلتے تو خطرہ میں کیوں پھنستے۔ بچوں نے کہا۔ اے ماں اب ہم سب وعدہ کرتے ہیں کہ اب شرارت کبھی نہیں کریں گے۔ اور آپ ہی کے کہنے پر چلیں گے "اب وہ تینوں نیک اور اچھے بچے بن گئے"

(اڈیٹر)

محنت
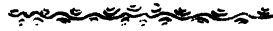
کاہل نہیں دنیا میں ہے
محنت سے بڑھ کر کوئی شے

محنت سے حاصل ہوتی ہیں
دنیا کی ساری نعمتیں

دنیا میں محنت سے گدا
بنتا ہے اک دن پادشہ

ناکام محنت کے سبب
بڑھتے نہیں آگے ہیں کب؟

محنت کے آگے ہیچ ہیں
دنیا کی ساری مشکلیں

پس پیارے بچو لو سنو
محنت کرو، محنت کرو

(محمد کامل جونپوری)

محنت

نواب مجتبیٰ ۔ (نوگانوی)

محنت کرنی سیکھو بھائی — اچھی نہیں ہے بے پروائی
کام کی اس نے منزل پائی — محنت میں جان جس نے اڑائی

محنت کی ہے عادت اچھی

محنت والا بازو اچھا — بوڑھا ہو یا کوئی بچا
محنت کا پھل اچھا پایا — جس نے بھی ہے اس کو کھایا

محنت کی ہے عادت اچھی

سچ پوچھو تو راحت ہے یہ — آنے والی دولت ہے یہ
ایسی اچھی عادت ہے یہ — آخر کو تو محنت ہے یہ

محنت کی ہے عادت اچھی

تم کو گر ہے بہتر بننا — یعنی اعلیٰ افسر بننا
نائٹ بننا یا سر بننا — نظم ہماری پڑھ کر بننا

محنت کی ہے عادت اچھی

"پریم"

شریر لڑکوں کا جلسہ

(کلب گھر۔ لڑکے جمع ہیں جلسہ ہو رہا ہے)

ایک لڑکا ۔ آج کے جلسہ کا پریسیڈنٹ مسٹر صالح کو بنایا جاتا ہے۔

سب لڑکے ۔ ہیر، ہیر، ہیر۔

صالح ۔ میں تو اس لایق نہیں لیکن آپ کی عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، ۔ آپ صاحبان رزولیوشن پیش کریں

گھسیٹا ۔ میری تجویز ہے کہ ہم لوگوں کو آج سے والدین کا کوئی حکم نہیں ماننا چاہیئے۔ بلکہ اپنے والدین کو مجبور کریں کہ وہ ہمارے حکم پر چلیں۔

دوسرا لڑکا ۔ میں اس کی تائید کرتا ہوں۔

سب لڑکے ۔ ہیر، ہیر، ہیر۔

کلن ۔ میری تجویز یہ ہے کہ آج سے ہم لوگوں کو اپنے اُستاد کا کوئی حکم نہیں ماننا چاہیئے۔ بلکہ اُستاد کو اپنا حکم ماننے اور محکوم ہونے پر مجبور کریں۔

ایک لڑکا ۔ میں اس کی تائید کرتا ہوں۔

سب لڑکے ۔ ہیر، ہیر، ہیر۔

صالح ۔ گھسیٹا صاحب۔ کیا آپ اپنی تجویز کے وجوہات پیش کر سکتے ہیں۔

گھسیٹا ۔ جی ہاں۔ اِن والدین نے ہم لوگوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ہر وقت ہماری فرماں برداری کرو، ہمارے حکم پر چلو، ہماری اطاعت تم پر فرض ہے، ہم جو کہتے ہیں اس پر عمل کرو، قرآن پڑھو، نماز پڑھو، غرضیکہ یہ کرو۔ یہ نہ کرو کی رٹ لگائے رہتے ہیں، کسی سے ملنا جلنا مشکل، اگر کہیں گیا تو کیوں گئے، کس لئے گئے، پوچھ کر کیوں نہیں گئے، کیا

ضرورت تھی جانے کی، تم نے بہت سر اٹھایا
ہے۔ خبردار جو آج سے بغیر پوچھے گئے، ٹانگ
توڑ دوں گا، ہوش ٹھنڈا کر دوں گا کی سینکڑوں
صلواتیں سنا دی گئیں۔ جب تک بچہ تھا ان
کی باتیں سنا کیں اب تو میری برداشت
سے باہر ہے۔ اس لئے آج ضرور اس قید
سے آزاد ہو جاؤں گا۔

صالح ۔ مسٹر کلن آپ اپنے وجوہات پیش کیجئے

کلن ۔ یہ استاد تو والدین سے بھی دو نمبر
بڑھ کر ہیں۔ انھوں نے تو ظلم کا پہاڑ توڑ
رکھا ہے۔ ہر وقت نصیحت ہے، ہر گھڑی
وعظ ہے سنتے سنتے کان کے پردے پھٹ
گئے، ایک جرنیل کی طرح حکم ہوتا ہے
کہ حساب کرو، سبق سناؤ، پانچ بجے تک پڑھو
دن کو گیارہ بجے تک پڑھو۔ رات کو اگر
حکم کے خلاف ہوا تو سینکڑوں صلواتیں ہیں
یہی نہیں بلکہ بیت سے بھی خبر لی جاتی ہے
اُف ان کے ظلم کی تو حد ہو گئی۔ مجھ کو میرے
دوستوں سے بھی نہیں ملنے دیتے۔ چُنوا سے
اس لئے نہیں ملنے دیتے کہ آوارہ ہے۔
بُدھوا کوچواں سے اس لئے نہیں ملنے دیتے
کہ وہ رذیل ہے اور شراب پیتا ہے۔ مُنوا
درزی سے اس لئے نہیں ملنے دیتے کہ
وہ سگریٹ، بیڑی پیتا ہے۔ نتھوا سے اس
لئے نہیں ملنے دیتے کہ اس کو گانے بجانے
ہارمونیم اور گراموفون کا بہت شوق ہے
خدا کی پناہ کسی سے ملنا مشکل ہو گیا۔ ان
کے پنجہ سے ہم لوگوں کو جلد چھوٹنا چاہئے۔

صالح دوستو یہ تو بتاؤ کہ کیا مریض کا طبیب
کی باتیں نہ سنا، ڈاکٹروں کی رائے سے۔
پرہیز کرنا، وید کے مشورہ سے جی چرانا۔
مریض کے حق میں بہتر ہے؟

سب لڑکے ۔ ہرگز نہیں۔

صالح ۔ کسی زخمی کا جراح سے بھاگنا عقلمندی ہے

سب لڑکے ۔ ہرگز نہیں۔

صالح ۔ سیاح کو اپنے رہنما کی باتیں
نہیں سننی چاہئیں۔

سب لڑکے ۔ ضرور سننی چاہئیں۔

صالح ۔ اگر کوئی باؤلا تمھاری راہ میں کانٹے دیکھ کر تمھیں آگاہ کرے تو کیا اس کی بات کو نہ سننا، اس کی نصیحت کو نہ ماننا دانائی ہے؟

سب لڑکے ۔ نہیں سراسر نادانی ہے ۔

صالح ۔ کوئی تمھیں خندق میں گرنے سے بچالے گرتے سے تھام لے ، ڈوبتے سے بچالے ، اور مرتے سے بچالے تو تمھیں اس کا احسان مند نہیں ہونا چاہیئے ؟

سب لڑکے ۔ ضرور ضرور ہونا چاہیئے ۔

صالح ۔ اگر کوئی تمھاری پیاس بجھائے بھوک میں کھانا کھلائے ، کپڑے سے تمھارا جسم ڈھانکے تو اس کی مہربانیوں کو فراموش کر دینا چاہیئے ؟

سب لڑکے ۔ نہیں، نہیں کبھی نہیں سخت ہٹ دھرمی ہے ۔

صالح ۔ اگر کسی دوست کو تم سے بے حد محبت ہو ، اور محبت کے باعث وہ تمھیں بری باتوں سے روکے تو اس کو دشمن سمجھنا چاہیئے ؟

سب لڑکے ۔ کبھی نہیں ، ہرگز نہیں ۔

صالح ۔ ایک اس شخص سے جو ہر وقت تمھاری بھلائی کا خواہاں ہو، تمھارے آرام کا طالب ہو، تمھارے سکھ چین کا جویا ہو ۔ تمھاری تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہو۔ تمھارا صرف ست رہنا اس کو ناگوار گذرتا ہو، تمھیں دشمنی کرنی چاہیئے ، بے مروتی برتنی چاہیئے اسے ستانے کی کوشش کرنا چاہیئے ۔

سب لڑکے ۔ ہرگز نہیں کبھی نہیں ۔

صالح ۔ دوستو! تو پھر کیا تمھاری عقل پھر گئی ہے جو اپنے مہربان والدین اور وہ والدین جن سے تمھاری صورتیں نظر آرہی ہیں بے زار ہو ، افسوس تمھیں وہ دن یاد نہیں جب کہ تم ایک بے بس گوشت کے حرکت کرتے ہوئے لوتھڑے تھے ، اور تمھارے آسائش و آرام کے لئے تمھارے ابا۔ اماں اپنے آرام کو بھول گئے تھے ، تمھاری خوشی سے ان کی خوشی تھی ، تمھاری تکلیف سے اُن کی تکلیف تھی ۔ اگر تم ذرا ہمک کر مسکراتے

تو وہ خوش ہو کر ہنس دیتے، اور اگر تم ذرا
بے چین ہو کر روتے تو ماں سارے کاموں
کو چھوڑ کر تمھیں گود میں اٹھا لیتی، دودھ پلاتی
تھپکیاں دیتی، لوریاں گاتی، تمھیں ٹہلاتی
اور پھر تمھیں ہنسا کر چھوڑتی، باپ الگ گھبرا کر
تمھارا منہ دیکھتا یہ دونوں تمھاری ذرا سی
تکلیف پر ساری رات آنکھوں میں کاٹ دیتے
آج بھی وہ اسی محبت میں بے چین ہو کر تمھیں
بھلا بنانا چاہتے ہیں، تمھیں معزز دیکھنا چاہتے
ہیں۔ تمھارے نام و نمود کے خواہاں ہیں۔
تم کو نیکیوں کا نمونہ بنانا چاہتے ہیں۔ تم کو
سچائی، ہمدردی، وفاداری، فرماں برداری
کی تصویر بنانا چاہتے ہیں، اس لئے تم کو
ہر برے راستے، ہر بری سنگت سے روکتے
ہیں۔

اب تم اپنے اُستاد کو دیکھو جس کی تم
لوگ قدر نہیں کرتے، جس کے بارے میں حدیث
ہے کہ وہ تمھارا بہتر باپ ہے یعنی اس کا درجہ
باپ کے برابر ہے اور والدین کے حقوق کے بعد
اگر کوئی حق ہے تو استاد کا۔ یہ تم پر کتنے مہربان
ہوتے ہیں۔ والدین صرف تمھیں چلنا پھرنا۔ بولنا
چالنا، کھانا پینا سکھاتے ہیں جو جانور بھی جانتا ہے
لیکن تم کو انسان بنانے کی ابتدا استاد کرتا ہے
وہ تمھیں جاہل سے عالم، اکھڑ سے ذی شعور،
حیوان سے انسان بنانے کی کوشش کرتا ہے
اسے تم سے سچی الفت و محبت ہوتی ہے، وہ تمھاری
بھلائی کی ہر بہترین صورت اختیار کرتا ہے
وہ تمھاری بہبودی کے لیے اپنا سر کھپاتا ہے
وہ سچائی، انصاف، محبت، ہمدردی، تہذیب
اخلاق، نیکی کی خوبی کو تمھارے دماغ میں،
تمھارے دل میں جما کر تم کو سچا، انصاف کرنے والا
ہمدرد، تہذیب دار، بااخلاق اور نیک بنانے
کی پوری کوشش کرتا ہے، وہ جھوٹ، چوری
دغا، فریب، بدتہذیبی، جوا۔ شراب کی برائی
کوٹ کوٹ کر تمھارے دماغ میں بھر دیتا ہے۔

والدین کی طرح اس کی بھی تمنا ہوتی ہے کہ تم
بڑے لڑکوں سے نہ ملو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بری
سنگت کا برا زہر جو جلد پھیلتا ہے تم میں اثر کر جائے

اور میرے پیدا کئے ہوئے اثر کو دبا دے ۔ اور
میرا پیارا شاگرد غلیظ نالے میں گر پڑے اور حیوان
سے بھی بدتر ہو جائے ۔ جتنا تجربہ ان کو ہے جتنی
عقل ان کو ہے ۔ جتنا نیک و بد ، جائز و ناجائز
وہ سمجھتے ہیں تم نہیں سمجھ سکتے ، وہ تمہارا سچا بہی
خواہ ، سچا دوست ، جاں نثار دوست ہے ۔
لیکن تم اپنی ناتجربہ کاری ۔ اپنی کم عقلی سے ، اپنی
گندی طبیعت کے باعث اس کو نہیں سمجھتے ۔ نہیں سمجھتے
مت سمجھو ۔ اس سے تمہارے استاد والدین کو اپنی
اپنی محنت کی کامیابی پر اور تمہارے مٹی میں ملنے پر
سخت صدمہ ہوتا ہے لیکن تم کو کہیں زیادہ صدمہ
بھگتنا ہوگا اس وقت ان کی قدر جانو گے ۔ ان کی
کل باتیں سمجھ میں آجائیں گی لیکن اس وقت سوائے
پچھتانے اور رونے کے کچھ نہ ہوگا ۔

دوستو ! اگر مریض کو حکیم و ڈاکٹر کا ، سیاح کو رہنما
کا ، زخمی کو جرّاح کا ، پیاسے کو ساقی کا ۔ دشمنی کرنا عقل
مندی ہی ، تو تم بھی اپنے والدین واستاد کی دشمنی کرو
ورنہ بے وقوفو تم اپنی عقل کا ناخن لو ۔ میں ایسی
پریسیڈنٹی سے باز آیا ۔

محمد عبد القدیر اعظم نگروی ۔ از کلکتہ

جواب

اپریل ۱۹۳۲ء کے رسالے میں صفحہ ۱۹ پر جو سوال شائع ہوا تھا اس کا جواب مندرجہ ذیل
ہے ۔ پانچوں راتوں کو سپاہیوں نے بالترتیب اس طرح پہرہ دیا ۔

۵	۲	۵
۲	X	۲
۵	۲	۵

۳	۶	۳
۶	X	۶
۳	۶	۳

۲	۸	۲
۸	X	۸
۲	۸	۲

۱	۱۰	۱
۱۰	X	۱۰
۱	۱۰	۱

X	۱۲	X
۱۲		۱۲
X	۱۲	X

(عبد الستار انصاری سورونی علیگ)

ایک ہونہار لڑکی کی کہانی

کسی زمانے میں ایک بڈھا آدمی رہتا تھا ۔ جس کی تین خوبصورت لڑکیاں تھیں ۔ سب میں چھوٹی لڑکی جو بہت ہی خوبصورت تھی، اس کو لوگ روزی کہہ کر پکارا کرتے تھے ۔

یہ لڑکی بہت نیک، سعادت مند، اور ہر ایک سے نہایت اخلاق سے پیش آتی تھی اور گھر میں جب کبھی کام کی زیادتی ہوئی ۔ تو وہ مشکل سے مشکل کام کو بھی بے حد شوق سے کرتی اس لئے وہ اپنے اور بے گانوں میں یکساں عزیز اور محبوب تھی ۔ لیکن اس کی دونوں بہنیں ۔ فیضی اور ایزی مشکل کاموں سے جی چراتی تھیں

اس زمانہ میں ان لڑکیوں کا باپ ایک دولت مند آدمی تھا، جس کے بہت سے جہاز سمندر میں چلا کرتے تھے ، جو کپڑے کے علاوہ دوسری عمدہ اور خوبصورت چیزیں دوسرے ملکوں میں لے جاتے ۔ اور وہاں بیچ کر اس کے معاوضہ میں بہت سی دولت لایا کرتے تھے لیکن ایک مرتبہ یہ تمام جہاز سمندر میں طوفان کی نذر ہوگئے ، اور لڑکیوں کا باپ جہازوں کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا ۔ پھر بھی جہاز نہ آئے تو اس نے کہا کہ اب میں سمجھتا ہوں کہ میرے تمام جہاز ضائع ہوگئے ۔ اور اب میں اس سے زیادہ ۔ دولت مند نہیں ہوسکتا ۔ بلکہ ان جہازوں کی طرح میری تمام دولت کے چلے جانے کا اندیشہ ہے

اس کے بعد اس امیر آدمی نے اپنی تینوں لڑکیوں کو پکارا ۔ اور کہا کہ میرے جہاز معہ قیمتی چیزوں کے ضائع ہوگئے ۔ لہٰذا اب ہم اس ۔ عالی شان مکان میں نہیں رہ سکتے ، ہم کو کسی گاؤں یا قصبہ میں جا کر چھوٹے سے جھونپڑے میں رہ کر نوکروں کے بجائے تمام کام خود کرنا چاہئے اس پر ایزی اور فیضی نے کہا کہ یہ ہم لوگوں کے لئے بہت دشوار ہے کہ ہم اپنا اتنا اچھا مکان

چھوڑ کر ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں رہیں
اتنے میں روزی بولی کہ ابا جان یہی بہتر ہوگا
کہ ہم قصبہ میں رہیں، اور گھر کے تمام کام نہایت
محنت اور شوق سے کریں۔ اس طرح ہم لوگ
نہایت خوشی کی زندگی بسر کر سکیں گے، باپ کو
اپنی چھوٹی لڑکی کی رائے بہت پسند آئی، چنانچہ
یہ سب لوگ مکان چھوڑ کر قصبہ میں چلے گئے۔
اور وہاں جھونپڑے میں رہنے لگے، روزی۔
حسب عادت محنت و شوق سے کام کرنے لگی۔ کیوں
کہ اس کو اپنے ضعیف باپ سے بے حد محبّت تھی۔
اور وہ اس کو خوش رکھنا چاہتی تھی، برخلاف
اس کے دوسری بہنیں کچھ کام نہ کرتیں، اور سست
پڑی رہتیں، نہ ان کو باپ سے محبت تھی اور نہ
کسی دوسرے سے، بلکہ ان دونوں کو اس پر
غصہ تھا کہ وہ نہ اپنے اچھے اور عالی شان مکان
میں رہ سکیں اور نہ ان کے ملازم رہے، تقریباً
اس کے ایک سال بعد ایک آدمی آیا اور اس نے
روزی کے باپ سے کہا کہ تمہارے کل جہازوں
میں سے ایک جہاز بچ کر واپس آگیا ہے، روزی
کے باپ نے کہا کہ میں خود شہر جا کر اس کے متعلق
دریافت کروں گا۔ اس کے بعد اس نے اپنی
تینوں لڑکیوں کو آواز دی، اور ہر ایک سے کہا
کہ جب میں شہر سے واپس آؤں تو تم لوگوں کے
لئے کیا کیا لاؤں؟

فیضی بولی۔ "اچھے ابا میرے لئے جواہرات
لانا"، ایزی نے کہا "میرے لئے نہایت خوبصورت
کپڑے لانا، جب دونوں اپنی اپنی چیزوں کے متعلق
کہہ چکیں تو باپ روزی سے مخاطب ہوا کہ بیٹی روزی
تمہارے لئے کیا لاؤں؟

اس نے جواب دیا کہ "میرے پیارے ابا
اگر ممکن ہو تو میرے لئے ایک گلاب کا پھول لیتے آئیے
گا"، باپ نے کہا "یہ تو بہت معمولی چیز ہے"
روزی بولی کہ "نہیں ابا گلاب کے پھول مجھے بہت
پسند ہیں، اسی سے مجھے زیادہ خوشی حاصل ہوگی
چنانچہ باپ شہر کو روانہ ہو گیا۔ لڑکیوں کے باپ
نے شہر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ صرف سب سے
چھوٹا جہاز بچا ہے اور سب غرق ہو گئے۔
اس لحاظ سے جہاز کے مالک کو سرمایہ بھی کم

ملا، چنانچہ اس نے کچھ رقم اس نے اپنی چھوٹی
بچیوں کی چیزیں خریدنے کے لیے رکھ لی، اور رکھا
کہ مجھے وہ چیزیں ضرور خریدنا چاہئیں۔ جن کے
لئے لڑکیاں کہہ چکی ہیں، لہٰذا باپ نے فیضی کے
لئے جواہرات اور ایتڑی کے لئے خوبصورت
کپڑے خرید لئے۔ اور پھر آگے بڑھا۔ راستہ میں
ایک آدمی ملا جس کا ایک باغ تھا۔ روزی کے
باپ نے اس سے کہا کہ "میں کچھ گلاب کے پھول
خریدنا چاہتا ہوں"۔ باغبان نے کہا کہ تم اس
ماہ میں پھول نہیں خرید سکتے۔ کیوں کہ آج کل ہمارے
باغ میں پھول نہیں ہیں۔ تقریباً تین ماہ ٹھہرو اس
وقت باغ تمام پھولوں سے لد جائے گا۔ امیر
آدمی نے جواب دیا کہ میں اس وقت صرف ایک
پھول چاہتا ہوں لیکن پھر بھی باغبان نے مجبوری ظاہر کی
یہ سن کر لڑکیوں کا باپ گھر کی طرف چل
کھڑا ہوا۔ راستہ ایک بڑے جنگل سے ہو کر جاتا تھا
دو گھنٹے کے بعد بارش شروع ہو گئی، اور ر
وزی کے باپ کے لئے راستہ تلاش کرنا دشوار
ہو گیا۔ یہاں تک کہ رات زیادہ ہو گئی اور جنگل میں
راستہ بھول گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں
جا رہا ہے۔ کچھ دیر کے بعد کچھ فاصلہ پر روشنی دکھائی
دی، اس نے خیال کیا کہ اگر میں روشنی تک چلا
جاؤں تو ممکن ہے کہ آبادی تک پہونچ جاؤں۔
جہاں پر ممکن ہے کہ مجھ کو کھانا اور سونے کے
لئے بستر مل جائے۔ چنانچہ اس نے کچھ دور جاکر
آواز دی۔ لیکن کئی آواز دینے پر بھی کوئی جواب
نہ ملا۔ تو مجبوراً اس نے دروازہ کھولا۔ اور اس
کے اندر داخل ہو گیا۔ مکان میں اس نے ایک
بہت بڑا کمرہ دیکھا۔ جس میں کہ ایک بڑی میز تھی
اور جس پر ایک آدمی کا کھانا تیار رکھا تھا۔ اور
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ مکان کسی بڑے آدمی
کا ہے۔ اور وہ عنقریب آنے والا ہے۔ اس
لئے روزی کے باپ نے انتظار کیا۔ مگر کوئی
نہ آیا تو وہ کمروں میں ٹہلنے لگا۔

(باقی آئندہ)

(اختر جمال بیگم)
(خاکسار منزل۔ جامعہ ملیہ دہلی)

"اعلےٰ نسل کے کتوں میں ایک چمپئن"

تعلیم کا کرشمہ

بچو تم نے بہت سے قصّے سُنے، اور بیسیوں کہانیاں پڑھیں، لیکن سچی کہانیاں بہت کم تمہاری آنکھوں نے پڑھیں، اور تمہارے کانوں نے سنیں، آج میں تمہیں ایک قصّہ سناتا ہوں، نام فرضی ہے، مگر قصّہ بالکل سچا ہے۔

گوجرانوالہ پنجاب میں ایک شخص عبدالمجید نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، اگرچہ باپ دادا کھاتے پیتے امیر آدمی تھے، لیکن گردشِ فلک کہیئے یا قسمت کی بدنصیبی، عبدالمجید صاحب نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے پاس ایک چھوٹا سا مکان اور معمولی سے سامان کے سوا کچھ نہ تھا، ان کی بیوی نہایت نیک اور عبادت گذار تھیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک فرزند اور دو لڑکیاں عطا فرمائی تھیں۔ ابھی بچے پروان بھی نہ چڑھے تھے کہ عبدالمجید صاحب کا انتقال ہو گیا تھوڑا بہت جو سہارا تھا وہ بھی جاتا رہا، نہایت محنت اور ذلت سے گذارہ ہونے لگا۔ بچہ جس کا نام احمد سعید تھا۔

اسکول میں چوتھی جماعت میں تعلیم پاتا تھا، باپ کا سایہ اُٹھ جانے کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ماں میں اتنی وسعت نہ تھی، کہ زیادہ محنت کر کے بچے کی تعلیم کو بھی جاری رکھ سکتی، احمد سعید کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم حاصل کرنے کا شوق بے حد عطا فرمایا تھا، جب ماں نے آگے پڑھانے سے انکار کیا تو بچے کو بہت رنج ہوا۔ تاہم اس نے والدہ کے اصرار کے باوجود تعلیم چھوڑنا پسند نہیں کی، اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو خبر ہوئی تو اس نے فیس معاف کر دی۔ اور لکھنے پڑھنے کا سامان بھی دلوا دیا۔ احمد سعید تعلیم پاتا رہا اور وظیفہ کے امتحان میں اول رہا، چار روپے وظیفہ نہ صرف اس کے خرچ کے لئے کافی تھے بلکہ وہ کچھ نہ کچھ بچا کر اپنی والدہ کو بھی دیتا۔ لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ اس کی ضروریات بھی زیادہ ہوتی گئیں، والدہ نے پھر اصرار کیا کہ تعلیم کو چھوڑ کر کہیں کاروبار کرے۔ لیکن احمد سعید کو پڑھنے لکھنے کا ایسا شوق پیدا ہوا کہ گھر پر

اگر پڑھنے کا موقع نہ ملتا تو ریلوے کی چھوٹی چھوٹی
بتیوں کے قریب ہی جا بیٹھتا، اور رات کے وقت
بہت دیر تک مطالعہ جاری رکھتا، رفتہ رفتہ آٹھ جماعتیں
پاس کرلیں، ریلوے کے ایک افسر اس ہونہار طالب
علم کو ہمیشہ اس طرح مطالعہ میں منہمک دیکھا کرتے اور
بہت خوش ہوتے، آخر ایک روز احمد سعید سے دریافت
کیا کہ کیا تم ملازمت کرنا چاہتے ہو؟ احمد سعید کا جواب
"ہاں" میں پاکر ریلوے کے ایک دفتر میں اپنے ماتحت
پچیس روپے کی ایک جگہ دلوادی۔ لیکن کچھ عرصے
کے بعد وہ انگریز مہربان افسر ریلوے کی ملازمت چھوڑ
کر ہائیکورٹ لاہور میں جج ہوگیا۔ اور دیگر ملازمین
دفتر نے احمد سعید کو ناتجربہ کار سمجھ کر اس پر بہتان لگایا
اور ملازمت سے نکلوادیا، اس وقت احمد سعید کی
والدہ اس قابل نہ تھیں کہ محنت کرسکتیں۔ احمد سعید ہی
اپنا، والدہ اور دو جوان بہنوں کا کفیل تھا، ملازمت
سے علیحدہ ہوجانے پر ان پر سخت مصائب نازل ہوئیں
بعض اوقات دو دو وقت فاقہ سے گذر جاتے
احمد سعید والدہ کا بہت ہی فرماں بردار تھا۔ اس
کی والدہ ہر وقت اپنے بیٹے کے لئے نہایت عاجزی
سے خداوند کریم کے سامنے دعا مانگا کرتیں۔ احمد سعید
نے پھر سلسلہ تعلیم شروع کردیا اور پرائیوٹ طور پر
محنت کرکے دسویں جماعت کا امتحان پاس کر لیا۔

ایک روز اتفاق سے اسی مہربان ریلوے افسر کی
جو اب جج تھا، احمد سعید سے ملاقات ہوگئی، احمد سعید
کو بیکار دیکھ کر اسے بہت افسوس ہوا، اور چند ہی
دنوں میں کوشش کرکے ہائی کورٹ میں بطور کلرک
کے ملازم رکھ لیا، اب پھر احمد سعید کے کنبہ کا گذارہ
بخوبی ہونے لگا، ان دنوں ٹائپ کا کام نیا نیا ہی جاری
ہوا تھا، احمد سعید نے کفایت شعاری سے روپیہ جمع
کرکے کچھ عرصے کے بعد ایک ٹائپ کی مشین خرید لی اور
ٹائپ سیکھ کر گھر پر ٹائپ کرنے لگا، اور ٹائپ کی بدولت
بہت سارو پیہ کما لیا، اس کی شادی بھی ہوگئی
اب وہ اپنے تمام کنبہ کو لاہور ہی لے آیا، جج صاحب
اس کے کام سے اتنے خوش تھے کہ ولایت جاتے
ہوئے احمد سعید کو بھی اپنے خرچ پر ہی ساتھ لیتے
گئے، اگرچہ اس کی والدہ رضامند نہیں ہوئی تھیں
تاہم بیٹے کی منت خوشامد سے چار و ناچار اجازت
دے دی۔ ولایت جاکر احمد سعید بے کار نہیں رہا

بلکہ صاحب بہادر سے اجازت لے کر قانون سیکھنا شروع کیا، اور ایک ہی سال میں قانون کا امتحان پاس کرلیا، اور جب ہندوستان آئے تو آتے ہی اکسٹرا اسسٹینٹ کمشنر مقرر ہوئے، اب ان کی قسمت کھلی۔ اپنے جو غیروں سے بدتر تھے اور غیر جو احمد سعید کے قریب بھی نہ آتے تھے، اب احمد سعید کی تعریف کرتے تھے اور اپنا بنائے ہوئے تھکتے نہ تھے، احمد سعید شریف، ملنسار، خلیق اور محنتی تھا دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگا، اب نہ دولت کی کمی تھی نہ عزت کی، سب خویش و اقارب خوش تھے، لیکن احمد سعید کی والدہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، اس انتہائی خوشی میں بھی وہ اس بے نیاز ہستی کو نہیں بھولیں جس نے ان کی کایا پلٹ دی، بیشتر سے بیشتر حصہ ان کے وقت کا عبادت میں گذرتا۔ احمد سعید نے بھی والدہ کی فرماں برداری حد کو پہنچا دی، کوئی کام ان کی منشا کے خلاف نہ کرتا، کوئی بات ایسی نہ ہوتی جو اُن کے مشورہ کے بغیر کرتا، ماں جوشِ مسرت سے جھومتی اور اپنے فرماں بردار بیٹے کے لئے رو رو کر دعائیں مانگتی، سچ ہے جو بزرگوں کو خوش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال کردیتا ہے، احمد سعید ترقی کی منزلیں اس تیزی سے طے کر رہا تھا کہ دیکھنے والے حیران اور سننے والے ششدر ہوئے جاتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں فسٹ کلاس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہو گیا، اور پنجاب کے مختلف حصوں میں کام کرتا رہا۔ اس کی محنت اور ایمانداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ انکم ٹیکس افسر پھر ڈپٹی کمشنر ہو گیا، سرکار نے اعلیٰ خدمات کے صلے میں خان بہادر کا خطاب عطا فرمایا۔ مدت ملازمت ختم کرنے کے بعد پنشن پائی لیکن گورنمنٹ ایسے کارگذار شخصوں کو کب چھوڑتی ہے، چنانچہ پنشن پانے کے بعد بھی اسے گورنمنٹ پنجاب نے سپرنٹنڈنٹ جیل کے عہدہ پر فائز کیا، آج کل آپ اسی عہدہ پر معمور ہیں یہ مفلس ماں کا فرماں بردار بیٹا آج خان بہادر ڈپٹی احمد سعید سپرنٹنڈنٹ جیل ہیں۔

ہونہار بچو تم نے دیکھا کہ محنت تحصیل علم اور بزرگوں کی عزت اور فرماں برداری کا کیا نتیجہ ہوتا ہے

(محمد یٰسین۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

ایک دیہاتی کی شاعری

پیارے بچو آج ہم تم کو ایک شاعر کا قصہ سناتے ہیں، تم اس کو پڑھ کر بہت ہنسوگے، اس کا قصہ اس طرح پر ہے۔ کہ ایک دیہاتی بنیا کسی گاؤں میں گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بہت سے سفید پوش جمع ہیں، بیچ محفل میں ایک چوکی بچھی ہے ایک ایک آدمی اس چوکی پر بیٹھتا ہے اور کچھ گاتا ہے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں چوکی والا شخص تعریف کا جواب سلام سے دیتا ہے، اس عجیب و غریب مجمع کو دیکھ کر اس کو خیال آیا کہ مجھے بھی ایسا ہنر سیکھنا چاہیئے جس سے لوگ میری تعریف کریں، اور میری بھی ایسی ہی عزت ہو کہ شریفوں کے مجمع میں چوکی پر بیٹھوں۔

بنیا دن رات اسی خیال میں رہنے لگا۔ مگر وہ بہتیرا چاہتا تھا کہ میں کچھ تکیں بنا سکوں۔ لیکن کچھ بس کی بات نہ تھی، بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کے پاس گیا، مگر کسی نے اس کی بات پر کان نہ دھرا۔ اور سب نے اسے جاہل سمجھ کر ٹال دیا۔

لالہ جی بڑے فکرمند تھے، ایک دن گھرپا جالی لے گھوڑے پر سوار ہو اپنے گھوڑے کے واسطے گھاس کھودنے جنگل کو گئے، گھوڑے کو ایک طرف گھاس چرنے چھوڑ دیا اور خود ایک جگہ گھاس کھودنے بیٹھے جیسے ہی بیٹھے تھے کہ پاس کے گونہ رسرتوں کا جھنڈ سے گھر گھر کی آواز کان میں آئی سنتے ہی فوراً ایک مصرعہ موزوں ہوگیا۔

"گھر، گھر، گھر، گھر گھدے زمین"

لگے بار بار پڑھنے، لالہ جی آواز سن کر گیدڑ جو زمین کھود رہا تھا خاموش ہوگیا، لالہ صاحب دوسرے مصرعہ کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا ہی رہے تھے، گیدڑ کے خاموش ہونے پر دوسرا مصرعہ گڑھ بیٹھے۔

"ڈبک، ڈبک رہ ڈبک کہیں"

اب ایک اچھا خاصہ لالہ جی کے لائق شعر بن گیا شعر

کھُر، کھُر، کھُر کھدے زمیں۔
ڈبک، ڈبک رہ ڈبک کہیں۔

خوشی کے مارے لالہ جی پھولے نہ سماتے تھے اور اپنی طبیعت کی موزونیت پر فخر کر رہے تھے اور بار بار شعر پڑھتے تھے۔

کھُر، کھُر، کھُر کھدے زمیں
دبک، دبک رہ دبک کہیں۔

اور دل ہی دل میں ناز کرتے تھے، کہ لوگ برسوں محنت کرتے ہیں تب کہیں شاعری آتی ہے۔ میں نے سینکڑوں کی خوشامد کی مگر کسی نے امداد نہ کی واہ ری میری لیاقت کہ بغیر منّت و خوشامد ہی کے شاعری آگئی، اور پھر شعر کو آواز کے ساتھ پڑھا۔

کھُر، کھُر، کھُر کھدے زمیں
ڈبک، ڈبک رہ ڈبک کہیں

جیسے ہی گیدڑ نے اس چپقلش کو سنا۔ وہ ڈر کر بھاگا۔ لالہ جی کی نگاہ اس بھاگتے ہوئے گیدڑ پر پڑی فوراً تیسرا مصرعہ جوڑ لیا:۔

"گیدڑ ڈر کے بھاگا کیسا"

اور لگے اس کے پیچھے بھاگنے۔ گرو جی! گرو جی!! ٹھہرو اپنا حق لیتے جاؤ، میں ایسا نالائق نہیں ہوں، کہ تمھارا حق دبا بیٹھوں، جو کام سینکڑوں روپے خرچ کرنے اور برسوں محنت کرنے پر بھی نہ آتا وہ تم نے ذراسی دیر میں سکھا دیا۔ لو کھڑے ہو جاؤ، اپنا حق لیتے جاؤ۔

گیدڑ برابر بھاگتا رہا لالہ جی اس کے پیچھے گرو جی گرو جی کرتے دوڑ لگا رہے تھے، مگر گیدڑ اپنی جان کے خوف سے ایک نہ سنتا تھا، آخرکار لالہ جی نے دیکھا کہ گرو جی رکتے ہی نہیں تو مجبوراً ایک روپیہ انٹی میں سے نکال گرو جی کو پکار کر ان کی طرف پھینک دیا، اور کہا لو گرو جی اپنے حق کا روپیہ لیتے جاؤ۔ میں جاتا ہوں۔

پاس ہی کھیت میں گاؤں کا ایک مکھیا جو بدن کا موٹا تازہ تھا، اپنے کھیت میں بھینسوں کا ہل چلا رہا تھا۔ لالہ جی نے اپنے تینوں مصرعوں کو دہرایا

کھُر، کھُر، کھُر، کھُر کھدے زمیں۔
ڈبک، ڈبک رہ ڈبک کہیں
گیدڑ ڈر کر بھاگا کیسا؟

جیسے ہی مکھیا پر نظر پڑی تو چوتھا مصرعہ بھی ہوزوں کر لیا۔

گاؤں کا مکھیا۔ بھینسا جیسا

اب لالہ جی کے پورے دو شعر بن گئے۔

کھُر، کھُر، کھُر کھدے زمیں
ڈُبک ڈُبک رہ دبک کہیں
گیڈر ڈر کر بھاگا کیسا۔
گاؤں کا مکھیا بھینسا جیسا

اِدھر جب مکھیا نے دیکھا کہ لالہ کے پاس بہت مال معلوم ہوتا ہے، کہ اس طرح جنگل میں روپیہ پھینکتا پھرتا ہے تو دل میں ٹھان لیا کہ ہم محنت کرتے کرتے مرے جاتے ہیں مگر یہ سود خورے ہماری گاڑھے پسینے کی کمائی اس طرح پھینکتے پھرتے ہیں، اچھا دیکھا جائے گا،

اب رات کا وقت ہے لالہ جی کی آنکھ اپنے شعر پڑھتے پڑھتے نہ معلوم کس وقت جھپک گئی کہ یکایک چونک پڑے اور لگے اپنے شعر دہرانے

کھُر، کھُر، کھر کھدے زمیں
دبک دُبک رہ دبک کہیں
گیڈر ڈر کر بھاگا کیسا۔
گاؤں کا مکھیا بھینسا جیسا۔

اُدھر مکھیا لالہ جی کی دیوار میں نقب لگا رہا تھا کہ جو کچھ مال و متاع ملے لے کر چنپت ہو جیسے ہی لالہ جی نے پہلا مصرعہ پڑھا۔

کھُر، کھُر، کھُر، کھُر کھدے زمیں

مکھیا سن کر چُپ ہو گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ لالہ جاگ گیا اور میرے دیوار کھودنے کو سمجھ گیا تب تک لالہ جی نے دوسرا مصرعہ بھی پڑھ دیا۔

دُبک، دُبک رہ دبک کہیں۔

یہ سنتے ہی مکھیا کو جو دیوار کھودنے سے چپ ہو بیٹھا تھا، پورا یقین ہو گیا کہ واقعی لالہ جاگ گیا، اور وہ سمجھ بھی گیا کہ کوئی دیوار کھود رہا ہے ایسا خیال کرتے ہی مکھیا اپنے گھر کو چل دیا کہ آج نہ سہی کل دیکھا جائے گا۔ اب لالہ جی نے تیسرا مصرعہ پڑھا۔

گیدڑ ڈر کر بھاگا کیسا

اب تو مکھیا کو بالکل یقین ہو گیا تب تک لالہ جی نے چوتھا مصرعہ پڑھ دیا۔

گاؤں کا مکھیا بھینسا جیسا

یہ سنتے ہی مکھیا کے ہوش اڑ گئے اور پاؤں تلے کی زمین نکل گئی سمجھ گیا کہ لالہ نے پہچان لیا۔ یہ صبح کو لوگوں میں میری بدنامی کرے گا۔ اور میرے لئے گاؤں میں منہ دکھانے کے لئے بھی جگہ نہ رہے گی۔ کھڑا ہو کر سوچنے لگا۔ لالہ جی برابر اپنے دونوں شعر پڑھ رہے تھے،

کھُر، کھُر، کھُر، کھُر کھدے زمیں
ڈبک، ڈبک رہ ڈبک کہیں
گیدڑ ڈر کر بھاگا کیسا
گاؤں کا مکھیا بھینسا جیسا

جیوں جیوں لالہ کے شعر مکھیا سنتا تھا سوکھا جاتا تھا، آخرکار اس کے دل نے یہی گواہی دی کہ ابھی رات کا وقت ہے، سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں سو رہے ہیں چلو اسی وقت لالہ کی خوشامد کرلو ممکن ہے کہنے سننے اور خاطر خوشامد سے لالہ جی مان جائیں، اور دن میں لوگوں کے سامنے میری بدنامی نہ کریں، آکر دروازہ پر آواز دی۔ لالہ جی اول تو ڈرے مگر بار بار کے کہنے اور مکھیا کے نام بتانے سے دروازہ کھولا جیسے مکھیا نے لالہ کو دیکھا پاؤں پر گر پڑا۔ اب تو لالہ کو بڑا تعجب تھا، کہ کیا معاملہ ہے۔ بہت کہنے سننے کے بعد مکھیا کھڑا ہوا تو لالہ جی نے کہا مکھیا جی کیا بات ہے، مکھیا نے گڑگڑا کر اپنا سارا قصہ کہہ سنایا، لالہ جی اب سمجھے کہ میری شاعری بڑے غضب کی چیز ہے۔ یہ تو گھر کا مال رکھاتی ہے۔ چونکہ لالہ جی پیسے کے کیڑے تھے دل کڑا کرکے بولے تو تم میرے مکان پر کیوں آئے تھے جب تک جرمانہ نہ دوگے میں ہرگز نہ مانوں گا،

آخرکار بیس روپے پر معاملہ طے ہوا اور اسی وقت مکھیا سے بیس روپے کا ٹکٹ چسپاں رقعہ لکھا لیا جو بعد میں بڑے بڑے رنگ لایا اور تمام عمر مکھیا کا اس رقعہ سے پیچھا نہ چھوٹا یہاں تک کہ ایک سو بچانوے روپے دینے کے بعد بھی اس کے مرتے وقت پانچ روپے سات آنے بقایا تھے جس کا حساب اس کے بیٹے ادا کرتے رہے۔

۔ الہ بخش انصاری جلیسری ۔

مسمریزم

آپ نے مسمریزم کے تماشے اکثر دیکھے ہوں گے مگر آیئے ہم بتائیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے؟

چند لڑکوں کو کاغذ کا ایک ایک ٹکڑا دے دیجئے۔ مگر یہ ٹکڑے باہم ہم شکل ہوں۔ سب سے کہیے کہ "اپنے اپنے کاغذ پر کوئی چھوٹا سا جملہ خوش خط حروف میں لکھ دو۔ اور کاغذ کو چار مرتبہ تہ کرکے میرے پاس لاؤ"۔ سب کاغذ جمع کرکے لڑکوں سے کہیے کہ "میں بغیر کاغذوں کے کھولے ہوئے بتا سکتا ہوں کہ ان میں کیا لکھا ہے"۔

اس کھیل میں ایک لڑکا آپ کا ہم راز ہوگا۔ وہ آپ کو کوئی کاغذ لکھ کر نہیں دے گا۔ مگر ظاہر یہی کرے گا کہ میں نے بھی اپنا کاغذ دے دیا ہے۔ اب آپ ایک تہ کیا ہوا کاغذ اٹھائیں۔ آنکھیں بند کرکے اسے اپنی پیشانی سے رگڑیں۔ اور بلا تامل کوئی سا ایک فقرہ پڑھ کر سنا دیں۔ آپ کے ہم راز کو چاہیے کہ فوراً خوشی سے پکار اٹھے کہ یہ فقرہ میں نے لکھا تھا آپ یہ کہہ کر کہ "میں بھی تو دیکھوں" کاغذ کو کھول کر پڑھ لیجئے۔ اس طرح آپ کو ایک لکھا ہوا جملہ معلوم ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر کہ "ٹھیک ہے یہی لکھا ہے"۔ آپ پڑھا ہوا کاغذ علیحدہ رکھ دیں۔

اور ایک نیا تہ کیا ہوا کاغذ اٹھا کر پیشانی سے رگڑیں۔ اب آپ وہ فقرہ جو آپ نے پچھلے کاغذ پر پڑھا تھا۔ آواز سے سنا دیں۔ یقیناً کوئی لڑکا تعجب سے کہے گا کہ "ہاں میں نے یہی لکھا تھا"۔ اب آپ یہ کاغذ بھی کھول کر پڑھ لیں۔ اور فقرہ کو یاد کرکے تیسرا تہ کیا ہوا کاغذ پیشانی پر رگڑیں۔ اسی طرح آخر تک سب کاغذ پڑھ کر سنا دیں۔

غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ جو کاغذ پیشانی سے رگڑا جاتا ہے۔ اس کا فقرہ اسی وقت نہیں پڑھا جاتا بلکہ اس کے بجائے پچھلے کاغذ کا فقرہ جو آپ کو یاد ہے پڑھ دیا جاتا ہے۔ اور اس کاغذ کا فقرہ (جسے آپ پڑھیں گے) اگلے کاغذ کے کام آتا ہے۔ (عبد الستار علیگ)

پن

گرچہ پن پرانے زمانے سے استعمال کی جاتی ہے، تب بھی پن کے ٹھیک ٹھیک تاریخی حال معلوم نہیں ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو اس چھوٹی سی چیز کے متعلق کچھ بھی لکھ چھوڑنے کا خیال تک نہ ہوا۔ تاہم ہم لوگ جو کچھ بھی اس کے بارے میں جانتے ہیں بہت ہی دلچسپ ہے میں اپنے ہونہار بھائیوں کی دلچسپی کے لئے پن کا تھوڑا سا حال لکھتا ہوں۔

پرانے زمانے میں جب انسان کو سردی سے بچنے کے لئے اپنے جسم کو گرم لباس سے ڈھانکنے کی ضرورت ہوتی تو یہ اپنے چرمی لباس کو کانٹوں کے ذریعے اپنے جسم پر اٹکا لیا کرتے تھے۔ بہت سی خانہ بدوش قومیں ابھی تک کانٹوں کو تیل میں اُبال کر (تاکہ یہ سخت ہو جائیں) پن کا کام لیتی ہیں، مصر کی دہقان عورتیں ابھی تک کانٹوں کی پن استعمال کرتی ہیں۔

انسان کی اس نسل کو جو غاروں میں رہا کرتی تھی کانٹوں کو سخت بنا کر پن کی طرح استعمال کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا مگر انھیں میں سے ایک نے کانٹے کی جگہ ہڈی کے ٹکڑے سے پن کا کام لیا۔ اور ان لوگوں میں اس کا فیشن بہت جلد پھیل گیا۔ اس کام کے لئے عموماً کسی چھوٹے جانور کے پیر کی ہڈی استعمال کی جاتی تھی،

جب کانسا ایجاد ہوا تو اس سے چھوٹی بڑی اور خوبصورت پن بنائی گئی، ایک زمانہ وہ بھی تھا جب کہ گریس (یونان) کی عورتیں ان لمبی پنوں کو اپنے خوبصورت لباس میں استعمال کرتی تھیں، گریس کی ان فیشن پرست عورتوں کے متعلق جو ان لمبی پنوں کو استعمال کرتی تھیں ایک واقعہ مشہور ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے:

ایک اکیلا آدمی جو کسی لڑائی سے بھاگ گیا تھا اس کو ایتھنس کی عورتوں نے اپنی لمبی

ٹلبی پن پھونک پھونک کر جان سے مار ڈالا جب
اس کی خبر حکومت کو ہوئی تو حکومت نے عورتوں
کے لئے یہ سزا تجویز کی کہ وہ اپنے لباس میں کبھی
پن استعمال نہ کریں اور سلے ہوئے کپڑے استعمال
کریں۔

رومن لوگ ہاتھی دانت اور کانسے کی پن
استعمال کرتے تھے، وہ لوگ سونے اور غالباً چاندی
کی پن کے استعمال سے بھی واقف تھے۔

یہ بتلانا ذرا مشکل ہے کہ تار کی پن پہلے
پہل کب بنائی گئی تھی۔ ہم لوگ البتہ اتنا جانتے
ہیں کہ انگلستان میں پندرھویں صدی عیسوی
میں یہ بنائی جاتی تھیں۔ وہاں ۱۴۸۳ء کے ایک
قانون کے رو سے پن کی درآمد جرم قرار دی
گئی تھی، اس قانون کے باوجود زیادہ تر پن
جرمنی اور فرانس سے انگلستان میں آتی تھی
کہا جاتا ہے کہ اس قسم کی پن سب سے پہلے
ہنری ہشتم کی بیوی کیتھرن ہووارڈ کے لئے
انگلستان میں منگائی گئی تھی۔

سترھویں صدی عیسوی میں جان ٹلبی نے
پیتل کی پن بنانے کا ایک کارخانہ سٹراوڈ
(گلوسٹر شائر) میں قائم کیا، اسی کے دیکھا دیکھی
برسٹل اور برمنگھم میں بھی پیتل کی پن بنانے کے
کارکارخانے قائم کئے گئے۔ اور بہت ہی جلد۔
انگریزی پن کی واہ واہ ہونے لگی۔

انگلستان کی بنی ہوئی پن امریکہ بھی بھیجی
جاتی تھی، اور امریکہ میں ۱۸۳۶ء تک پن بنانے
کا کوئی خاص کارخانہ نہ تھا، اسی سن میں
یہاں بھی ایک کارخانہ قائم ہوا۔

انیسویں صدی عیسوی تک پن زیادہ تر
ہاتھوں سے بنائی جاتی تھی، مگر یہ ایک بہت ہی
سست کام ہوا کرتا تھا ۱۸۲۴ء میں ایک
امریکن لیموئل، ڈبلیو، رائٹ نے پن بنانے کی
ایک مشین ایجاد کی۔

آج کل پن فولاد، پیتل اور لوہے کی بنتی
ہیں، سب سے سستی پن ہیں جو لوہے کے تار
کی بنتی ہیں، ان کا رنگ کالا ہوتا ہے پیتل کی
پن زیادہ تر استعمال کی جاتی ہے۔ سب سے اچھی
پن سخت فولاد کی ہوتی ہے۔ وہ پن جو ہم لوگ

عموماً کاغذ نتھی کرنے کے کام میں لاتے ہیں اس
پرٹین کی قلعی رہتی ہے تاکہ پن زنگ آلود نہ ہونے پائے۔
جب پن ہاتھ سے بنائی جاتی تھی تو یہ بہت
ہی گراں ہوا کرتی تھی، اور آج کل جس طرح
روشن خیال والدین اپنے لڑکوں کو جیب خرچ
دیتے ہیں، اسی طرح مغربی ممالک میں عورتوں کو
"پنوں کے لئے خرچ" ملا کرتا تھا۔

پن کے متعلق بہت سی کہاوتیں رائج
تھیں جن میں دو بہت دلچسپ ہیں:-

(۱) "جس نے پن چرائی۔ اس نے ایک عمدہ چیز
چرائی"

(۲) "اگر تم پن پڑی ہوئی دیکھو اور اُسے
اٹھاؤ نہیں تو ضرورت کے وقت تم کو اسی کے
لئے جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا"

مغربی عورتوں کا وہم تھا کہ اگر وہ کسی
آدمی کے موم کی مورتی میں اپنی پن گھونپ دیں
گی تو اس آدمی کو کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور
پہونچے گی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ کنوئیں میں پن
پھینکنے سے ان کے دن پھر جائیں گے۔ ہندوستان
کی عورتیں تو اسی وہم کی سخت معتقد ہیں۔

ہونہار بھائیو۔ دیکھا تم نے رسالہ ہونہار
کے مضامین کو۔ ارے بھئی تم تو اسی سے۔
اس رسالہ کے مضامین کی اچھائی کا اندازہ
لگا سکتے ہو۔ کہ رسالہ ہونہار نے پن جیسی
چھوٹی چیز کے متعلق تم کو کتنی اور کیسی عمدہ عمدہ
معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

(سید محمد عرف سچے۔ پٹنہ)

کام کی باتیں

بے ضرورت بات کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔ کوئی
پوچھے تو جواب دو۔ اگر تم کو ضرورت ہو تو بولو۔ جو
بات کرو نرمی اور آہستگی کے ساتھ کرو۔

دلیر شخص وہی ہے جو مشکلات سے نہیں گھبراتا
اور مردانہ وار ہر ایک خطرے کا مقابلہ کرتا ہے۔

یاد رکھو جنگ کرنا اچھا ہے لیکن انسانوں
کے خلاف نہیں بلکہ بُری باتوں کے خلاف۔

اچھا وہ ہے جو کسی کا دل نہ دُکھائے۔ بُرا وہ
ہے جو خواہ مخواہ کسی کو تکلیف دے۔

بٹن کی تاریخ

سو برس ہوئے جب سے بٹن کل کے ذریعہ بنایا جانے لگا ہے۔ پہلے ہاتھ سے بنایا جاتا تھا۔ اُس وقت یہ مہنگا ہوتا تھا کیوں کہ اُس کے بنانے میں محنت زیادہ کرنی پڑتی تھی، ۱۸۲۷ء میں ایک امریکن نے بٹن بنانے کی ایک مشین ایجاد کی، اُس وقت سے بٹن کا رواج ہوگیا، اُس سے کچھ سستے بھی ہو گئے، اُس نئی ایجاد سے بٹن دھات کے بننے لگے، اِس سے پہلے بٹن ہڈی یا لکڑی کے بنائے جاتے تھے

اٹھارھویں صدی میں بٹن کپڑے کے ہوتے تھے، اِس صدی کے اُخیر اور اُنیسویں صدی کے شروع میں گلٹ کے بٹن رائج تھے

۱۸۵۰ء میں ایسے بٹن رائج ہوئے جن کے اندر کوئی سخت چیز ہوتی تھی اور ان کے اوپر کپڑا سی دیا جاتا تھا، پچھلی صدی کے درمیان میں ایک فرانسیسی نے مویشیوں کے سموں سے بٹن بنانے شروع کئے، کانچ کے بٹن ۱۸۵۰ء سے رائج تھے

انگلستان کی تاریخ میں ملکہ الزبتھ کے زمانے میں سب سے پہلے بٹن کے اِستعمال کا ذکر آتا ہے۔ اس وقت بٹن خوبصورتی کے لئے اِستعمال کئے جاتے تھے، کپڑا بند کرنے کے لئے نہیں لگائے جاتے تھے

کے۔ ایم۔ بشیر چکوالی طالب علم
سرگودھا۔

میں تو کچھ ہی لوں گا

کسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک امیر آدمی
کے ہاں ایک حجام حجامت بنانے کے واسطے
آیا، امیر نے اُس حجام سے کہا کہ تم ہماری حجامت
بنا دو گے تو ہم تم کو کچھ دے دیں گے؟ جب
حجام حجامت بنا چکا تو اس امیر نے حجام کو چار
آنے دئے، حجام نے وہ چار آنے واپس کر دئے
اور کہا "حضور میں تو کچھ ہی لوں گا" امیر نے اسے
چار آنے اور دیدئے کہ شاید زیادہ دام مانگتا
ہے، مگر اس نے وہ بھی واپس کر دئے اور کہا کہ
"میں تو کچھ ہی لوں گا" اس امیر نے اسے ایک
روپیہ دے دیا کہ جاؤ اب ....؟ مگر اس نے
وہ روپیہ بھی واپس کر دیا، اور کہا حضور میں تو کچھ
لوں گا...... میں دام نہیں لیتا...... آخر امیر تنگ
آگیا اسے ایک پانچ روپے کا نوٹ دے دیا کہ جاؤ
رخصت ہو جاؤ، مگر اس نے وہ بھی واپس کر دیا
اور پھر وہی کہا کہ میں تو کچھ لوں گا" امیر بے چارہ
بہت پریشان ہوا کہ آخر اب اسے کچھ کیا دے اس کی سمجھ
میں کچھ نہیں آتا تھا...... اتنے میں ایک قاضی صاحب
آگئے انھوں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ امیر نے قاضی صاحب
سے تمام واقعہ کہا کہ حضرت کیا بتلاؤں یہ حجام کسی طرح
نہیں مانتا کچھ مانگتا ہے میں نے اس کو روپے پیسے
دئے لیکن یہ نہیں لیتا۔ صرف کچھ مانگتا ہے قاضی
صاحب نے کہا کہ اچھا ٹھہرئے میں اس کو ابھی
کچھ دیدوں گا۔ حجام سے فرمایا چلو ہمارے گھر چلو ہم
تمھیں کچھ دے دیں گے، وہ قاضی صاحب
کے ہمراہ ان کے گھر چلا گیا۔ قاضی صاحب نے اس
سے فرمایا کہ تم باہر بیٹھو میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر
قاضی صاحب گھر میں گئے، ان کے ہاں کڑھی پکی
تھی وہ ایک برتن میں کڑھی لائے اور اس میں
ایک کوئلہ ڈال دیا، اور حجام سے کہا کہ کھانا کھاؤ
حجام جب کھانا کھانے لگا تو اس میں کوئلہ نظر
آیا۔ حجام نے کوئلہ کو دیکھ کر کہا کہ اس میں تو کچھ

ہے ۔ یہ سن کر قاضی صاحب نے حجام سے کہا کہ لیجئے آپ اپنا "کچھ" لے جائیے

حجام بہت شرمندہ ہوا اور کوئلہ لے کر چلا گیا ۔ ہاں تو اب سب کو معلوم ہو گیا کہ پہلے ایسے سیدھے لوگ بھی ہوتے تھے ۔

"سیدہ صغرا بیگم بنت "سید محمد الطاف حسین صاحب
اٹاوہ

خوبصورت پھول

یہ خوبصورت پھول

تکیہ کے غلاف پر اور

میزپوش کے چاروں

کونوں پر بنایا جائے اچھا معلوم ہو گا

خاتون نور النسا بیگم ۔ از سیلون

گلاب کا پھول

عبدالمتین درجہ ہشتم اے - آگرہ

نیک مشورہ

تلسی داس جی جنھوں نے رامائن جیسی لاثانی کتاب بنائی ہے، بڑے ایشور بھگت (اللہ والے) ہو گذرے ہیں، شروع میں ان کو اپنی بیوی سے اس قدر محبت تھی کہ اگر وہ ذرا بھی آنکھ سے اوجھل ہوتی تھی تو قیامت آجاتی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ یہ تو کام کو باہر گئے تھے اور بیوی کسی ضرورت سے اپنے میکے چلی گئی جب تلسی داس کو خبر ملی تو وہ بے چین ہو گئے۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ اسے راستہ ہی میں جالیا، اور بڑی منت سے بولے۔ ایشور کے لئے یا تو گھر کو لوٹ چلو، ورنہ مجھے بھی ساتھ ہی لے چلو۔

یہ سن کر وہ بہت خفا ہوئی، اور سمجھانے کے طور پر کہنے لگی "پران ناتھ آپ کو کیا ہو گیا آپ نہ جانے مجھے کیا سمجھے بیٹھے ہیں، اگر اتنی محبت پرماتما (خدا) سے کرتے تو کیا اچھی بات تھی۔"

ان الفاظ نے جادو کا کام کیا۔ تلسی داس کو سوتے سے جگا دیا۔ بیوی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ جنگل کی طرف بھاگا، دنیا کے دھندوں سے الگ ہو کر خدا کی عبادت کرنے لگا، ہندوستان کے تمام تیرتھوں کی یاترا کی۔

بہت دنوں بعد گھومتا پھرتا اسی شہر میں گیا جہاں اس کی بیوی رہتی تھی، سسرال میں پہنچا۔ اس کی غریب اور بے کس بیوی بہت پریشان تھی اور وہ بھی ویسی ہی بوڑھی ہو گئی تھی، جیسا کہ وہ خود تھا، مدت سے اپنے ماں باپ کے پاس رہتی تھی، اور گھر کا کام دھندا کرتی تھی۔

جب تلسی داس کھانا کھانے بیٹھا تو وہ اسے پہچان گئی۔ تلسی داس اسے پہچان نہ سکا۔ حالانکہ وہ بالکل قریب ہی بیٹھی کھانا کھلا رہی تھی۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ بولی "کڑھی کے واسطے کالی مرچیں لا دوں"۔ تلسی داس نے جواب دیا نہیں تکلیف نہ کرو میری تھیلی میں مرچیں موجود ہیں۔

اس کے بعد نمک کی ضرورت پڑی اور بیوی نمک لانے کے خیال سے اُٹھنے لگی، تلسی داس نے اسے پھر روک لیا۔ اور وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا اس پر بیوی نے خاوند کو بتایا کہ میں تمھاری بیوی ہوں، اور بناوٹی ہنسی ہنس کر کہا۔ پران ناتھ دنیا کو چھوٹنے سے کیا فائدہ کہ تم ابھی تک نمک مرچ ساتھ لئے پھرتے ہو۔ اس کے سوا اور نہ جانے کیا کیا۔ الم، غلم چیزیں تھیلی میں بھر رکھی ہیں۔ یہ خدا کے بھگتوں کا شیوہ نہیں بلکہ دنیا داروں کا ہے اپنی ضرورتوں کو کم کرکے خدا پر پورا پورا یقین رکھنا ہی سچی بھلتی ہے، نہ کہ مرچ مسالہ وغیرہ تھیلی میں رکھ کر ساتھ لئے پھرنا۔ جب خدا پر بھروسہ نہ ہو تو فقیری کا دعویٰ فضول ہے۔

یہ سن کر تلسی داس بہت شرمندہ ہوا تھیلی ویلی سب پھینک دی، اور ایک پرندہ کی طرح آزاد ہو کر پھر جنگل کی طرف چل دیا۔ وہاں اس نے سخت عبادت کی اور خدا کا سچا بھگت بن گیا۔ جبھی تو اس کا نام آج تک روشن ہے اور سب کچھ نیک بیوی کے مشورہ کا نتیجہ تھا۔

(گلدستہ لاہور)

چودھویں رات کا چاند

آفتاب غروب ہو چکا ہے...... ننھے ننھے ستارے آسمان پر جگمگانے لگے.......... ننھے ستارے بادِ نسیم کی ٹھنڈی ہوائیں.......... اور کائنات کا ہر ذرّہ فضائے آسمانی میں.......... چودھویں رات کے چاند کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں.......... چودھویں رات کا چاند آسمان پر جلوہ فگن ہوا.......... اور اپنی نورانی روشنی سے تاریک عالم کو منور کر دیا.......... ستارے تعظیم کو جھک گئے.......... کائنات کا ذرّہ ذرّہ جگمگانے لگا.......... دنیا محوِ نظارہ تھی..........

(جے کے نکہت بنت سید الطاف حسین صاحب اٹاوہ)

صنعت و حرفت

صنعت کے معنی ہیں کاری گری اور حرفت کے معنی کسب اور پیشہ ہیں ؛

صنعت کی بہت سی قسمیں ہیں، مثلاً تجارت، زراعت، دستکاری، وغیرہ۔ یہ سب پیشے درجہ بدرجہ بہت مفید ہیں۔ مگر تجارت سب پر ترجیح رکھتی ہے ؛

تاجر ہی ایسی قوم ہے جو تمام دنیا پر حکومت کر رہی ہے، اگر کوئی آزاد شخص ہے تو تاجر ہی ہے۔ جب چاہا دوکان کھول لی۔ جب چاہا بند کر دی۔ غیر حاضری کی کوئی رپورٹ نہیں کر سکتا۔ غفلت یا رشوت کا الزام نہیں لگا سکتا اور آرام سے زندگی بسر کرتا ہے ؛

انگریز روئے زمیں پر حکمراں ہیں۔ محض تجارت کی برکت سے اس عروج پر پہونچے ہیں ایک دن تھا کہ وہ بحیثیت ایک تاجر کے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے، ان کی ایک کمپنی تھی۔ مگر جب ان کے پاس کافی طاقت ہو گئی۔ تو انھوں نے ملک گیری کی طرف ہاتھ پیر مارنا شروع کئے۔ چونکہ ان کی بنی ہوئی اشیا بہت نفیس تھیں اس لئے مقبول عام ہو گئیں، اور انگریزوں کو بہت فائدہ ہوا۔ کہ آج تک وہی ہند کے مالک بنے ہوئے ہیں ؛

زراعت کا پیشہ سب سے بہتر پیشہ ہے اس میں آدمی متموّل بن سکتا ہے۔ اور آزادی کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اس پیشہ میں انسان کی صحت اچھی رہتی ہے۔ اسی واسطے پنجاب کے لوگوں کی صحت عام طور سے اچھی رہتی ہے۔ اور صحت اچھی ہونے کی وجہ سے لوگ طاقتور ہیں۔ چنانچہ رستم زماں اگاما پہلوان بھی پنجاب ہی کا رہنے والا ہے۔ آج کل کی تہذیب اور مذہب اسلام بھی یہی سکھاتا ہے کہ سویرے اٹھو۔ اس میں بڑا راز پوشیدہ ہے۔ صبح اٹھنے سے انسان

کی طبیعت بشاش رہتی ہے۔ کسی کام سے دل نہیں گھبراتا۔ زمیندار صبح سویرے اٹھتے ہیں۔ اور بیل وغیرہ لے کر دور دور اپنی اپنی زمینوں میں چلے جاتے ہیں، اسی لئے ان کی صحت بھی اچھی رہتی ہے ؛

دست کاری ایک ایسا پیشہ ہے جس کی ضرورت عموماً تمام ممالک کو اور خصوصاً ہندوستان کو ہے۔ جو لوگ صنّاع نہیں ہیں۔ وہ کلیں مشینیں لیمپ، گھڑیاں چھنیاں اور چینی کے برتن وغیرہ اشیا ممالک غیر سے منگواتے ہیں، اگر وہ خود بنا جانتے ہوں تو اتنا روپیہ غیروں کو کیوں دیں، ہندوستان میں دست کاری کے سکول تو ہیں مگر مکمل پڑھائی کسی میں نہیں ہوتی ؛

ملازمت نہایت ذلیل پیشہ ہے۔ اس پیشہ میں انسان کی زندگی محدود ہوتی ہے۔ وہ آزاد نہیں ہوتا۔ بلکہ قیدی یا غلام کے مانند ہوتا ہے۔ تنخواہ کے عوض آزادی فروخت کر دیتا ہے ؛

صنعت و حرفت ملک کی تجارت کو بڑھاتی ہے، ملک کو دولت مند اور مہذب بناتی ہے۔ براعظم یوروپ کو صنعت و حرفت نے ہی اس بلند مرتبے پر پہنچایا ہے۔ اہل یوروپ نے ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں۔ کہ جن کو دیکھ کر عقل انسانی محو حیرت ہو جاتی ہے۔ کہیں موٹریں کہیں ریلیں، ہوائی جہاز۔ بحری جہاز۔ اِدھر ڈاک خانے تو ادھر تار گھر ؛

آج اگر ایک آدمی جو دس بارہ صدی پیشتر کا ہو۔ اس دنیا کو دیکھے۔ تو وہ حیرت سے دیوانہ ہو جائے۔

افسوس ہے کہ ہم اہل ہند کو اس کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ ہم ذراسی چیز مثلاً سوئی وغیرہ میں بھی ولایت والوں کے دست نگر اور محتاج ہیں، اگر ہم کلیں اور مشینیں خود بنا لیں تو ہر ایک چیز ارزاں ہو جائے اور ملک سے افلاس دور ہو جائے ؛

عبدالطیف۔ طالب علم
از پشاور

سگریٹ نوشی

آج کل سگریٹ پینے کا رواج اتنا ہو گیا ہے کہ بچے سے لے کر بوڑھے تک سب سگریٹ پینے کے عادی ہیں۔ ہمارے ملک ہندوستان میں کوئی خال خال آدمی نظر آتا ہے جو سگریٹ نہ پیتا ہو۔ اکثر لوگ سگریٹ پینے میں اپنی عزت اور مہمان نوازی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اکثر مرتبہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کسی شخص کے ہاں کوئی مہمان آئے، تو روٹی، چائے یا پانی پوچھنے سے پہلے سگریٹ کو پوچھا جاتا ہے۔ سگریٹ پینے سے تین بڑے بڑے نقصان ہوتے ہیں

مالی ---- **جسمانی** ---- **اخلاقی**

جسمانی نقصان۔ اس میں ایک قسم کا زہریلا مادہ ہوتا ہے۔ جو صحت کو خراب کر دیتا ہے صحت کے بگڑنے سے کئی قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

مالی نقصان۔ خواہ مخواہ فضول خرچی ہوتی ہے، سگریٹ کے لئے جو پیسے خرچ کئے جاتے ہیں اگر وہی پیسے جمع کئے جائیں تو ایک وقت آئے گا کہ ہمارے پاس ایک اچھی خاصی رقم جمع ہو جائے گی۔

اخلاقی نقصان۔ اگر پاس رقم نہ ہو تو ادھار لینا پڑتا ہے اور ادھار نہ ملے تو چوری کرنی پڑتی ہے۔

اب میں ہونہار بھائیوں کی دلچسپی کے لئے ایک سگریٹ نوشی کی سچی کہانی لکھتا ہوں

"کاش! کہ میرا خدا اتنے دن اور زندگی بخشے۔ جتنے دن میں کم از کم ایک ہزار بچوں کی عزیز جان سگریٹ نوشی سے بچا سکوں"۔

یہ دردناک الفاظ تھے جو رشید کے منہ سے بستر مرگ پر نکلے، جس کے بعد وہ حسرت زدہ نوجوان ہمیشہ کے لئے دنیا سے کوچ کر گیا۔

رشید کو ۹ سال سے سگریٹ پینے کی

عادت تھی، جو آخر کار اس کی جان لے کر رہی۔ وہ بچپن میں بہت ہونہار چست و چالاک لڑکا تھا اسکول میں ہمیشہ اپنے جماعتوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر رہتا تھا مگر افسوس کہ سگریٹ نوشی نے اس کو تباہ کر دیا، وہ کھلتا ہوا غنچہ سگریٹ نوشی کے ہاتھوں وقت سے پہلے قبر میں لیٹ گیا۔

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

رشید ابھی جوان نہ ہونے پایا تھا کہ سگریٹ نوشی کی عادت پڑ گئی، اس کے ماں باپ اس کی اس عادت سے بالکل بے خبر تھے، ان کو تب معلوم ہوا جب رشید کا وزن کم ہونے لگا اس کی تعلیم میں تنزل شروع ہو گیا، اور جب اس نے خود اقرار کیا کہ وہ ایک دن میں ۲۵ سگریٹ پیتا ہے تو ماں باپ کو بہت افسوس ہوا۔ رشید کی اس بری عادت کو چھڑانے کے لئے ایسے شہر میں بھیجا۔ جہاں کہ سگریٹ نہ مل سکتے تھے، وہاں اوس کو کچھ افاقہ ہو گیا۔ مگر جب وہ گھر پھر واپس آیا تو پھر اپنی پرانی عادت کے ہاتھوں بک گیا، اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی حتیٰ کہ بستر مرگ پر لیٹ گیا اس وقت اس نے اپنے بھائی کو بلایا۔ ہاتھ جوڑے رویا۔ گڑگڑایا اور کہا کاش! کہ میں زندہ رہتا اور بچوں کو سگریٹ نوشی سے بچاتا، مگر نہیں! سعید میں مرتا ہوں اور تمھیں ہدایت کرتا ہوں کہ "یہ سگریٹ آدمی کی دشمن ہے تم اس سے پرہیز کرنا"

اس کی لاش کے ڈاکٹری معائنہ نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کے پھیپھڑے سیاہ اور گندے ہو چکے تھے۔ اس کا دل سڑ چکا تھا اس کے اعضا اور پٹھے ناکارہ ہو گئے تھے۔ اس کے جنازہ پر اس کے سینکڑوں ہم جماعتوں نے قسم کھائی کہ وہ سگریٹ نوشی نہ کریں گے۔"

ہونہار بھائیو! تم نے سگریٹ نوشی کے نقصان اور ایک سگریٹ نوش کی حسرت ناک موت کا حال دیکھ لیا۔ وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو اب تک اس سے بچے ہوئے ہیں جن ہونہار بھائیوں کو سگریٹ نوشی کی عادت ہے، ان کو چاہیئے کہ وہ فوراً اس کے چھوڑنے کی کوشش کریں

(بشیر چکوالی سرگودھا)

پیوما

جنوبی امریکہ کے میدانوں میں ایک جنگلی جانور پایا جاتا ہے۔ جو دنیا کے اور تمام جانوروں سے زیادہ چالاک، بہادر، اور خوں خوار ہوتا ہے۔ یہ بلّی، شیر اور چیتے کی نسل کا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو امریکہ کا شیر کہتے ہیں اس جانور کا نام پیوما ہے۔

پیوما بھوری رنگ والی بلّی کی طرح ہوتا ہے۔ اس کی دم سے لے کر ناک تک لمبائی آٹھ فٹ ہوتی ہے۔ اس کا سر کالا اور بھورا ہوتا ہے۔ اس جانور کے شکار کرنے کا طریقہ بھی انوکھا ہے۔ یہ چالاک جانور اپنے شکار کا پیچھا آہستگی سے کرتا ہے۔ اور جب شکار بالکل اس کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ اور اس کو یہ امید ہوتی ہے کہ شکار کہیں بھاگ نہیں سکتا تب وہ تھوڑی دیر کے واسطے اس کو غور سے دیکھتا ہے پھر وہ یکایک جھپٹ کر جانور کی گردن پر حملہ کرتا ہے اور اس کو اپنے پنجوں کی چوٹ سے مار ڈالتا ہے۔

حالانکہ یہ خوفناک جنگلی جانور ہے۔ تاہم یہ آسانی سے پالا جا سکتا ہے۔ اور پالتو کتے کی طرح رکھا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ امریکہ کے ایک شکاری نے پیوما کے ایک بچے کو پکڑ لیا اور اس کو اپنے پاس پالا۔ پالتو پیوما اپنے مالک کے ساتھ آٹھ برس تک رہا۔ اس عرصہ میں اس نے کسی قسم کا غصہ نہ کیا۔ وہ بلّی کی طرح کھیلتا تھا جب وہ بڑا ہوا۔ تب بھی وہ مالک کا وفادار رہا۔ جب وہ بھوکا ہوتا تھا تو خوب زور سے چلاتا تھا اور اپنے مالک کے پیروں کے ارد گرد دُم ہلاتا۔ مالک اس کا مطلب سمجھ جاتا اور اس کو کھانے کو دیتا۔

برخلاف دوسرے جنگلی جانوروں کے پیوما آدمی پر کبھی حملہ نہیں کرتا۔ بلکہ جب کبھی وہ کسی بچے یا آدمی کو جنگل میں دیکھتا ہے تو اس جگہ سے ہٹ جاتا ہے اور اگر کسی آدمی کو کبھی

دوسرے جنگلی جانور کے پنجے میں پھنسا ہوا دیکھتا ہے تو وہ اس آدمی کے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔
ایک دن ایک شکاری جو جنوبی امریکہ کے میدانوں میں شکار کھیل رہا تھا۔ اچانک اپنے گھوڑے پر سے گر گیا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ گھوڑا فوراً بھاگ گیا۔ اور وہ شکاری وہیں رہ گیا اس حالت میں اس بات کا اس کو ڈر لگا کہ رات کو کہیں کوئی جنگلی جانور حملہ نہ کر دے۔
وہ اسی پریشانی میں تھا کہ رات ہو گئی۔ اور چاروں طرف خوب اندھیرا چھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے کچھ آواز سنائی دی جیسے کوئی جنگلی جانور آہستہ آہستہ آرہا ہے۔ ٹانگ ٹوٹنے کی وجہ سے وہ بھاگ نہ سکا۔ بلکہ اس نے اپنی شکاری چھری نکال لی۔ اور جانور کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پیوما کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔
جب پیوما بالکل قریب آگیا تو اوس کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ کہ پیوما بغیر کچھ کہے اوس کے پاس بیٹھ گیا۔
پیوما اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس نے دیکھا کہ ایک جنگلی جانور شکاری پر حملہ کرنے کے لئے جنگل کی طرف سے آرہا ہے پیوما فوراً کھڑا ہو گیا۔ اور آنے والے جنگلی جانور کا انتظار کرنے لگا۔
جنگلی جانور بالکل قریب آگیا۔ مگر حملہ کرنے سے مجبور تھا۔ کیوں کہ جیسے ہی وہ حملہ کرنا چاہتا تھا۔ پیوما اوس کو روک دیتا تھا۔ رات بھر پیوما اور جنگلی جانور لڑتے رہے۔
جب صبح ہوئی تو دونوں جانور بھاگ گئے پھر ان میں سے کوئی بھی اس کی نظر نہیں پڑا جب اس شکاری کے دوست جو اس کو رات سے ڈھونڈ رہے تھے۔ اس کے پاس آئے۔ تب اس نے ان کو سب قصہ سنایا کہ کس طرح پیوما نے اس کی جان بچائی۔ سب لوگ یہ سن کر بہت متعجب ہوئے اور ان کو مشکل سے اس بات کا یقین آیا۔
یہی وجہ ہے کہ جنوبی امریکہ کے رہنے والے پیوما کو آدمی کا دوست کہتے ہیں۔

۔ معز الدین اظہر ۔ بریلی ۔

گڑیا گڈے کا سہرا

میری سہیلی عائشہ سلطان کی گڑیا کی شادی تھی
اس موقع پر اُن کی پھوپی محترمہ زبیدہ بانو بیگم صاحبہ
نے یہ مذاقیہ سہرا لکھ کر سنایا تھا...... ہونہار بہنوں
کی ظرافت طبع کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔ (صغرا بیگم)

خوش نما گڑیا کا اور گڈے کا اچھا سہرا
گڑیاں گلنے لگیں منگل جو یہ دیکھا سہرا

چڑیاں صدقہ ہوئیں گڈے نے جو باندھا سہرا
چیونٹوں نے جشن منایا کہ لو آیا سہرا

سانپ جب نائی بنا بن گئی نائن سانپن
شیر نے آتے ہی آنکھوں سے لگایا سہرا

چیتے نے فرش پہ جلدی سے بچھائی مسند۔
کوّے باراتی بنے جوش میں گایا سہرا

لاڈلا گڈا ہے تو لاڈلی پیاری گڑیا......
یہ سبب ہے کہ ہر ایک کو ہے پیارا سہرا

گڑیا گڈے کی مبارک ہو زبیدہ شادی
کر کے ضد میری بھتیجی نے لکھایا سہرا

(مرسلہ سیدہ صغرا بیگم بنت سید الطاف حسین صاحب)
(ہیڈ ماسٹر)
(اٹاوہ)

صنعت و تجارت

لو بھئی اب ہم رسالہ ہونہار میں صنعت تجارت کے متعلق بھی مضامین لکھا کریں گے غریب بچے اگر چاہیں تو اُن کو بنا کر اپنے محلوں یا بازاروں میں فروخت کر سکتے ہیں اور انھیں فائدہ بھی خوب ہو سکتا ہے۔

پیٹھے کی مٹھائی بنانا

کیا کبھی تم نے پیٹھے کی مٹھائی کھائی ہے۔ کیسی مزیدار ہوتی ہے۔ ایک قتلہ منہ میں ڈالتے ہی شیرے کی پچکاریاں چھوٹنے لگتی ہیں اور منہ میں خوشبو ہی خوشبو ہو جاتی ہے۔ آگرہ کی پیٹھے کی مٹھائی بہت مشہور ہے۔ لو آج ہم پیٹھے کی مٹھائی بنانے ایک نہایت آسان ترکیب لکھتے ہیں۔ لیکن ایک شرط ہے کہ جب تم یہ مٹھائی بنا چکو تو تھوڑی سی ہمارے پاس بھی بھیج دینا۔

ایک بڑا پختہ پیٹھا خرید کر لاؤ۔ اُسے چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لو اور اُن ٹکڑوں کو اُبال لو۔ جب ذرا ادھ کچے رہ جائیں انھیں نکال لو اور کسی چیز سے انھیں گود دو۔ پھر بورہ کی چاشنی تیار کرو۔ چاشنی میں گلاب یا کیوڑے کا عرق ڈال سکتے ہو۔

اب اُن گدے ہوئے ٹکڑوں کو چاشنی میں ڈال کر کچھ دیر پکاؤ۔ اِس کے بعد اُن کو نکال کر ہوا میں خشک کر لو۔ نہایت عمدہ پیٹھے کی مٹھائی تیار ہو جائے گی۔

دوسری ترکیب

پیٹھے کے ٹکڑوں کو چند مرتبہ چونے کے پانی میں دھوؤ۔ پھر انھیں اُبال کر دُگنے وزن کی کھانڈ کی چاشنی میں ڈال دو۔ جب چاشنی جذب ہو جائے تو سمجھ لو کہ مٹھائی تیار ہے۔ اب اسے کام میں لا سکتے ہو۔

(ایڈیٹر)

بزم ہونہار

آئندہ ماہ سے اس عنوان کے ماتحت ہم رسالہ ہونہار کے اُن خریداروں کے سوالات اور جوابات لکھیں گے جو باقاعدہ ممبری کی فیس داخل کرکے بزم ہونہار کے میمبر بن گے ہوں۔ امید ہے کہ ہونہار بہنیں اور ہونہار بھائی اس سے فائدہ اٹھائیں گے

داخلے کے شرائط

اس بزم کے صرف وہی لوگ میمبر ہو سکتے ہیں جو باقاعدہ رسالہ ہونہار کے خریدار ہوں اور جنھوں نے رسالہ ہونہار کا سالانہ چندہ مبلغ تین روپے ادا کیا ہو۔

اس کی میمبری کی فیس ۸ر سال ہے جو ہر حالت میں پیشگی لی جائے گی۔ ۸ر کے ٹکٹ لفافہ میں رکھ کر بھیج دیجئے۔

ہر سوال کے ہمراہ ۲ر کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔

جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ روانہ فرمائیے اور رسالہ کا خریداری نمبر ضرور لکھئے۔

سوالات کس قسم کے ہونا چاہئیں

(۱) اگر آپ کسی بیماری میں مبتلا ہیں تو اپنی بیماری کے متعلق مشورہ لے سکتے ہیں۔ اس کے لئے ایک بہت اچھے حکیم کی خدمات حاصل کی گئیں ہیں۔ جو آپ کو آپ کی صحت کے متعلق مفید مشورے دیں گے۔

(۲) آپ کسی چیز کے بنانے کا نسخہ دریافت کر سکتے ہیں۔

(۳) اگر آپ ہندوستان میں کسی دوسرے شہر کے کسی طالب علم سے واقفیت حاصل کرکے اس سے خط و کتابت کرنا چاہتے ہیں تو ہم ایسے طالب علموں کا پتہ بتا دیں گے۔ بشرطیکہ وہ رسالہ ہونہار کے خریدار ہوں

(۴) اگر آپ کو کسی ایسی چیز یا کتاب کی ضرورت ہے جو آپ کو اپنے شہر میں نہیں ملتی اس کا پتہ ہم بتا دیں گے۔

خطوط پر صرف اتنا پتہ لکھئے۔

"بزم ہونہار" معرفت رسالہ ہونہار دہلی

انعامی معمہ

(ہر ایک صحیح جواب بھیجنے والے کو انعام دیا جائے گا)

ایک مربع میں ۱۶ خانے ہیں ان میں ۱۶ حروف لکھے ہوئے ہیں۔ یعنی ہر خانہ میں ایک ایک حرف اس طرح لکھا گیا ہے کہ پڑی قطاروں میں دائیں سے بائیں چار الفاظ بنتے ہیں جن کے معنی ہیں - کرم - مایوس زخم کی دوا اور خاتمہ - اسی طرح کھڑی قطاروں میں بھی اوپر سے نیچے یہی چار الفاظ بنتے ہیں۔

۴	۳	۲	۱
۸	۷	۶	۵
۱۲	۱۱	۱۰	۹
۱۶	۱۵	۱۴	۱۳

۱ + ۲ + ۳ + ۴ کو ملانے سے کرم
۵ + ۶ + ۷ + ۸ " " " مایوسی
۹ + ۱۰ + ۱۱ + ۱۲ " " " زخم کی دوا
۱۳ + ۱۴ + ۱۵ + ۱۶ " " " خاتمہ

اسی طرح

۱ + ۵ + ۹ + ۱۳ " " " کرم
۲ + ۶ + ۱۰ + ۱۴ " " " مایوسی
۳ + ۷ + ۱۱ + ۱۵ " " " زخم کی دوا
۴ + ۸ + ۱۲ + ۱۶ " " " خاتمہ

(مرتبہ عبد الستار انصاری (علیگ))

داخلے کے شرائط

۱۔ ہر طالب علم (لڑکا یا لڑکی) خواہ رسالہ ہونہار کا خریدار ہو یا نہ ہو اس میں حصہ لے سکتا ہے۔
۲۔ حل کے ہمراہ ۲ کے ٹکٹ ضرور آنا چاہئیں۔
۳۔ ہر ایک صحیح جواب بھیجنے والے کو فلورہیر آئل کی ایک شیشی انعام میں دی جائے گی۔

تمام حل مندرجہ ذیل پتہ پر بھیجئے

شبیر حسین منیجر صنعتی اسٹور قرولباغ دہلی

رسالہ ہونہار کے نئے انتظامات

رسالہ ہونہار کو ترقی دینے اور اس کو اعلیٰ پیمانے پر پہنچانے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز زیر غور ہیں جن پر انشاء اللہ جولائی ۱۹۳۲ء سے عمل کیا جائے گا۔

تجاویز

رسالہ ہونہار دو قسم کا شائع ہو۔

قسم اوّل

اس میں نہایت عمدہ سہ رنگا ٹائٹل ہو۔ تمام رسالہ ۲۸ پونڈ کے نفیس چکنے کاغذ پر شائع ہو بلاک کی تصویریں علیحدہ آرٹ پیپر پر نہ ہوں۔ بلکہ رسالہ میں جہاں بھی ضرورت ہو اسی چکنے کاغذ پر چھپوائی جائیں، اور بجائے دو صفحے کے چار صفحوں پر ہوں ضخامت ۱۰۰ صفحے قیمت سے رسالانہ یعنی موجودہ قیمت میں رسالہ خریداروں کو ملے

قسم دوم

اس میں ایک رنگ کا ٹائٹل ہو۔ تمام رسالہ ۲۲ پونڈ سفید کاغذ پر شائع ہو یعنی اسی کاغذ پر شائع ہو۔ جس پر رسالہ ہونہار کے آخری ۱۶ صفحے شائع ہوتے ہیں۔ تصاویر قسم اول کی طرح چکنے کاغذ پر ہوں ضخامت ۱۰۰ صفحے قیمت عہ رسالانہ۔

جو طلباء چاہیں "قسم اول" کے خریدار ہوں اور جو چاہیں وہ "قسم دوم" کے۔

اگر آپ رسالہ میں کوئی کمی پاتے ہوں یا کسی اور چیز کا اضافہ منظور ہو، یا اس کی ترقی کے لئے کوئی مفید تجویز پیش کرنا چاہتے ہوں تو مہربانی فرما کر ہمیں اس سے بہت جلد مطلع فرمائیں۔

(اڈیٹر)

ہنسی کی باتیں

ماں (شریر لڑکے سے) چونکہ تم نے آج کوئی شرارت نہیں کی ہے اس لئے تم مجھ سے کچھ مانگ سکتے ہو۔
لڑکا۔ میں کل شرارت کرنے کی اجازت مانگتا ہوں

ایک روسی اور امریکن اپنے اپنے ملکوں کی انتہائی سردی کا ذکر کر رہے تھے۔
روسی :۔ میں نے دیکھا ہے کہ جوش کرتا ہوا پانی چولھے سے اترتے ہی جم گیا۔
امریکن : میں نے دیکھا کہ ایک ہرن پہاڑ کی چوٹی سے کودا اور ہوا میں معلق رہ گیا۔ اس لئے کہ سردی کی وجہ سے ہوا بھی جم گئی تھی۔
روسی :۔ کیا زمین کی کشش نے اپنا عمل نہیں کیا۔
امریکن :۔ وہ کشش بھی تو جم گئی تھی۔

اُستاد (شاگردوں سے) تین ثبوت اس بات کے دو کہ زمین قطعی گول ہے۔

ایک لڑکا :۔ کتاب میں یہی لکھا ہے۔ آپ نے بھی یہی بتایا ہے اور میرے والد بھی یہی کہتے ہیں۔

مالکہ۔ ارے ہے۔ ننھا اختر کہاں ہے ؟
ملازمہ۔ جس وقت سے کہ میں نے بڑا قالین پیٹا ہے اُس وقت سے اُس کو نہیں دیکھا۔

دیہاتی مدرسوں کی تنخواہ بہت قلیل ہوتی ہے۔ ایک مدرس ترقی نہ ہونے سے تنگ آگیا تھا کئی درخواستیں دیں لیکن بے اثر۔ ایک موقع پر انسپکٹر صاحب تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ انسان کے ابرو کے بال پیدائش سے لے کر بہت کم بڑھتے ہیں۔ مدرس صاحب بولے حضور! گویا وہ مدرس کی تنخواہ ہیں۔

فلاور ہیئر آئل

(۱) یہ تیل بازاری تیلوں کی طرح مٹی کے تیل یا کسی گھٹیا درجے کے تیل سے نہیں بنتا بلکہ خالص دھوئی تِلی کے تیار کیا جاتا ہے اور اِس کے خالص ہونے کی ضمانت کی جاتی ہے۔

(۲) یہ بالوں کو ریشم کی طرح نرم، چمک دار اور سیاہ بنا دیتا ہے۔ بالوں کو گرنے سے روکتا ہے اور بال کثرت سے پیدا کرتا ہے۔

(۳) اِس میں وہ قیمتی اجزا ڈالے جاتے ہیں جو دماغ کو قوت دینے کے لئے اکسیر ہیں۔ یہ تیل دماغ کو آرام دیتا ہے اور سر کی خشکی کو دور کرتا ہے۔

(۴) اِس کی بھینی بھینی اور میٹھی میٹھی خوشبو دماغ کو فرحت پہونچاتی ہے۔

لہٰذا آپ ہمیشہ

اِسی تیل کو استعمال کریں اور بازار کے مضر صحت اور خراب تیلوں سے پرہیز کریں۔ قیمت فی شیشی ۱۲؍ و ۱۴؍

مندرجہ ذیل صنعتی اسٹور دہلی کے پتے سے طلب کیجئے۔

سفوف روشن دماغ

یہ دوا ایسے لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو دماغی کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں۔ کام کی کثرت کی وجہ سے دماغ کمزور ہو جاتا ہے۔ سر میں چکر آنے لگتے ہیں، یا ایسے طالب علم جو کند ذہن ہیں سبق اچھی طرح یاد نہیں ہوتا۔ صرف ۴۰ دن کے استعمال سے انشاءاللہ دماغ کی کمزوری جاتی رہے گی۔ اور حافظہ تیز ہو جائے گا۔ ہماری دوائی کے استعمال کرنے سے طالب علم امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں۔

(قیمت ۴۰ خوراک دو روپے آٹھ آنے)

دو روپے روزانہ کماؤ

اگر آپ چند گھنٹے خرچ کر کے دو روپے روز پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں لکھئے اور جواب کے لئے جوابی کارڈ یا ایک آنے کے ٹکٹ ضرور بھیجئے۔

صنعتی اِسٹور۔ قرولباغ دہلی

لڑکوں اور لڑکیوں کا باتصویر ماہوار رسالہ
ہونہار
بابت ماہ
جون سنہ ۱۹۳۲ء
جلد ۳
نمبر ۶
اڈیٹر
فیاض حسین نسیم
جامعی
پبلشر - دفتر رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی

مئی کا رسالہ دیر میں کیوں شائع ہوا

ہمیں نہایت افسوس ہے کہ مئی کا رسالہ دیر میں شائع ہو رہا ہے، اور جون کے رسالہ میں کچھ صفحے کم چھاپے گئے ہیں۔

غالباً یہ معلوم کر کے آپ کو بھی افسوس ہوگا کہ جامعہ برقی پریس میں بجلی سے آگ لگ گئی اور ہزاروں روپے کا نقصان ہو گیا، پریس کی وجہ سے رسالہ ہونہار کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑا یہی وجہ ہے کہ مئی کا رسالہ دیر میں شائع ہوا، اور جون کے رسالہ میں صرف ۳۲ صفحے دئے جا رہے ہیں

ہمیں رسالہ ہونہار کے ناظرین سے امید ہے کہ وہ ہماری اور پریس کی دقتوں کا خیال کرتے ہوئے ہمیں معاف فرمائیں گے، انشاء اللہ بہت جلد ہم اس کمی کو پورا کر دیں گے اور رسالہ ہونہار کے خریداران صاحبان کو شکایت کا موقع نہ ملے گا، اس کے علاوہ ہم آئندہ سے یہ بھی کوشش کریں گے، کہ رسالہ وسط ماہ کے بجائے ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہو جایا کرے، رسالہ ہونہار کے متعلق جو نئے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ وہ آپ مئی کے رسالہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

نیاز مند

فیاض حسین - اڈیٹر "ہونہار"

غُسل

ضرورت غسل کی ضرورت ہر جاندار کو ہوتی ہے۔ درندے، پرندے، چرندے ہر ایک اپنے مخصوص طریقے سے غسل کرتے ہیں بلّی کو دیکھئے وہ اپنے بدن کو زبان ہی سے چاٹ چاٹ کر صاف کیا کرتی ہے، کبوتر اور دوسرے پرندے پانی میں ڈبکیاں لگا لگا کر نہاتے ہیں اسی طرح بھینس، گائے، گھوڑے وغیرہ جانور دریاؤں اور نالابوں میں نہا کر اپنا بدن صاف کر لیا کرتے ہیں۔ جب ان کے بچے چھوٹے ہوتے ہیں تو اُن کو چاٹ کر صاف رکھتے ہیں، پھر کیوں نہ ہم لوگ جو جانوروں اور پرندوں سے افضل اور اعلیٰ ہیں، غسل کی عادت اپنے میں پیدا کر لیں۔

جانوروں کو دیکھو خواہ جاڑا ہو خواہ برسات نہانے سے ہرگز ہرگز باز نہیں آتے ان کے لئے پانی کے ٹھنڈے اور گرم ہونے کی ضرورت نہیں، وہ جاڑے میں سرد سے سرد اور گرمی میں گرم سے گرم پانی میں نہاتے ہیں، اور بغیر نہائے چین نہیں لیتے، اس لئے وہ کبھی بیمار نہیں ہوتے، اور ہمیشہ تندرست نظر آتے ہیں، غسل نہ صرف صحت کی رو سے ضروری ہے، بلکہ ہر مذہب میں نہانا قانوناً ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ طہارت اور پاکی کو قائم رکھتا ہے۔

فائدے غسل کرنے سے ذیل کے فائدے ہوتے ہیں۔

۱- بدن پر سے میل دور ہو جاتا ہے اور مسام جو بالوں کی جڑوں میں سے ہوتے ہیں) جن کے ذریعہ تازہ ہوا یعنی آکسیجن بدن کے اندر داخل ہوتی رہتی ہے انھیں مسام کے ذریعے ہمارے خون کے خراب اجزا باہر نکلتے رہتے ہیں، اور جو میل کی صورت میں

بدن پر نمودار ہوا کرتے ہیں، اگر غسل کے ذریعے ان سوراخوں کو کھلا نہ رکھا جائے تو نہ تو آکسیجن بدن کے اندر داخل ہوگی اور نہ خون کے خراب اجزا باہر نکلتے رہیں گے، لہذا ہمارے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہے

۲- بدن ہلکا ہو جاتا ہے، دماغ اور طبیعت کو شگفتگی ہو جاتی ہے، بدن میں چستی پیدا ہو جاتی ہے۔

۳- اگر سونے سے پہلے غسل کیا جائے تو نیند خوب آتی ہے۔

۴- اگر کھانے سے پہلے غسل کیا جائے تو کھانا بہت جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس اصول کی بنا پر ہندو کھانا کھانے سے پہلے ضرور نہاتے ہیں۔

۵- اگر ورزش کے آدھ گھنٹے بعد غسل کیا جائے تو تمام تکان دور ہو جاتی ہے۔

۶- نہا کر ورزش کرنے میں یہ فائدہ کہ زیادہ مقدار میں تازہ ہوا ہمارے بدن کے اندر داخل ہوتی ہے۔

نقصانات

(۱) کھانا کھانے کے بعد نہانا مضر ہے، کیوں کہ معدے کا فعل رک جاتا ہے۔

۲- ورزش کے بعد فوراً نہیں نہانا چاہئے۔ کیوں کہ اندر سے جو بخارات آرہے ہوتے ہیں وہ بند ہو جاتے ہیں۔

۳- بخار یا حرارت کی حالت میں نہیں نہانا چاہئے۔

وقت

نہانے کے لئے عام طور سے صبح کا وقت بہت اچھا خیال کیا جاتا ہے لیکن رات کو سونے سے پیشتر نہانا بہت بہتر ہے اس سے دن بھر کی تکان دور ہو جاتی ہے۔ اور رات کو چوں کہ بدن پر کپڑے بھی بہ نسبت دن کے کم ہوتے ہیں۔ لہذا ہمارے بدن کو ہوا سے آکسیجن لینے کا کافی موقع ملتا رہتا ہے، اور نیند بھی خوب اچھی طرح آتی ہے گرمی میں دو دفعہ ضرور نہانا چاہئے اور سردیوں میں ہفتہ میں تین دفعہ کافی ہے۔

نہانے کا طریقہ

اس سلسلہ میں اگر یہ بتادوں

کہ کس کس طرح نہاتے ہیں تو مفید ہوگا۔

۱۔ حمام اس میں عام طور پر امرا نہاتے ہیں حمام معمولی ہوتے ہیں۔ اور اعلی پیمانے کے بھی۔ اکثر ایسے ہوتے ہیں۔ جن میں بھاپ کے ذریعے غسل لیا جاتا ہے۔ ٹھنڈے ملکوں میں ایسے غسل خانے بہت ہیں۔

۲۔ دریا، نہر، تالاب اور کنوئیں سے عام طور پر دیہاتی آبادی غسل کرتی ہے اور قدرت کی اس وسیع نعمت سے فائدہ اٹھاتی ہے بعض شہر جو دریا کے کنارے ہیں وہاں لوگ دریا میں نہاتے ہیں۔ اور اس بنا پر بعض دریا بہت پاک خیال کئے جاتے ہیں جیسے گنگا اور جمنا۔

۳۔ جوہڑ یا ایسے کچے تالاب جس میں جانور بھی غسل کرتے ہوں نہانا صحت کے لئے نہایت مضر ہے۔ ایسے جوہڑوں اور تالابوں میں عام طور پر دیہات کے لوگ نہاتے ہیں جو اصول صحت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ ایسے جوہڑوں اور تالابوں کا پانی سڑا ہوا، اور بدبودار اور مٹ میلا ہوتا ہے، جس سے بجائے فائدے کے الٹا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اور بدن کے مسام بجائے کھلنے کے بند ہو جاتے ہیں۔ بدن میں کھجلی پیدا ہو جاتی ہے اور بدن میں بدبو آنے لگتی ہے۔

۴۔ نل۔ اس سے عام طور پر لوگ شہر میں نہاتے ہیں، اس کا پانی دریا سے صاف ہو کر آتا ہے،

۵۔ فوارہ اور آبشار کے نیچے بھی لوگ نہاتے ہیں۔ جو بہت زیادہ فرحت بخش ہوتا ہے

۶۔ بارش کے پانی سے بھی لوگ نہاتے ہیں۔ لیکن بارش کے پانی میں نہانا نہیں ہوتا۔ بلکہ تفریح ہوتی ہے۔ بارش کے پانی میں نہانے کے بعد دوسرے صاف پانی سے نہانے کی ضرورت رہتی ہے۔ کیونکہ بارش کے قطرے ہوا سے گذرتے وقت اس گرد سے جو ہوا میں ملی ہوتی ہے آلودہ ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے بارش کا پانی مٹ میلا ہوتا ہے۔ اور بدن پر گر کر بدن کے مساموں کو بند کر دیتا ہے۔

۷۔ بعض لوگ سقوں سے مشکیں بھروا کر اپنے جسم پر چھڑوا کر غسل کراتے ہیں۔ نہاتے وقت اگر پہلے ہاتھ پیر دھوئے جائیں اور بعد میں سر پر پانی ڈالا جائے تو بہت اچھا ہے۔ نہانے کے بعد فوراً بدن پوچھ ڈالنا چاہئے۔

انسان کی زندگی میں تین غسل نہایت اہم ہیں، پہلا غسل پیدائش کے وقت دوسرا غسل شادی کے وقت اور تیسرا غسل جب انسان مرجاتا ہے۔ غسل کی اہمیت اس قدر ثابت ہے کہ دنیا میں آتے ہی غسل ہوتا ہے اور پھر دنیا سے جاتے ہوئے بھی ضروری ہے

(احمد علی استاد تعلیمی مرکز نمبر ا جامعہ ملیہ دہلی)

اخلاقی جواہرات

کسی سے وعدہ نہ کرو۔ اگر وعدہ کرلو تو پھر پورا بھی کرو، ورنہ دوسروں کی نگاہ میں ذلیل ہو جاؤ گے

آج کا کام کل پر مت چھوڑو، شاید دوسرے دن نہ کرسکو، اور وہ دن بھی یوں ہی ختم ہو جائے

ہر ایک کام میں خدا پر بھروسہ رکھو، اسی سے کے طالب بنو، لیکن پہلے خود کوشش کرو۔

اگر چاہو کہ دنیا میں کسی کے محتاج نہ ہو تو علم جیسی دولت حاصل کرو۔ یہی دولت تمھیں ہر چیز سے بے نیاز بنا سکتی ہے۔

دنیا تمھارے لئے جنت ہے، بہ شرطیکہ تم اپنے والدین اور استادوں کا دل سے کہنا مانو، اور اس پر عمل بھی کرو۔

صحبت کا اثر ضرور پڑتا ہے لہذا بری صحبت سے گریز کرو۔

جھوٹ بولنے کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے اس سے پرہیز کرو۔

کبھی ناامید نہ ہونا چاہیے کیسی ہی مشکلات اور تکالیف سے سابقہ کیوں نہ پڑے۔

اگر تمھیں کبھی ایسے دوست کی تلاش ہو۔ جو صحیح معنوں میں تمھارا حقیقی دوست کہا جاسکے تو اپنے تجربوں کا امتحان لو۔۔۔ جو تمھارے امتحان میں پورا اترے اسے اپنا حقیقی دوست سمجھو۔ (عزت علی صدیقی (رام پور)

پہیلیاں

(۱)

رشتہ میری حیات کا بالشت بھر کا ہے
اور تن پہ میرے گوشت کسی جانور کا ہے
سوز و گداز سے ہوں سراسر بھری ہوئی
بجھتی ہے آکے پاؤں میں سر کی لگی ہوئی

(موم بتی)

(۲)

کیا جانو وہ کیا ہے جیسا دیکھو ویسا ہے

(آئینہ)

(۳)

ایک کنوئیں میں نو، دس پریاں
جب دیکھو سر جوڑے کھڑیاں
جب کھولی کنوئیں کی پٹ
جی میں آئی کر جاؤں چٹ

(نارنگی)

(۴)

یہاں نہیں وہاں نہیں خانم کے بازار نہیں
چھیلو تو چھلکا نہیں، چوسو تو گٹھلی نہیں

(اولے)

(۵)

زمیں میں نہیں، آسماں میں نہیں
زباں میں نہیں، قراں میں نہیں

(ستارے، قبر، ہڈی، جھوٹ)

(۶)

ہری ہری آلی، موتیوں کی جالی
چاند کی بہن سورج کی سالی

(اوس)

(سیدہ صغرا بیگم اٹاوہ)

انعامی معمے

معمہ نمبر ۱
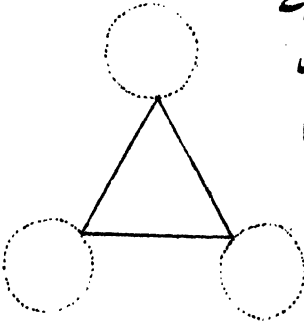
ایک شخص کے پاس ایک مثلث نما کھیت ہے جس کے تینوں ضلعے برابر ہیں۔ کھیت کے تینوں کونوں پر ایک ایک کنواں ہے۔ وہ شخص چاہتا ہے کہ کھیت کو بڑھا کر چار گنا کرے مگر نئے کھیت کی شکل بھی مثلث نما ہو جس کے تینوں ضلعے آپس میں برابر ہوں اور تینوں کنوئیں نئے کھیت کے کناروں پر رہیں۔ کیا یہ ممکن ہے؟

معمہ نمبر ۲
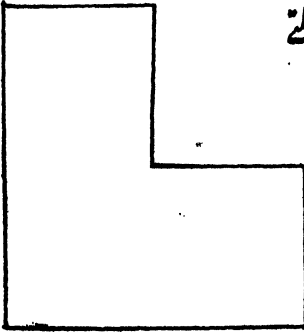
کیا اس شکل کو آپ ایسے چار ٹکڑوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جو ہم شکل ہوں اور برابر ہوں۔

(مرتبہ عبدالستار انصاری (علیگ))

شرائط داخلہ

۱۔ زیادہ صحیح جوابات آنے پر فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا
۲۔ ہر شخص خواہ رسالے کا خریدار ہو یا نہو اس میں حصہ لے سکتا ہے
۳۔ ہر ایک معمہ کے لئے الگ انعام دیا جائے گا۔
۴۔ حل کے ہمراہ ایک آنے کا ٹکٹ ضرور آنا چاہیئے
۵۔ دونوں معموں کے صحیح جواب پر رسالہ ہونہار چھ ماہ کے لئے جاری کر دیا جائے گا۔

دفتر رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی

کھٹمل کی کہانی

یوں تو میرے دشمن بہت ہیں جو طرح طرح سے مجھے برباد کرتے ہیں، چوہے، جھینگر، تیل چٹے، چیونٹے، سب ہی مجھ کمبخت کو کھانے کی فکر میں رہتے ہیں، مگر سب سے زیادہ میرا دشمن انسان ہے، وہ ہر وقت میری جان کے پیچھے پڑا رہتا ہے، اور زیادہ نقصان پہنچاتا ہے کوئی میرے کاٹنے سے گھبراتا ہے، کوئی میری بدبو سے نفرت کرتا ہے۔

میرے کاٹنے سے بعض لوگوں کے بدن پر چند منٹ میں چھوٹے چھوٹے ددوڑے پڑ جاتے ہیں اور صبح تک غائب ہو جاتے ہیں، بعض لوگوں پر میرے کاٹنے کا بارہ بارہ گھنٹے تک کچھ اثر نہیں ہوتا، مگر پھر یکایک سوجن اور کھجلی معلوم ہوتی ہے اور یہ تکلیف کئی کئی دن تک رہتی ہے۔

میرے کاٹنے کی کھجلی دفع کرنے کے لئے ٹنکچر آیوڈین، ہیزلین، ہائیڈروجن پراک سائڈ ایمونیا، نوشادر اور چونا ملا ہوا، میٹھا تیل منتھول کی مالش بہت مفید ہے

پہلے زمانے میں ہم جس گھر میں بھی پہنچ جاتے تھے، وہاں سے پھر ٹلنا نہیں جانتے تھے۔ ہمارا خاندان برسوں وہیں پھولا پھلا کرتا تھا، جب تک ہم اپنے گھروں میں چھپے رہتے تھے ہم کو اپنی جان کا کوئی خطرہ نہ ہوتا تھا۔ مگر جب سے ڈاکٹروں نے یہ بات معلوم کی ہے کہ کھٹمل بہت سی بیماریاں بھی پھیلاتا ہے مثلاً

پلیگ، دق، کالا بخار۔ میعادی بخار، کوڑھ موتی جھلا، ہی نہیں بلکہ اور بہت سی جلدی اور آنتوں کی بیماریاں ایک آدمی سے دوسرے آدمی میں کھٹمل کے ذریعہ سے پھیلتی ہیں، اس وقت سے لوگ ہماری جان کے اور بھی دشمن ہو گئے ہیں، ہم خواہ کہیں جا چھپیں ہماری تلاش میں رہتے ہیں، اور ہم کو مار ڈالنے کی نئی نئی ترکیبیں سوچا

کرتے ہیں ،

اکثر لوگ ابلا ہوا پانی ہماری رہنے کی جگہوں پر ڈالتے ہیں ، اور اگر گرم پانی کے اثر سے ان کی چیز کو نقصان پہنچتا ہے تو تین حصے صابن پندرہ حصے گرم پانی میں حل کر لیتے ہیں ، اور اس میں (جب کہ پانی کی حرارت باقی ہوتی ہے) رفتہ رفتہ ۷۰ سے ۱۰۰ حصہ تک مٹی کا تیل ملا لیتے ہیں پھر اس کو خوب ہلاتے ہیں اور اس طرح ایک دوا تیار کر کے رکھ لیتے ہیں ۔ جب ضرورت ہوتی ہے ایک حصے دوا میں پندرہ سے بیس حصے تک پانی ملا کر ایک برش یا پچکاری سے استعمال کرتے ہیں ، چار چار یا پانچ پانچ دن کے وقفہ سے اس کا استعمال ہم کو بالکل مار ڈالتا ہے ایسے کمروں میں جہاں کتابیں یا دوسری نہ بھیگنے والی چیزوں کو پانی سے بھی نقصان پہنچتا ہو ۔ گندھک کا دھواں دیتے ہیں ، کمرہ کی تمام کھڑکیاں دروازے اور سوراخ بند کر کے ڈیڑھ سیر ۔ گندھک ۔ میں آدھ سیر شورا ملا کر جلاتے ہیں اتنی مقدار ایک معمولی کمرہ (تقریباً ۱۰ فیٹ لمبا چوڑا ، اونچا) کے لئے کافی ہوتی ہے اور پھر یہ ۔ احتیاط کرتے ہیں کہ کسی چیز میں آگ نہ لگ جائے اور سنہری ، روپہلی چیزیں نزدیک نہ ہوں ۔ کیوں کہ اس قسم کی چیزیں گندھک کے اثر سے کالی اور خراب ہو جاتی ہیں اور کمرہ کو چوبیس گھنٹے متواتر بند رکھتے ہیں جس سے ہمارے تمام خاندان والے مر جاتے ہیں ۔

غرض لوگ طرح طرح سے ہمارے مار ڈالنے کی تدبیریں سوچا کرتے ہیں ، اور ہم کو روزانہ لاکھوں کروروں کی تعداد میں مار ڈالتے ہیں ۔ لیکن پھر بھی ہم لاکھوں کروروں کی تعداد میں موجود ہیں ۔ اور ہمیں امید ہے کہ اس دنیا میں کی طرح ہم بھی ہمیشہ رہیں گے ۔

میرا گھر

۔ اب ذرا میری زندگی کے حالات سنئے جن کو سن کر آپ کو بڑا تعجب ہوگا ، میں ہندوستان ہی میں نہیں رہتا بلکہ قریب قریب دنیا کے تمام ملکوں میں پایا جاتا ہوں ، خاص کر گرم ملکوں میں تو میری نسل بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے ۔

شکل و صورت

میری شکل و صورت کسی سے چھپی نہیں۔ میں چپٹا اور لمبا ہوتا ہوں۔ بدن چمک دار ہوتا ہے، اور اس پر چھوٹے چھوٹے سخت روئیں ہوتے ہیں، میری لمبائی قریب قریب پونے ایک انچ اور چوڑائی لمبائی سے آدھی ہوتی ہے۔ رنگ گہرا کشمشی ہوتا ہے اور میرے بدن کے تین حصے ہوتے ہیں۔

سر سینہ پیٹ

سر ۔ چھوٹے مگر چوڑے سر میں دو بڑی بڑی آنکھیں جن میں سے ہر ایک سینکڑوں بہت چھوٹی چھوٹی آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہ آنکھیں باہر کی طرف اس قدر نکلی ہوئی ہوتی ہیں کہ سامنے کے علاوہ اِدھر اُدھر بھی بہت دور تک دیکھ لیتا ہوں اور اپنے دشمن کے حملہ سے بچ سکتا ہوں۔ آنکھوں کے پاس ہی دو چھوٹے چھوٹے سینگ سے نکلے ہوتے ہیں، جو مجھے راستہ ٹٹولنے میں مدد دیتے ہیں۔ سر کے نیچے والے حصے میں ایک پتلی نلی ہوتی ہے اور نیچے ہی نیچے اس نلی کے ذریعے سے میں انسان کا خون چوستا ہوں۔

سینہ ۔ سینہ میں چھ ٹانگیں نکلی ہوتی ہیں، جس طرح انسان کی ٹانگ کے ران میں، پنڈلی ٹخنہ، پنجہ وغیرہ مختلف حصہ ہوتے ہیں، اسی طرح میری ٹانگوں میں بھی ہوتے ہیں، اور آخری حصے میں دو ہک یا آنکڑے لگے ہوتے ہیں۔ ان ہکوں کے ذریعے سے میں اپنی جگہ کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہوں،

پیٹ ۔ لمبائی چوڑائی میں زیادہ ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میرے بدن کا بہت زیادہ حصہ میرا پیٹ ہی ہوتا ہے۔ مادہ اور نر کی پہچان زیادہ تر پیٹ ہی کی بناوٹ سے ہوتی ہے۔ نر کا پیٹ لمبا اور پتلا، اور آخری حصہ نکیلا ہوتا ہے، مگر مادہ میں پیٹ کا حصہ چوڑا ہوتا ہے اور آخر جز و گول ہوتا ہے۔

عادات

میرے پر نہیں ہوتے مگر میری ٹانگیں بڑی تیزی اور پھرتی سے کام کرتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں نالیوں، نلوں، کھڑکیوں

اور دیواروں کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی پہونچ جاتا ہوں، اکثر اوقات کپڑوں بستروں صندوقوں اور دوسرے سامان کے ساتھ بھی منتقل ہوجاتا ہوں، اور اگر ضرورت ہو تو اپنی رہنے کی جگہ سے ۵ گز کے دور تک کے آدمی کا خون چوس کر راتوں رات اپنی جگہ پھر لوٹ آتا ہوں۔

میں رات کے وقت کو اسی قدر قیمتی اور ضروری سمجھتا ہوں۔ جس قدر انسان دن کو، میرے تمام سفر رات کو ہوتے ہیں۔ اور پیٹ بھرنے کے لئے بھی رات ہی ہے۔ غرض کہ میرے لئے زندگی قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنے کا وقت رات ہی ہے، دن میں میں الماریوں، صندوقوں، کواڑوں کی درازوں میں یا چارپائیوں کی پٹیوں، چوہوں اور بناوٹ میں یا چھت گیریوں، کاغذات اور کتابوں میں پوشیدہ رہتا ہوں، اور شام کا اندھیرا ہوتے ہی موقع پاکر اپنے چھپنے کی جگہ سے نکلتا اور انسان کے کھلے حصّوں پر حملہ کرتا ہوں، بلکہ کبھی کبھی کپڑوں کے اندر بھی گھس جاتا ہوں۔

میری خوراک

آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ مجھ کو روزانہ خون چوسنے کی ضرورت نہیں ہوتی، میں ایک دفعہ جی بھر کے خون پی لیتا ہوں۔ اور پھر مجھ کو ہفتوں اور مہینوں دوبارہ پیٹ بھرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اور خاص بات یہ ہے کہ اتنے عرصہ تک بلا کھائے ہوئے رہنے پر بھی میری طاقت اور تیزی میں کوئی فرق نہیں آتا، میرے بعض رشتہ دار انسانی خون نہ ملنے پر چوہے، بلی، کتے، بندر اور خرگوش کا خون پی کر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔

میں خون کس طرح چوستا ہوں

میرا نیچے کا ہونٹ ایک نلی کی صورت میں ہوتا ہے، اس نلی کے ذریعہ میں اپنی غذا حاصل کرتا ہوں۔ یہ نلی سینہ کے نیچے ٹانگوں کے اول جوڑے کے درمیان بدن سے لگی رہتی ہے خون پینے کے وقت نلی سیدھی کر لیتا ہوں، اور پہلے اس کی نوک سے ٹٹول کر اپنے شکار کے جسم پر ایک مناسب

اور نرم جگہ تلاش کرتا ہوں ، اور پھر نلی کی نوک کو جلد میں چبھوکر خون چوسنا شروع کر دیتا ہوں عموماً ۳ - ۴ منٹ سے ۱۰ منٹ کے عرصہ میں اپنا پیٹ بھر لیتا ہوں ، پھر نلی کا سرا جلد سے نکال کر ایک خول میں چھپا لیتا ہوں ، اور اس کے بعد بڑی پھرتی سے اپنی جگہ واپس چلا جاتا ہوں -

میں بیماریاں کس طرح پھیلاتا ہوں؟

ڈاکٹر کہتے ہیں بیمار کے خون میں بیماری کے کیڑے ہوتے ہیں ، یہ اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ بلا خوردبین کی مدد کے کوئی ان کو دیکھ نہیں سکتا - بیمار آدمی کا خون پیتے وقت خون پینے کی نلی میں - کچھ کیڑے چپٹ جاتے ہیں اور جب کبھی وہ دوسرے شخص کا خون چوستا ہے تو نلی میں لگے ہوئے کیڑے اس شخص کے خون میں مل جاتے ہیں وہاں کچھ دنوں میں ان کی نسل بڑھ جاتی ہے - اور اس شخص کو بھی وہی بیماری ہو جاتی ہے ، میں کہتا ہوں ، اچھا صاحب مانا کہ یہ سب بیماریاں میرے ہی ذریعے سے پھیلتی ہیں ، مگر اس میں میرا قصور کیا - مجھ کو بھوک لگتی ہے خون چوستا ہوں - مجھے کسی سے دشمنی نہیں ، عداوت نہیں میں تو اپنا پیٹ بھرتا ہوں - کوئی اچھا ہے تو مجھے کیا فائدہ ، اور جو بیمار ہو جائے تو مجھے کیا نقصان - بیمار ہو یا اچھا ، بوڑھا ہو یا بچہ میری جان کے سب دشمن ، اور میرے خون کے سب پیاسے ، جہاں دیکھیں گے ذرا نہ چوکیں گے

میری زندگی کے مختصر حالات

میری مادہ انڈے دیتی ہے ، انڈے سفید گول اور کچھ لمبے ہوتے ہیں ، لمبائی آدھے تل کی برابر ہوتی ہے ، اور سرے پر کالر نما ایک چھلا انڈے کے چاروں طرف ہوتا ہے ، دراصل اس مقام پر انڈا جو پیالہ نما ہوتا ہے اپنے ڈھکن سے جڑتا ہے ، اور بچہ اسی ڈھکن کو دھکا دے کر نکلتا ہے - انڈے دیواروں اور چارپائیوں کی درازوں میں دئے جاتے ہیں - جس وقت مادہ کے رحم سے انڈے نکلتے ہیں اس وقت ایک رقیق چپکدار چیز میں سنے ہوئے ہوتے ہیں - مگر یہ گیلی چیز جلد سوکھ جاتی ہے ، اور انڈے آپس میں اور نیز اس کی سطح سے جس

پر وہ دیئے گئے ہیں چپک جاتے ہیں چھلکے کے قریب ہی دونوں جانب دو گلابی رنگ کے بہت چھوٹے، دھبے ہوتے ہوتے ہیں، یہ دھبے انڈے کے اندر والے بچہ کی آنکھوں کے باہری نشانات ہیں، بچہ میں انڈے کے اندر آنکھوں کا ہونا کوئی انوکھی بات نہیں، کیوں کہ بچہ انڈے کے اندر ماں کے پیٹ ہی میں بہت بڑا ہو جاتا ہے، اگر موسم مناسب ہو تو مادہ ایک دن میں ایک سے لے کر دس انڈے تک دیتی ہے ایک ہفتہ سے تین ہفتہ کے عرصے میں چھوٹا بچہ ڈھکن توڑ کر انڈے سے باہر نکل آتا ہے اور اپنے ماں باپ سے سوائے قد و قامت کے بہت کچھ ملتا ہوا ہوتا ہے آنکھیں سرخ ہوتی ہیں چپٹا کم ہوتا ہے موچھیں یعنی سینگ ہوتے ہیں بچہ فوراً ہی اپنی غذا تلاش کر لیتا ہے لیکن غذا نہ ملنے پر بھی کئی کئی ہفتہ زندہ رہتا ہے پورا بڑا ہو جانے سے قبل پانچ مرتبہ سانپ کی طرح کینچلی بدلتا ہے ہر مرتبہ پوست اترنے پر گہرا رنگ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں ماں باپ کی طرح سیاہی مائل کشمشی ہو جاتا ہے۔ موافق موسم میں انڈے نکلنے میں بچہ کو قریب ایک ہفتہ لگتا ہے، بچہ کو شکم مادر سے نکل کر مکمل کھٹمل بننے میں تقریباً سات ہفتے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اگر موسم مناسب نہ ہو تو زیادہ عرصہ لگتا ہے۔

یہ ہے میری زندگی کی مختصر کہانی۔ اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو ذرا موقع پا کر باتوں ہی باتوں میں میرا کام تمام کر ڈالو۔ آخر ہو تو میرے دشمن ہی۔ دشمنوں کے پاس زیادہ ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔

(خواجہ حمید الدین پوری)

حامد کا خواب

(از شوکت علی بی، اے، اسسٹنٹ ماسٹر چارج اسلامیہ ہائی اسکول گورکھپور)

یوں تو حامد کو خدا کی دی ہوئی ہر نعمت حاصل تھی فارغ البال اور خوش حال والدین کے زیر سایہ اس کی پرورش ہوئی تھی، اور ایک ہی اولاد ہونے کی وجہ سے انتہائی ناز و نعم سے پالا گیا تھا، خدا نے اسے دماغ بھی ایسا عطا کیا تھا کہ پانچ ہی سال کی عمر میں اس نے قرآن شریف ختم کر کے انگریزی اور اردو کی تعلیم شروع کر دی تھی وہ اب آٹھویں جماعت میں تعلیم حاصل کر رہا تھا ساتویں درجے تک تو وہ تمام لڑکوں سے سبقت لے جاتا تھا لیکن آٹھویں جماعت میں آتے ہی خدا جانے اس کے جسم میں کون سا گھن سمایا کہ وہ آئے دن بیمار رہنے لگا۔ اور اس لئے اسکول میں

بھی بہت خراب لڑکوں میں شمار ہونے لگا، کیوں کہ سہ ماہی امتحان میں اس کا نتیجہ نہایت ہی خراب رہا، اُس کو پڑھنے کا شوق ضرور تھا لیکن ہر روز کی بیماری نے اس کی تعلیم میں رخنہ پیدا کر دیا، اور باوجود مشہور ڈاکٹر اور اطبا کے علاج کے وہ تندرست نہ ہوا، آج دانتوں میں درد ہے تو کل بدہضمی کی شکایت ادھر پیچش کم ہوئی تو میعادی بخار نے آ دبایا غرضیکہ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ حامد کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

ایک دن اُس کے سر میں شدید درد شروع ہوا، اور وہ اسکول ختم ہونے سے پہلے ہی چلا آیا، ڈاکٹر بلائے گئے دوا سے کچھ افاقہ ہوا اور حامد کو نیند آ گئی، نیند کی حالت میں اس نے خواب دیکھا وہ شہر میں ایک شاندار عمارت میں کھڑا ہے جو دیکھنے سے کوئی عدالت معلوم ہوتی ہے، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مقام کا نام صحت آباد ہے اور یہ صحت آباد کی ہائی کورٹ ہے، اتنے میں ایک شخص نہایت کروفر کے ساتھ آتا ہوا دکھائی دیا اس کے لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چیف جسٹس ہے اور واقعی اس کے عدالت میں پہنچتے ہی ہر فرد پر عجیب رعب طاری ہو گیا سب کے سب تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب وہ بیٹھ گیا تو عدالت کی کارروائی شروع ہوئی سامنے چند قیدی لڑکے پولیس کی حراست میں کھڑے تھے ان میں سے ایک جج کے سامنے پیش کیا گیا

جج نے باسط کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد پیش کار سے سوال کیا، "اس نے کون سا جرم کیا ہے"

پیش کار "حضور یہ لڑکا کھانا کھانے کے قبل اپنے ہاتھ نہیں دھوتا"۔

جج "کیوں باسط! میلے کچیلے ہاتھوں سے تو کھانا کھایا کرتا ہے تمام دن انھیں ہاتھوں سے دنیا بھر کی چیزیں پنسل، قلم، چاقو کپڑے وغیرہ چھوتا ہے جن پر ہزارہا جراثیم موجود رہتے ہیں جو کھانے کے ساتھ پیٹ کے اندر چلے جاتے ہیں اچھا تیری سزا یہ ہے کہ میں میعادی بخار کے جراثیم تیرے ساتھ کئے دیتا ہوں بس یہ بخار تجھ کو سکھلا دے گا کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا چاہیئے یا نہیں"۔

یہ سن کر باسط کے ہوش و حواس بجا نہ رہے لیکن شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے پولیس کے ہمراہ چلا گیا، اور اس کی جگہ پر دوسرا لڑکا قیوم کھڑا کیا گیا، جج کی نظر اس پر پڑتے ہی اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا، جج نے کہا تم رات کو سوتے وقت اپنے دانت صاف نہیں کیا کرتے، کیوں؟ قیوم خاموش کھڑا رہا۔ "خاموش کیوں ہو؟" جج نے سخت لہجہ میں کہا، "جواب دو"۔ قیوم نے روتے ہوئے "جی" کہہ دیا۔

"ٹھیک" جج نے کہا، تم کھانے کے چھوٹے چھوٹے

اجزا اپنے دانتوں میں رات بھر سڑنے دیتے ہو، جو آخر کار
مسوڑوں میں سوراخ بنا دیتے ہیں، اچھا تمھاری سزا یہ ہے
کہ چند دن دانتوں میں درد ہو، تاکہ آئندہ پھر بغیر دانت
دھوئے ہوئے بستر پر نہ جاؤ۔......... اچھا اسے لے جاؤ۔
غضنفر تیسرا قیدی تھا جو سامنے لایا گیا اور اس کا جرم یہ
تھا کہ وہ صبح اور شام کو مٹھائی بہت کھایا کرتا تھا "غضنفر" جج
نے کہا "اگر تم اسی طرح دن بھر مٹھائی کھایا کرو گے تو یاد رکھو
بدہضمی عمر بھر تمھارا ساتھ نہ چھوڑے گی اور جب بڈھے ہو گے تو
پھر دنیا کی ہر چیز کھانے سے محروم ہو جاؤ گے...... اچھا بدہضمی کے
چند دورے تم کو سبق دینے کیلئے کافی ہیں بس یہی تمھاری سزا ہے"
اس وقت بقیہ قیدی خوف کے باعث کانپ رہے تھے،
اور جب "مبارک" جج کے سامنے لایا گیا تو اسکی روح فنا ہو گئی
کہئے جناب جج نے کہا "آپ بارش میں خوب ادھر ادھر
گھوما کئے تہیں یاد رکھئے ایک دن ایسا آئے گا کہ اگر آپ چاہیں
بھی تو گھومنے کے لئے باہر نہیں نکل سکتے، اچھا لے جاؤ اس کو
کٹھیا کی زنجیروں میں ایک ہفتے کے لئے جکڑ دو۔"
اب مشتاق کی باری تھی جج نے اس پر عتاب کی نظر
ڈالتے ہوئے کہا "آپ نے تازہ ہوا سے روگردانی کی
ہے صرف اتنی سی بات کے لئے کہ کہیں سردی نہ لگے آپ

کمرہ کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے سوتے ہیں اور
وہ تمام تازہ ہوا جو انسان کو تندرست رکھنے اور اس
کی نشو ونما کے لئے بنائی گئی ہے اندر آنے ہی نہیں دیتے
اچھا تو کام تم کو بتا دے گا، دروازے اور کھڑکیاں
کھلے رکھنے کی کیوں ضرورت ہے، جائیے تشریف
لے جائیے، آپ کی سزا زکام ہے، اور شدید زکام۔"
دوسرا قیدی سامنے آیا ہی تھا کہ حامد کی
آنکھ کھل گئی، تو وہ اپنے بستر پر پڑا تھا اور خوف
سے کانپ رہا تھا، لیکن خواب نے اُسے بتا دیا
کہ اس کے تمام امراض کے اسباب کیا ہیں
اس دن سے اس نے صحت آباد کے قوانین کی
پابندی نہایت سختی سے شروع کر دی اور
ایک ہی مہینہ میں تندرست ہو گیا اور اس
کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ صرف سالانہ امتحان ہی میں
اچھے نمبروں سے پاس نہیں ہوا، بلکہ وظیفہ
کے امتحان میں بھی سارے صوبے میں اول
آیا۔　　　عزیز (گورکھپور)

بچوں کے لئے نصیحتیں

(از لالہ تلوک چند صاحب محروم)

جو لوگ کہ ماں باپ کی خدمت نہیں کرتے
حاصل وہ کسی طور مسرت نہیں کرتے۔

جو اپنے بزرگوں کی اطاعت نہیں کرتے
حاصل کبھی دنیا میں سعادت نہیں کرتے

ملتی ہے محبت ہی محبت کے عوض میں
ناداں ہیں جو اوروں سے محبت نہیں کرتے

اچھوں سے الجھتے ہیں وہ اکثر جو برے ہیں
اچھے تو بروں کی بھی شکایت نہیں کرتے

سمجھے ہوئے ہیں حاضر و ناظر جو خدا کو۔
ہرگز وہ برے کام کی جرأت نہیں کرتے

ہیں قابلِ نفرت نہ کرو بات بھی ان سے
جو لوگ بری بات سے نفرت نہیں کرتے

جو کرتے ہیں ہر کام میں اک شوق سے محنت
خوش رہتے ہیں اور شکوۂ قسمت نہیں کرتے

راحت کے طلبگار ہیں جو لوگ، سمجھ لو۔
حاصل وہ کسی طرح سے راحت نہیں کرتے

منہ ڈالتے ہیں اپنے گریباں میں جو اکثر
سختی سے وہ اوروں کو ملامت نہیں کرتے

طوطے ہیں کہ پڑھ جاتے ہیں پر رہتے ہیں حیواں
یاں علم سے جو کسبِ شرافت نہیں کرتے

دیکھا ہے کہ وہ علم سے رہ جاتے ہیں محروم
استاد کی جو اپنے اطاعت نہیں کرتے

ایک ہونہار لڑکی کی کہانی

(گذشتہ سے پیوستہ)

اُس نے دیکھا کہ یہاں کوئی نظر نہیں آتا لہذا آواز دی، مگر جواب ندارد، پھر وہ سوچنے لگا کہ اب میں زیادہ انتظار نہ کروں گا اور کھانا کھانے بیٹھ گیا، اس کے بعد وہ دوسرے کرہ میں گیا، جہاں اس کو پلنگ ملا، جس پر اس نے رات بھر آرام کیا، صبح ہوتے ہی وہ پلنگ پر سے اٹھ کر کیا دیکھتا ہے کہ اس کے پہننے کے لئے عمدہ اور نئے کپڑے رکھے ہیں۔ اس نے خوش ہو کر کپڑے پہنے اور بڑے کمرے کی طرف گیا۔ جہاں اس کے لئے کھانا تیار تھا اس نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا، پھر وہاں سے ٹہلتا ہوا باغ چلا گیا۔ وہ سیر کر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک گلاب کے درخت پر پڑی جو پھولوں سے لدا ہوا تھا اس نے سوچا کہ یہاں سے روزی کے لئے پھول مل جائیں گے اس نے مجھ سے ایک پھول لانے کو کہا تھا، چنانچہ اس نے ایک پھول توڑ لیا۔ جیسے ہی اس نے پھول توڑا ایک بہت بڑا خوفناک جنگلی جانور درختوں میں سے کود کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کہا کہ میں نے تم کو کھانے کے لئے کھانا اور سونے کے لئے بستر اور پہننے کے لئے نئے کپڑے دئے لیکن تم نے میرے لئے کیا کیا؟

اس کے علاوہ تم نے میرے گلاب کے درخت سے پھول توڑ لیا، اس لئے تم زندہ نہ بچوگے۔ بچارا بڈھا ڈر کر چلا یا۔ گڑگڑا کر کہنے لگا کہ مجھے مہربانی سے اتنا وقت دو کہ میں یہ پھول روزی کو دے کر واپس آجاؤں اس نے کہا "روزی کون؟ بڈھے نے جواب دیا کہ وہ میری سب سے چھوٹی لڑکی ہے جو مجھ سے بہت محبت رکھتی ہے اگر تم مجھ کو مار ڈالوگے تو اس کو اتنا صدمہ ہوگا کہ وہ زندہ نہ بچے گی۔ جنگلی جانور نے کہا کیا واقعی تمہاری لڑکی تمہارے لئے مرجائے گی۔ اچھا تم ایک مہینہ کے لئے جا سکتے ہو اس کے بعد تمھیں اسی

جگہ واپس آجانا چاہئے یا تمہارے بجائے روزی آجائے بڈھے نے کہا تم اس کو مار نہ ڈالنا کیوں کہ وہ بہت اچھی اور خوبصورت لڑکی ہے، اس نے جواب دیا اچھا تم یہ گلاب کا پھول لے جاسکتے ہو لیکن ایک ماہ بعد روزی کو بھیج دینا جنگلی جانور یہ کہہ کر درختوں میں واپس چلا گیا۔ اور روزی کا باپ غمگین اپنے مکان واپس ہو گیا۔ آخر کار لڑکیوں کے باپ نے مکان پہنچ کر وہ چیزیں جو اپنے ہمراہ لایا تھا تینوں لڑکیوں کو دیں فیضی اور ایزی بہت خوش ہوئیں لیکن اچھی روزی نے دیکھا کہ اس کا باپ خوش نظر نہیں آتا۔ روزی سے نہ رہا گیا اور وہ اپنے باپ کے پاس گئی اور کہا میرے پیارے ابا ایک عرصے سے آپ کو غمگین دیکھ رہی ہوں کیا آپ سے اس کی وجہ دریافت کر سکتی ہوں؟

باپ نے عرصہ تک اس سے کچھ نہ کہا، وہ اکثر پوچھتی رہی آخر اس ضعیف باپ نے کہا کہ یہ میری زندگی کا آخری مہینہ ہے جس میں میں تم سے چھوٹ جاؤں گا۔ پھر اس نے عالی شان مکان اور جنگلی جانور کے متعلق پورا حال بیان کیا۔ اس نے کہا ہے کہ ایک ماہ بعد تم کو آجانا چاہئے یا اپنی جگہ روزی کو بھیجا دینا۔ لڑکی نے جواب دیا میں ضرور آپ کے ساتھ چلوں گی اگر آپ نہ لے گئے تو میں تنہا چلی جاؤں

گی، یہاں تک کہ وقت آگیا اور اس کے باپ نے گھوڑا تیار کر لیا۔ اور دونوں باپ بیٹی اس پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے، چونکہ راستہ طویل تھا اس لئے شام تک یہ لوگ منزل مقصود تک نہ پہنچے، اور ان کو باغ میں کسی قدر روشنی دکھائی دی اور عالی شان مکان کو روشنی سے منور پایا اور مکان کے خوبصورت ہال میں ان کے لئے کھانا تیار تھا، اور پھول میز پر رکھے تھے۔ یہ دونوں کھانا کھا کر بستر پر جا کر سو رہے روزی صبح ہوتے ہی اٹھ بیٹھی اور دیکھا کہ کوئی شخص بہت سے کپڑے اس کے بستر کے قریب رکھ گیا وہ حیران تھی کیوں کہ کپڑے اتنے اچھے تھے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون سا جوڑا پہنے کچھ دیر کے بعد اس نے ایک جوڑا لے کر پہن لیا اور پھر دونوں باغ کی طرف گئے۔

اس کے باپ نے گلاب کے وہ درخت دکھائے جہاں جنگلی جانور تھا۔ اور پھر وہ دونوں اس کا انتظار کرنے لگے اتنے میں ایک خوفناک آواز سنائی دی۔ اس کے بعد وہ جانور ان دونوں کے سامنے آموجود ہوا۔

روزی ڈری۔ اور اس نے جانور کی آنکھوں کی طرف دیکھا، جو اس کو مہربانی اور محبت سے بھری معلوم ہوئیں۔ لڑکی نے خیال کیا۔ کہ یہ بہت اچھا جانور ہے۔ اور یہ مجھ کو ہرگز نہ ستائے گا جنگلی جانور نے کہا کہ۔ روزی میں تم کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ پھر اس کے باپ سے کہا کہ اچھا تم چلے جاؤ۔ روزی میرے ساتھ تنہا رہے گی۔

باپ نے پیاری بیٹی کی طرف دیکھا۔ اور کہا کیا میں چلا جاؤں، اس نے کہا کہ ہاں آپ جائیے اور مطمئن رہیے، کیوں کہ میں نے اس کی نظروں سے محسوس کیا کہ یہ بہت اچھا جانور ہے۔ یہ سن کر اس کا باپ چلا آیا۔ اور جانور بھی درختوں میں غائب ہوگیا، اور اب بے چاری روزی تنہا رہ گئی، روزی وہاں سے اس خوبصورت مکان میں واپس گئی، اور تمام کمروں میں۔ گھومی، وہ جس کمرہ میں جانا چاہتی تھی اس کے دروازے خود ہی کھل جاتے تھے، روزی نے کمروں میں جاکر دیکھا کہ۔ اس کے لئے ہر قسم کی عمدہ چیزیں کمروں میں رکھی ہوئی ہیں۔

جب یہ تمام کمرہ دیکھ چکی۔ تو پھر ہال میں واپس آکر بیٹھ گئی، اور کہنے لگی کہ میں ایک کتاب پڑھنے کے لئے چاہتی ہوں کیا کتاب مل سکتی ہے؟

اتنے میں ایک آواز سنائی دی کہ ہاں۔ حالانکہ وہاں کوئی موجود نہ تھا، لیکن فوراً ایک کتاب اس کی میز پر آگئی، جس پر لکھا تھا کہ "روزی کو جنگلی جانور کی طرف سے محبت کا تحفہ قبول ہو"۔ جب رات ہوئی تو روزی اپنے کمرہ میں کتاب پڑھنے بیٹھی، اس وقت یہاں اُس کو بہت شور سنائی دیا۔ اس کے بعد اس نے دیکھا کہ جنگلی جانور اس کے سامنے کھڑا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ کیا یہ اچھی جگہ ہے؟۔

روزی "جی ہاں"۔ جانور "کیا تم کو کپڑے پسند آئے"؟ روزی "ہاں۔ آپ کا شکریہ"، جانور "کیا یہ اچھی کتاب ہے"؟ روزی۔ بے شک" جانور "کیا تم یہاں رہنا پسند کرتی ہو"؟ روزی "جی ہاں، آپ کی تمام عنایتوں کا شکریہ" کچھ دیر کے بعد جانور نے کہا کہ "کیا تم میرے ساتھ شادی کرنا پسند کروگی"؟ روزی

خوف زدہ ہو کر اور چلّا کر بھاگی، جانور نے کہا کہ تم بھاگو نہیں، صرف اتنا بتاؤ کہ تم میرے ساتھ شادی کروگی یا نہیں"؟۔

روزی نے جواب "دیا کہ نہیں"۔ جانور یہ سن کر غمگین واپس چلا گیا۔ اب جب کبھی روزی رات کو کمرہ میں بیٹھتی۔ تو وہ جانور آجاتا اور وہی سوال کرتا، جو پہلے کر چکا تھا، روزی بھی ہمیشہ انکار کرتی رہتی اور وہ غمگین ہو کر چلا جایا کرتا

روزی کو یہاں رہتے ایک مہینہ ہو گیا تو اسے خیال ہوا کہ میرا باپ خیال کرتا ہوگا کہ میں مر گئی، لہذا اب مجھے اس کو جا کر دیکھنا چاہیے۔ ایک دن رات کو روزی نے جانور سے کہا کہ میں اپنے عزیز باپ کو جا کر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس نے جواب دیا۔ اچھا جاؤ، لیکن ایک ماہ بعد واپس آجانا۔ روزی نے شکریہ ادا کر کے کہا کہ میں ایک ماہ بعد ضرور آجاؤں گی، دوسرے دن صبح کو روزی نے دیکھا کہ ایک گھوڑا اس کی سواری کے لئے دروازہ پر کھڑا ہے۔ وہ اس پر سوار ہو کر باپ کے مکان کی طرف روانہ ہو گئی

باپ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ روزی اپنے گھر بہت دن رہی، اور یہ زمانہ بہت خوشی سے گذرا، یہاں تک کہ ایک ماہ گذر گیا لیکن اس کو جنگلی جانور یاد نہ آیا، اسی طرح دو مہینے گذر گئے، اور اس کو ابھی تک اپنا وعدہ یاد نہ آیا، آخر کار جب تیسرا مہینہ بھی ختم ہو گیا، تو روزی کو یاد آیا، اور وہ کہنے لگی کہ اب مجھے جانور کے پاس ضرور پہونچنا چاہیے۔ کیوں کہ میں اس سے وعدہ کر چکی ہوں، کہ ایک ماہ بعد واپس آجاؤں گی لیکن افسوس کہ اتنے عرصہ تک مجھے یاد نہ آیا، خیر۔ روزی باپ سے رخصت ہو کر گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئی، اور رات بھر چلتی رہی۔ راستہ بھر اس کو جانور کا خیال رہا۔ کہ میں اس کو بھول گئی۔ حالانکہ وہ بہت ہی اچھا جانور ہے۔

جیسے ہی صبح نمودار ہوئی اس نے اسی عالی شان مکان کو دیکھا۔ جس کے دروازے کھلے تھے، روزی جلدی سے دوڑ کر کمرہ میں گئی۔

تمام کمروں میں پھری۔ لیکن جانور نہ دکھائی دیا۔ روزی نے پکارا بھی مگر کوئی جواب نہ ملا، پھر وہ باغ تک گئی، اور جانور کو درخت کی جڑ سے پڑا ہوا دیکھ کر اس نے خیال کیا کہ۔ شاید یہ مر گیا۔ کیوں کہ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

روزی اس کے قریب گئی، اور پکار کر اس کو پیار کیا، جانور نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور کہا کہ میں خیال کرتا تھا کہ تم مجھے بھول گئی ہو اور اب کبھی واپس نہ آؤ گی اور نہ مجھ سے شادی کروگی، روزی محسوس کرتی تھی کہ یہ بے چارہ ہمیشہ مہربانی اور محبت سے پیش آتا ہے۔ اس لئے اس نے کہا کہ میں تم سے شادی کرلوں گی اگرچہ تم بدصورت جنگلی جانور ہو۔ لیکن ہو بہت ہی دلچسپ اور اچھی طبیعت و نیک نیت کے۔ اسی وقت ایک شور سنائی دیا۔ اور وہ جنگلی جانور اسی جگہ ایک خوبصورت شہزادہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا

شہزادہ نے اپنا قصہ اس طرح بیان کیا کہ ایک خراب پری نے مجھے جانور کی شکل میں تبدیل کر کے کہا تھا کہ جب تم سے کوئی۔ خوب صورت لڑکی شادی کرنے کو کہے گی تو اس وقت میں تمھیں اصلی شکل میں کر دوں گی

اس کے بعد ہونہار اور اپنے باپ کی چہیتی بیٹی کی شادی اس شہزادے سے ہو گئی اور خوشی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ لڑکی کا باپ بھی آگیا۔ اور اس کے مکان کے قریب رہنے لگا۔ مگر اس کی دونوں بہنیں، فیضی اور ایزی کسی دوسرے ملک میں چلی گئیں۔

روزی اب بھی شہزادے سے اکثر کہا کرتی ہے اگرچہ آپ میرے بہت ہی خوبصورت شہزادے ہیں۔ لیکن میں اپنے اچھے اور بدصورت جنگلی جانور کو اب بھی چاہتی ہوں

"اختر جمال"

خاکسار منزل جامعہ دہلی

اطلاع

ہونہار بھائیو! خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کرو ورنہ خط کا جواب جلد نہ مل سکے گا۔ "منیجر"

"با"

عقیل فضول خرچ بہت تھا اور قرض
لے کر واپس کرنا نہ جانتا تھا۔ اُس نے پھمی
مہاجن سے سو روپئے قرض لئے اور حسب
دستور ادائگی سے غافل ہو گیا۔ میعاد گذرنے
پر پھمی نے عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔
عقیل نے ایک وکیل کو، محنتانہ ٹھہرا کر
پیرو کار بنایا۔ وکیل نے عقیل سے کہا کہ
حاکمِ عدالت جب تم سے کوئی سوال کرے
تو تم سوائے "با" کے کوئی جواب نہ دینا۔
مقدمہ کی پیشی ہوئی عدالت نے سوال
کیا "عقیل کیا تم نے پھمی مہاجن سے روپئے
قرض لئے تھے"؟

عقیل نے جواب دیا "با"
حاکم نے کہا "شاید تم میری بات
نہیں سمجھے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ
کیا تم نے پھمی مہاجن سے سو روپئے
قرض لئے تھے؟
عقیل نے جواب دیا "با"
حاکم نے ناراض ہو کر کہا "کیا تم عدالت
سے مذاق کی جرأت کرتے ہو"؟
عقیل نے جواب دیا "با"
حاکم عدالت برہم ہو کر وکیل کی جانب
متوجہ ہوا۔ وکیل نے کہا "جناب یہ شخص
گونگا اور مخبوط الحواس ہے۔ ناممکن ہے کہ
سیٹھ پھمی جیسا عاقل شخص اُس کو سو روپئے
قرض دے"۔
مقدمہ خارج ہو گیا۔ عقیل عدالت
کے کمرے سے باہر آیا۔ پیچھے سے وکیل
نے آکر کہا "عقیل تم صاف بری ہو گئے
اب محنتانہ ادا کرو"
عقیل نے جواب دیا "با"
وکیل نے مسکرا کر کہا "اب زندگی بھر

یہی سبق رٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔اب تم بات کر سکتے ہو۔ روپیہ ادا کر کے گھر کو جاؤ"۔

عقیل نے جواب دیا " با"

وکیل نے ہر چند کوشش کی مگر عقیل سے روپیہ نہ لے سکا۔ بُرے کام میں مدد دینے کا اکثر یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

" عبدالستار انصاری علیگ"

صبر

(ترجمہ از ٹامس ہڈ)

ستارے ہیں ہمراہ ملّاح دائم
جہاں چاہے لے جائے وہ اپنی کشتی
ہے پابندِ اوقات مہرِ منوّر
نہ ہوگی کبھی ختم گردشِ قمر کی
کہ مصروف ہے وہ طوافِ زمیں میں
چراگاہ، میداں، سمندر کے اوپر
یوں ہی صبر رہتا ہے صابر کے دل میں
پریشاں پھرے گرچہ وہ زندگی بھر

(عبدالستار اختر انصاری علیگ)

جوار بھاٹا

چاند کی چودھویں تاریخ ہے ، تین بجے ماسٹر صاحب شفیق ، آفاق ، حمید اور کچھ اور لڑکوں کے ہمراہ سمندر کے کنارے جانے کو تیار ہیں ۔

ماسٹر صاحب ۔ (لڑکوں سے مخاطب ہو کر) پیارے بچو ! تم کو معلوم ہے کہ آج میں تم کو کہاں لے جا رہا ہوں ،

لڑکے ۔ ہم کو کچھ علم نہیں ، کیوں کہ آپ نے بغیر بتائے کہ ہم کو کہاں جانا ہے ، یکایک تیار ہونے کا حکم دے دیا ۔

ماسٹر صاحب ۔ اچھا سنو ۔ میں تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جوار بھاٹا کیا ہوتا ہے ، اس لئے میں تم کو سمندر کے کنارے لے جا رہا ہوں ۔

لڑکے ۔ (خوش ہو کر) اچھا ماسٹر صاحب جلدی کیجئے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے ۔

ماسٹر صاحب ۔ ابھی ڈھائی بجے ہیں ۔ اور جوار بھاٹا چار بجے کے بعد آئے گا ،

شفیع ۔ ماسٹر صاحب سمندر یہاں سے کم از کم دو میل ہے ، اس لئے پیدل آنے جانے میں شام ہو جائے گی ۔ اور سب صاحبان تھک جائیں گے ، اس لئے میں اپنی موٹر لے آؤں ۔ (موٹر لینے کے لئے چلا جاتا ہے) ۔ پندرہ منٹ میں شفیع اپنی موٹر لے کر واپس آتا ہے ۔ سب لڑکے اور ماسٹر صاحب موٹر میں بیٹھ جاتے ہیں ۔ پندرہ منٹ میں موٹر سمندر کے ساحل پر پہونچ جاتا ہے ۔ سب لڑکے اتر کر کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں ۔

ماسٹر صاحب ۔ موسم بڑا اچھا ہے ، بادل چھائے ہوئے ہیں ۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے ۔ ساڑھے تین بجے ہیں ۔ ابھی پانی چڑھنے میں کچھ دیر ہے ۔

آفاق ۔ ماسٹر صاحب ایسے وقت کشتی میں بیٹھ کر سمندر کی سیر کرنی چاہئے ۔

لڑکے ۔ جی ہاں ۔ ماسٹر صاحب آفاق بالکل ٹھیک کہتے ہیں ، اس وقت سمندر کے کنارے کنارے اگر

کشتی میں بیٹھ کر سیر کی جائے تو بہت ہی زیادہ دلچسپ اور دل کش نظارہ دیکھنے کو ملے گا۔

ماسٹر صاحب (کشتی کے ملاح کو زور سے آواز دیتے ہوئے) حسن حسن۔

حسن ۔ جی حضور کیا حکم ہے۔

ماسٹر صاحب ۔ ذرا ہم تمہاری کشتی میں بیٹھ کر سیر کرنا چاہتے ہیں۔

حسن ۔ بہت اچھا حضور۔ بڑی خوشی سے۔

ماسٹر صاحب ۔ اچھا تم کیا لوگے۔

حسن ۔ جو حضور دے دیں۔ یہ کہتے ہوئے حسن اپنی کشتی کو ماسٹر صاحب کی طرف لایا اور کہا۔ چلئے حضور کشتی طیار ہے۔

(کشتی میں دو ملاح اور ہیں۔ جن کے ہاتھ میں بھی حسن کی طرح سے چپو ہیں، ماسٹر صاحب مع تمام لڑکوں کے کشتی پر سوار ہوتے ہیں، کشتی چلنا شروع ہوتی ہے)۔

حمید ۔ ماسٹر صاحب یہ کیا؟

ماسٹر صاحب ۔ کیا چیز؟

حمید ۔ ماسٹر صاحب یہ عجیب جانور ہے۔

ماسٹر صاحب ۔ یہ گھونگا ہے، تم نے جغرافیہ میں اس کے متعلق پڑھا ہوگا۔

لڑکے ۔ جی ہاں، ہم نے پڑھا ہے، اور اکثر اس کی شکل تصاویر میں دیکھی ہے۔

اسی اثنا میں حمید کی نظر ایک بڑی مچھلی پر پڑی جو کشتی کے قریب ہی تھی۔

حمید ۔ (اپنے ایک ساتھی سے مخاطب ہو کر) یار یہ مچھلی تو بڑی عمدہ ہے۔ اس کو کسی نہ کسی طرح پکڑنا چاہئے۔ (ساتھی خاموش رہتا ہے۔ اور ہونٹوں پر تبسم نمایاں ہوتا ہے۔) حمید چپکے سے ہاتھ بڑھاتا ہے، اور ہاتھ مچھلی پر جا پڑتا ہے۔ حمید! آہا ماسٹر صاحب مچھلی پکڑی۔

(ماسٹر صاحب حمید کی طرف دیکھتے ہیں اور لڑکے بھی اس طرف مخاطب ہوتے ہیں)

ماسٹر صاحب ۔ تم ہو بڑے شریر، مچھلی بہت چکنی ہوتی ہے۔ تمہارے ہاتھ میں نہیں آسکتی۔

اتنے میں حمید پانی میں جا پڑتے ہیں،

حمید ۔ جی ماسٹر صاحب پکڑیئے، دوڑیئے، میں ڈوبا، لڑکے اور ماسٹر صاحب بہت گھبراتے ہیں

ماسٹر صاحب ۔ گھبراتے ہوئے) حسن خدا کے واسطے اس لڑکے کو کسی ترکیب سے نکالو۔
(حسن سنتے ہی ایک موٹی سی رسی سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ تمام لڑکے رسی پکڑ لیتے ہیں)
اب تک رسی حمید کے پلے نہیں پڑی۔ جب رسی دوبارہ پھینکی گئی تو حمید نے پکڑ لی۔ سب نے بمشکل حمید کو نکالا۔
حمید کچھ کچھ تیرنا جانتا تھا۔ اس لئے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ البتہ کپڑے سب بھیگ گئے۔

حمید ۔ خدا نے خیر کی، نہیں تو آج میں ڈوب ہی جاتا۔

ماسٹر صاحب ۔ تم بڑے شریر ہو، ہر وقت کچھ نہ کچھ شرارت کرتے رہتے ہو۔ اس وقت آخر مچھلی پکڑنے کی کیا ضرورت تھی، ۱۲ بج چکے جوار بھاٹا کے آنے کا وقت ہے۔ حسن جلدی کرو پانی بڑھ رہا ہے۔ (حسن بڑی جلدی کشتی کھیتا ہے۔ تھوڑی دیر میں کنارے پر پہونچ جاتا ہے جہاں موٹر تیار کھڑی ہے۔) ماسٹر صاحب۔ لڑکوں سے مخاطب ہو کر آؤ چلو ہم سب موٹر میں بیٹھ کر پانی کا تماشہ دیکھیں۔ ابھی لڑکے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ پانی بلیوں چڑھ گیا

ماسٹر ۔ بچو ڈر و مت ہیں تم سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔

لڑکے بہت اچھا۔

ماسٹر ۔ اچھا بتاؤ جوار بھاٹا کس طرح ہوتا ہے۔

شفیع ۔ یہ چاند کی کشش کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ماسٹر صاحب ۔ تو پھر یہ آج ہی کیوں ہوا، اور دن کیوں نہیں ہوتا،

حمید ۔ ماسٹر صاحب کیوں کہ آج ہم ساحل پر آئے ہیں۔

(سب لڑکے اور ماسٹر صاحب کھل کھلا کر ہنس پڑتے ہیں)

آفاق ۔ وجہ یہ ہے کہ آج چاند کے حساب سے ۱۴ تاریخ ہے۔ اس روز چاند پورا ہوتا ہے اور اس میں کشش کی طاقت بہت بڑھ جاتی ہے۔ ہمیشہ چاند کے حساب سے اس تاریخ کو جوار بھاٹا ہوتا ہے۔

ماسٹر صاحب ۔ شاباش آفاق شاباش۔ تم بالکل صحیح کہتے ہو، لیکن ذرا دیر خاموش رہو۔

مجھے حمید کی خبر لینے دو، حمید حمید تم اپنی شرارت سے باز نہیں آؤگے، ہزار مرتبہ منع کر دیا لیکن۔

پھر وہی حرکت،

حمید ۔ ماسٹر صاحب معاف کیجئے اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔

ماسٹر صاحب ۔ اچھا میں تم کو آخری دفعہ معاف کرتا ہوں، اگر آیندہ شرارت کی تو سخت سزا دوں گا۔ (لڑکوں سے) پانی چڑھتا ہے تو پھر اترتا کیوں کر ہے، دیکھو اس وقت اتر رہا ہے۔

حمید ۔ کیوں کہ ہم روانہ ہونے والے ہیں۔

ماسٹر صاحب سے یہ سن کر نہ رہا گیا، اور آگے بڑھ کر حمید کے ایک طمانچہ رسید کیا۔ ہیں ابھی تو یہ کر چکا ہے، پھر وہی نازیبا حرکت، حمید (روتے ہوئے) کیوں کہ بادل گھرے ہوئے تھے۔ اس لئے پھر شرارت کو دل چاہی گیا، یہ سن کر ماسٹر صاحب اور لڑکے بہت ہنسے، ماسٹر صاحب کا غصہ ہنسی سے بدل گیا،

ماسٹر صاحب ۔ زمین، آسمان اور باقی تمام ستاروں اور سیاروں میں قوت کشش ہے۔ اس طرح سے چاند میں بھی کشش کی طاقت ہے۔ چاند ہر تاریخ کو پورے عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے اس روز اس میں کشش سب سے زیادہ ہوتی ہے، اور یہ آس پاس کی اشیا کو کھینچتا ہے، اس کا اثر کرۂ زمین پر بھی پڑتا ہے، اول تو زمین خود کھنچتی ہے اور سب سے زیادہ اثر سمندروں پر ہوتا ہے۔ جس کو آج تم نے خود دیکھا ہے، یہ کہہ کر ماسٹر صاحب نے اپنی تقریر ختم کی، اور موٹر روانہ ہوا، مغرب سے پہلے ماسٹر صاحب اپنے گھر پہونچ گئے۔ اور لڑکے وہاں سے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

میرے پیارے ہونہار بھائیو تم کو اب اچھی طرح سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ جوار بھاٹا کیا ہوتا ہے؟ ہم سمندر کے متعلق اور باتیں آئندہ بتائیں گے۔

۔ قیصر عمر پوری۔
(علی گڑھ)

زبانِ اردو کی تاریخ

اس زبان کو ریختہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ زبانوں نے اس کو پختہ کیا ہے جیسے دیوار کی اینٹ مٹی، چونا سفیدی وغیرہ پورا کرتے ہیں اس کا یہی سبب ہے کہ اس میں عربی، فارسی ترکی، وغیرہ زبانوں کے بہت سے الفاظ شامل ہیں، ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے، پہلے پہل جو لوگ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے وہ ایرین تھے، اور ان کی زبان سنسکرت کہلاتی تھی، ان کے قواعد زبان بھی اس قدر مقدس ہوئے کہ دین ہی کے بزرگ پڑھائیں تو پڑھائیں لیکن شودروں کے کان تک اس کی آواز نہ پہنچے، پھر اس کا نام دیوبانی یعنی دیوتاؤں کی زبان ہوا، پھر بدھ مذہب کے بانی شاکہ من پیدا ہوئے وہ مگدھ سے اٹھے اور جوان ہو کر وہاں کی زبان میں وعظ کہنا شروع کیا، غرضیکہ تمام گھروں دفتروں وغیرہ میں ماگدھی زبان ہی پھیل گئی آخر کچھ مدت کے بعد بدھ مذہب رخصت ہوا اور اس کے ساتھ ہی اس کی زبان رخصت ہوگئی ایک عرصہ کے بعد اسلام نے ہندوستان پر قدم رکھا اور نیا انقلاب پیدا ہوا۔ ان کی زبان۔ فارسی تھی،

شاہ جہان کے عہد سے اردو زبان بننی شروع ہوئی، شہر وغیرہ تعمیر ہوئے، اور اس کا دار الخلافہ نئی دلی ہوا، بادشاہ اور ارکان دولت وہاں رہنے لگے، اہل قلم، اہل حرفہ اور اہل تجارت وغیرہ ایک جگہ جمع ہوئے ترکی میں اردو زبان لشکر کو کہتے ہیں، بادشاہی لشکر میں اور دربار میں لوگ ہزاروں ملے جلے الفاظ بولتے تھے، اس لئے وہاں کی بولی کا نام اردو ہوگیا، چنانچہ تمام لوگ آہستہ آہستہ اردو بولنے لگے، اور ۱۷۹۹ء میں میر شیر علی نے باغ اردو اور ۱۸۰۵ء میں آرائش محفل لکھی

گلگرسٹ نے انگریزی میں قواعد اردو کا ترجمہ کیا ۱۸۰۳ء میں شری للوجی لال کوی نے پریم ساگر لکھی اور بیتال پچیسی جو محمد شاہ کے زمانہ میں سنسکرت سے برج بھاشا میں آئی تھی۔ پھر اردو میں لکھی گئی ۱۸۰۳ء میں مولوی شاہ عبدالقادر نے قرآن شریف کا ترجمہ اردو زبان میں کیا ۱۸۳۵ء میں تمام انگریزی دفاتر میں اردو بولی جانے لگی، اور اسی سن میں اخباروں کو آزادی حاصل ہوئی، اور ۱۸۳۶ء میں دلی سے ایک اردو اخبار جاری ہوا، تب یہ زبان بڑھتی چلی گئی، پھر گورنمنٹ نے مناسب جگہوں پر درسگاہیں، اسکول، وغیرہ تعلیم کے لئے کھول دیئے اس کے بعد اردو زبان کو بہت ترقی حاصل ہوئی، اور آج تقریباً تمام ہندوستان میں اردو زبان بولی جاتی ہے۔ اور اردو کے سمجھنے والے ہر جگہ موجود ہیں۔ یہ زبان کسی خاص قوم کی نہیں ہے بلکہ ہندوستانیوں کی ہے۔ اس لئے تمام ہندوستان کے بچوں کو اس کے سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(ملک غلام حیدر۔ سیالکوٹ)

دلچسپ کھیل

آپ اپنے دوستوں کو (پانچ یا چھ) ایک گھیرے میں بٹھایئے اور کسی ایک سے کہیئے کہ اپنے برابر والے کے کان میں کوئی لفظ کہیں، اور جو کچھ اس کے کان میں کہا گیا ہے وہ اپنے برابر والے کے کان میں کہے اس طرح آخیر میں جو لڑکا بچا اس سے پوچھا جائے کہ بتاؤ تمھارے کان میں کیا کہا گیا، وہ کچھ عجیب لفظ بتائے گا، اور مذاق رہے گا، مثلاً پہلے شخص نے اپنے برابر والے کے کان میں "الو" کہا، تو چلتے چلتے آخر والا لڑکا کہے گا "لولو"۔

(رفعت حسین عثمانی)
(علی گڑھ)

زندگی کا بیمہ

محمود۔ آج میں تم کو ایک اہم اور کار آمد بات بتاؤں گا،

حامد: "فرمائیے"

محمود۔ کیا تم زندگی کے بیمہ کے متعلق بھی کچھ جانتے ہو؟

حامد۔ جناب میں اس بیمہ سے تو ناواقف ہوں البتہ خط وغیرہ کے بیموں کو جانتا ہوں۔

محمود۔ زندگی کا بیمہ ایک قسم کی تجارت کا نام ہے جس طرح آج کل دولت مند بنکوں کے ذریعے سے تجارت کرتے ہیں، اسی طرح یہ تجارت بھی بیمہ کمپنی کے ذریعہ سے ہوتی ہے، لیکن یہ تجارت بنک کی تجارت سے بہت مفید ہے۔ اول تو بنک کی تجارت کے فیل ہونے کا ڈر لگا رہتا ہے۔ اور پھر دوسرے صرف دولت مند ہی بنک کی تجارت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن برخلاف اس کے اول تو بیمہ کمپنی فیل نہیں ہوتی اور دوسرے درمیانی حیثیت کا آدمی بھی اپنا بیمہ کرا سکتا ہے۔

حامد۔ اچھا جناب یہ تجارت کس طرح سے ہوتی ہے

محمود۔ یہ بات سمجھنے کی ہے۔ غور کرو گے تو سمجھ میں آجائے گی۔ فرض کرو کہ میں اپنی زندگی کا ایک ہزار روپے کا بیمہ بیس سال کی مدت کے لئے کراتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں بیس سال کی مدت کے اندر مر گیا تو ایک ہزار روپیہ مع سود کے میرے ورثا کو مل جائے گا اگر اس مدت تک زندہ رہا تو بیس سال کے بعد یہ رقم مع سود مجھے ہی مل جائے گی،

حامد۔ اگر کسی کے پاس ایک ہزار روپیہ نہ ہو تو کیا وہ بیمہ نہیں کرا سکتا۔

محمود۔ بیمہ کے لئے نقد روپے ہی کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ روپیہ قسطوں کے ذریعہ

سے بھی ادا کیا جاتا ہے۔ قسط، ماہانہ سہ ماہی اور ششماہی تینوں صورتوں میں ادا ہو سکتی ہے بعض کمپنیوں میں پانچ یا چھ روپے ماہوار قسط ہوتی ہے اور بعض میں اس سے کم یا زیادہ بھی ہوتی ہے۔

حامد ۔ کیا ہزار روپے سے زیادہ کا بیمہ نہیں ہوتا

محمود ۔ نہیں بھائی! کم از کم ہزار روپے کا ہوتا ہے، یہ تمھیں اختیار رہے۔ کہ پچاس ہزار کا بیمہ کراؤ یا اس سے کم یا زیادہ کا۔

حامد ۔ بھائی جان چار پانچ روپے ماہوار تو میں بھی ادا کر سکتا ہوں، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی بیمہ کرا لوں۔

محمود ۔ نہیں بھائی ابھی تم بچے ہو، اس کا قاعدہ ہے کہ بیس سال سے پچاس سال کی عمر تک کا آدمی بیمہ کرا سکتا ہے، اور اس طرح اس کو اختیار رہے کہ خواہ پانچ سال کے لئے کرائے یا تیس سال کے لئے۔

حامد ۔ بھائی جان ایسی ہی مفید بات اور کوئی فرمائیں۔

محمود ۔ چوں کہ اس وقت تو میں کلب جا رہا ہوں، اب انشاء اللہ کل پھر ملاقات ہوگی تب اور باتیں بتاؤں گا۔

(پریم لاہور)

مضمون نگار طلبہ توجہ فرمائیں

اب تک رسالہ ہونہار ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ لیکن اب ہم انتظام کر رہے ہیں کہ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہو جایا کرے، لہذا آپ جو مضمون بھیجیں وہ ۱۵ تاریخ تک ضرور بھیج دیا کریں۔ ورنہ وہ مضمون دوسرے مہینہ میں شائع ہو سکے گا۔ مئی کے رسالے میں جو نئے انتظامات کے عنوان سے چند تجاویز پیش کی گئی ہیں، امید ہے کہ ہر ایک ہونہار بھائی اور بہنیں ان پر غور فرما کر ہمیں کوئی نہ کوئی مفید مشورہ دیں گے۔

(مینجر)

انعامی مقابلہ

مجلس ہونہار نے یہ طے کیا ہے کہ رسالہ ہونہار میں مضامین لکھنے والے طلبہ اور طالبات کا ہر سال انعامی مقابلہ کیا کیا جائے، جس طالب علم کے مضامین زیادہ ہوں گے اور بہترین شمار کئے جائیں گے اس کو چاندی کا ایک تمغہ انعام میں دیا جائے گا اور اس کا فوٹو بھی رسالہ میں شائع کیا جائے گا۔

داخلے کے شرائط

(۱) انعامی مقابلے میں شامل ہونے والے طلبہ کے لئے رسالہ ہونہار کا خریدار بننا ضروری ہے۔

(۲) جو مضامین مقابلے کے لئے بھیجے جائیں ان پر "انعامی مقابلہ" لکھ دینا چاہیے، تاکہ وہ اسی مہینے میں شائع ہو سکیں جس مضمون پر یہ الفاظ نہیں ہوں گے، اس کو نمبر آنے کے بعد شائع کیا جائے گا۔

(۳) ہر مقابلے میں نئے طالب علم کو انعام دیا جائے گا۔

(۴) تمام مضامین عام فہم عبارت میں لکھے جائیں، کسی کتاب یا رسالے سے نقل نہ کئے جائیں بلکہ اپنی عقل اور قابلیت سے لکھے جائیں؛ دوسری زبانوں کی کتابوں اور رسالوں کا ترجمہ بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کا حوالہ ضرور دینا چاہیے

(۵) مضامین طویل نہ ہوں بلکہ مختصر ہوں اور ان میں کسی کے مذہب پر حملہ نہ ہو۔

(۶) تمام مضامین لفافہ کے اندر بند کر کے اور اس پر پورے پورے ٹکٹ لگا کر اڈیٹر صاحب رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی کے پاس بھیج دینا چاہئیں۔ بیرنگ خطوط یا مضامین وصول نہیں کئے جائیں گے۔

منیجر رسالہ ہونہار قرول باغ دہلی

بچوں کا کتب خانہ

اسکول کی زندگی

یہ ڈرامہ خاص طور سے بچوں کے لئے لکھا گیا ہے. اس میں ہندوستانی مدرسوں کی زندگی بتائی گئی ہے. اچھے اور شریر طالب علموں کا خوبی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے. اور ان کے نتائج دکھائے گئے ہیں. یہ ڈرامہ جامعہ کے بچوں نے سٹیج پر کیا تھا جو بہت پسند کیا گیا۔ قیمت صرف ۴؍

قوم پرست طالب علم

یہ ڈرامہ بقول معارف بچوں کے کھیلنے کے لئے لکھا گیا ہے، اس میں متحدہ قومیت، حب وطن، ایثار، راستبازی وفاداری، بالآخر کامیابی کے مناظر نہایت اچھے طریقے سے دکھائے گئے ہیں، اور طلبہ میں پاک جذبہ پیدا کرنے میں یہ ڈرامہ یقیناً کامیاب ثابت ہوگا۔ قیمت ۴؍

بچوں کا انصاف

یہ ڈرامہ الف لیلہ کا ایک قصہ ہے بچوں نے خیانت کا مقدمہ اس طرح فیصل کیا کہ خلیفہ ہارون رشید بھی دنگ رہ گیا، یہ بچوں کا ڈرامہ بچوں کی زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت صرف ۴؍

دنیا کے بسنے والے

حبشیوں، امریکہ کے پرانے باشندے۔ بدوؤں۔ افریقہ کے بونوں، جاپان، سوئٹزرلینڈ، اور ان ملکوں کے حالات درج ہیں جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے کتاب میں تقریباً ۵۰ تصویریں ہیں جن میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ انھیں دیکھ کر ہنسی آتی ہے اور اس کا ضبط کرنا محال ہے۔ قیمت ۶؍

ترکوں کی کہانیاں

اس کتاب میں ترک بچوں کی بہادری، اور ہمت و جرأت کی چند صحیح اور سچی کہانیاں ہیں، جن کے پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے. اور ان ترک بچوں کی طرح سے وہ بھی تندرست اور بہادر بننے کی کوشش کرتے ہیں

قیمت صرف ۶؍

ہمارے نبی

یہ رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح عمری نہایت دلچسپ طرز بیان میں لکھی گئی ہے زبان نہایت سادہ ہے۔ قیمت ۴؍

نبیوں کے قصے

مشہور ۱۲ نبیوں کے مختصر حالات زبان نہایت سادہ اور سلیس۔ انداز بیان نہایت دل کش ہے، قیمت ۶؍

انگلش ٹیچر

یہ وہ لاجواب کتاب ہے جس کے مطالعہ کے بعد بغیر استاد کی مدد کے بہت جلد انگریزی لکھنا پڑھنا، اور بولنا آجاتا ہے، کتاب کے ساتھ ساتھ انگریزی خط و کتابت کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ

حیات رسول

اپنے نبی کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے اس کتاب کو ضرور منگوائیے۔ لڑکے۔ لڑکیاں، نوجوان اور بوڑھے، اور عورتیں سب اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ قیمت صرف ۴؍ (محصولڈاک بذمہ خریدار)

کتبخانہ شرکت ادبیہ قرولباغ دہلی

باہتمام فیاض حسین نسیم پرنٹر و پبلشر جامعہ ملیہ برقی پریس دہلی میں طبع ہوکر دفتر رسالہ ہونہار سے شائع ہوا

نونہال
دہلی
ایڈیٹر
سالانہ چندہ تین روپے

اغراض و مقاصد

۱۔ ہندوستان کے مختلف فرقوں کے بچوں میں اتحاد پیدا کرنا۔

۲۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ایسے مضامین شائع کرنا جن کے مطالعہ سے انھیں تعلیم سے دلچسپی ہو۔ اُن کی قابلیت بڑھے۔ اُن کی معلومات میں اضافہ ہو۔ اُن میں ترقی کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور اُن کے اخلاق سُدھر جائیں۔

قواعد و ضوابط

۱۔ رسالہ ہونہار ہر ماہ کے وسط میں شائع ہوتا ہے۔

۲۔ اگر کبھی اتفاقاً رسالہ نہ ملے یا رسالہ پہونچنے میں دیر ہو جائے تو مہینے کے آخر تک رسالہ کے وصول نہ ہونے کی اطلاع دے دینی چاہیے۔ اِس کے بعد طلب کرنے والوں کو قیمتاً بھیجا جائے گا۔

۳۔ رسالہ ہونہار کا سالانہ چندہ تین روپئے بذریعہ وی پی ۳؎ اور ششماہی ۱۲؎ ہے۔

۴۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیے۔ جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا سلر کے ٹکٹ بھیجیے۔ بیرنگ خطوط وصول نہیں کئے جائیں گے۔

۵۔ تمام خط و کتابت و ترسیلِ زر بنام منیجر رسالہ ہونہار دہلی ... ہونی چاہیے۔ مضامین اور دیگر تنکایات کے متعلق تمام خطوط ایڈیٹر صاحب رسالہ ہونہار قرولباغ دہلی کے نام آنا چاہئیں۔

(۶) مضامین جو رسالہ ہونہار میں شائع ہونے کے لئے بھیجے جائیں مختصر اور عام فہم ہونے چاہئیں جن کو بچے نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں اور جو بچوں کے اخلاق سدھارنے اور اُن میں ترقی کا جذبہ پیدا کرنے میں معاون ہوں۔

"منیجر"

لڑکوں اور لڑکیوں کا باتصویر ماہوار رسالہ
سالگرہ نمبر
ہونہار
ہندوستان کے محکمہ تعلیمات سے منظور شدہ
الاسلام صاحب بار ایٹ لا دہلی
سالانہ چندہ
قیمت فی پرچہ
جلد ۳ نمبر ۱ بابت جنوری ۱۹۳۳
پتہ دفتر رسالہ ہونہار دہلی

فہرست مضامین سالگرہ نمبر رسالہ ہونہار بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۲ء

ہونہار کی سالگرہ

یہ "ہونہار" وہ پرچہ ہے جس نے اے بچو
کیا ہے علم کی دولت سے تم کو مالا مال

خدا کا شکر کہ ہے آج اس کی سالگرہ
خدا کا شکر ہوا ہے شروع تیسرا سال

سنائے گا یہ تمہیں پھر کہانیاں نظمیں
عجائبات لطیفے نتیجہ خیز احوال

پڑھا کرو یہ مضامین خوب غور سے تم
جو چاہتے ہو کہ ہو علم میں نصیب کمال

کیا کرو عمل اِس کی مفید باتوں پر
کہ زندگی ہو تمہاری جہاں میں نیک مثال

جہاں میں علم کی سب روشنی ہے اے بچو
یہی وہ بدر ہے ہوتا نہیں جو گھٹ کے ہلال

یہی وہ باغ ہے آتی نہیں ہے جس میں خزاں
یہی وہ مال ہے ہوتا نہیں ہے جس کو زوال

اِسی سے ہوتی ہے دنیا درست دین صحیح
اِسی کے سیکھنے کا چاہیے تمہیں بھی خیال

(حامد حسن قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ)

ہمدردی

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو　　اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ　　ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ

جب کوئی زندگی کا لُطف اٹھاؤ　　دِل کو دُکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ

کھانا کھاؤ تو جی میں تم شرماؤ　　ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ

کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار　　زندگی سے ہے اُن کا دل بیزار

نوکروں کی تمہارے جو ہے غذا　　اُن کو وہ خواب میں نہیں ملتا

جس پہ تم جوتیوں سے پھرتے ہو　　واں میسّر نہیں ہے اوڑھنے کو

کھاؤ تو پہلے لو خبر اُن کی　　جن پہ بپتا ہے نیستی کی پڑی

پہنو تو پہلے بھائیوں کو پہناؤ　　کہ ہے اُترن تمہاری اُن کا بناؤ

جاگنے والو غافلوں کو جگاؤ　　تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ

تم اگر ہاتھ پاؤں رکھتے ہو　　لنگڑے لُولوں کو کچھ سہارا دو

مولانا حالی مرحوم

"آبنائے یوسف" کریمیا ، س،

(بچوں کے کھیلنے کے لئے ایک نہایت دلچسپ ڈراما)

اشخاص ڈراما

نواب ظالم جنگ ...... رشید آباد کا ایک غاصب تعلقہ دار

گھسیٹا ...... رشید آباد کے نوابی محل کے ملازموں میں سے ایک لکڑہارا

چنو ...... گھسیٹا کا بیٹا۔ عمر ۹ سال

نواب سلامت جنگ ... جنھیں لوگ اب شیخ سلامت اللہ کہتے ہیں۔

" ...... رشید آباد کے اصلی تعلقہ دار۔

حر ...... بالشتیوں کا بادشاہ

ٹلو ...... ایک بالشتیہ۔

چند اور بالشتیے

پہلا منظر

رشید آباد کے نوابی محل سے کچھ فاصلے پر جنگل میں۔ ایک طرف ایک کٹے ہوئے درخت کا تنا زمین پر پڑا ہے۔ چنو داخل ہوتا ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ سر پر لکڑیوں کا ایک چھوٹا سا گٹھا۔

چنو (تھکن سے چور، گرے ہوئے تنے پر بیٹھ کر)
اونھ، اللہ، گردن کیسی دکھتی ہے ......
اور بھوک ...... کیسی بھوک لگی ہے ......
اونھ ...... بات تو بہادری کی نہیں، پر جی

چاہتا ہے کہ خوب چلا چلا کر روؤں۔

(حرپ چپکے سے پیڑ کے پیچھے سے نکلتا ہے)

حُر: کیوں، کیوں، کیا بات ہے؟

چُنو: (ذرا ٹھٹک کر) آپ کون ہیں؟

حُر: میاں صاحب زادے، ڈرو مت، ڈرو مت۔ میں تمہاری مدد کو آیا ہوں۔

چنو: صاحب زادے؟ صاحب زادے! میں تو گھسیٹا لکڑہارے کا بیٹا ہوں، چنو۔ میں صاحب زادہ واحب زادہ نہیں ہوں۔ میرے کپڑے نہیں دیکھتے؟ واہ، چھوٹے میاں، واہ، یہ صاحب زادے کی آپ نے ایک ہی کہی!

حُر: (مسکرا کر) ہاں، ہاں، میاں صاحب زادے، ہم لوگوں کے کپڑوں سے اُن کے مرتبہ کا اندازہ نہیں لگاتے۔ خیر، اِس قصّہ کو جانے دو، یہ بتاؤ کہ تم اتنے تھک کیسے گئے اور ایسے بھوکے کیوں ہو؟

چنو: صبح سویرے سے لکڑیاں بینتے بینتے تھک گیا ہوں۔ اور رومال میں جو روٹی صبح کے لئے باندھ رکھی تھی وہ میں نے رات ہی کو کھا لی۔ بڑی بھوک لگی تھی۔ بس ابھی تک نہار منہ ہوں۔

حُر: صاحب زادے، تم کھو گئے۔ عجیب آدمی ہے۔ سوال ہی کئے جاتا ہے۔ بُرا مت ماننا۔ کیا تمہارا... باپ بہت غریب ہے؟

چنو: وہ دیکھو، وہ۔ ووو جو محل ہے نہیں، اُس میں نوکر ہے۔ لکڑہارا ہے۔ اور میرے ابّا کے پاس ایسی اچھی کلہاڑی ہے، اُوہ، ایسی اچھی ہے، اور تیز۔ دادا ابّا نے انھیں دی تھی۔ (ذرا اُداس ہو کر) مگر بس، ابّا کے پاس یہ کلہاڑی ہے اور ایک ٹکورا۔ اور جنگل میں ایک جھونپڑی چھالی ہے۔ اور بس۔ خیر صلاّ جب تک ہمارے نواب صاحب تھے تو پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا تھا۔ مگر جب سے یہ کُتّا آیا ہے، ظالم جنگ، جب سے بس کیا پوچھتے ہو۔ نام تو دیکھو شیطان کا، ظالم جنگ، ظالم جنگ، بڑا جنگ بنا ہے کہیں کا۔ چوٹّا نہیں تو۔

حُر: کوئی ڈیڑھ برس سے آیا ہے یہ۔ مرغیاں

نہیں، وہ سب پکڑے لے گیا۔ کھائے گا۔ غلّہ تھا، سب کا سب ڈھلوائے لے گیا۔ مرغیوں کو کھلائے گا ؛ اور کبوتروں کو۔ بڑے شوقین ہیں، کبوتر پالنے کے۔ گائے تھی سو وہ بھی کھول لے گیا۔ ایک ہماری تھوڑی۔ منّو مستری کی، کالے چوکی دار کی، اور وہ ہمارے ایک منشی جی ہیں اچھیبر سنگھ اُن کی ؛ اور جانے کس کس کی گائیں کھلوالیں نہ جانے پیتا ہے کہ دودھ سے نہاتا ہے۔.....

اوہ، اللہ۔ میں تو ایسا تھک گیا ہوں اور بھوک کے مارے دَم نکلا جاتا ہے۔

خِضر (اُس کے سر پر آہستہ سے ہاتھ پھیر کر اور چہرے کے سامنے کچھ عجب طرح سے اپنا پنجہ پھیلا کر) نہیں، نہیں میاں صاحب زادے! تم تھکے وکے کچھ نہیں ہو دیکھو ابھی کیسے دوڑتے کلیلیں بھرتے یہاں سے جاتے ہو۔ جیسے ہرن کا بچہ۔ اور گھر پر تمہارے لئے لئے ایسی مزے کی چیز رکھی ہے کہ بھوک بھی رفوچکر ہو جائے گی۔

چنو : میں تو بہو...ت ..... تھکا.... نہیں نہیں۔ آپ ہی سچ کہتے ہیں۔ میں اب تو ذرا بھی تھکا ہوا نہیں۔ اچھا، تو لیجئے یہ چلا۔ اور آپ نے جو کھانے کی خبر دی ہے تو اب تو میں دوڑتا ہوا ہی جاؤں گا۔ اچھا خدا حافظ۔

خِضر (اپنے آپ سے) اِس ظالم جنگ کم بخت کو تو ذرا سبق دینا چاہیئے۔

تین سیٹیاں بجاتا ہے۔ ہر طرف سے بالشتیئے نکل آتے ہیں اور اس کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔

خضر (بالشتیوں سے) بھائیو، سنو۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اِن احمق انسانوں کے قصہ میں پھر دخل دیں۔ اِس ظالم جنگ کا رنگ ڈھنگ خوب دیکھ لیا۔ تم سب اُس کے ظلم وستم اور اُس کی حرص سے بخوبی واقف ہو۔

بالشتیئے : حضور کیا فرماتے ہیں۔

خِضر : ہاں تو میں کہتا ہوں کہ مداخلت کا وقت آگیا ہے۔ میں نے ابھی گھسیٹا کے لڑکے چنو کو دیکھا، غریب، تھکا ماندہ، بھوک سے تنگ۔ ظالم جنگ نے اُس کے باپ کا سب کچھ چھین لیا ہے،

بالشتیئے : بے حیا، بے شرم!

خِضر : تو بھائیو، تمہیں اتفاق ہے کہ اُسے سزا

دینی چاہئے ؟

باہ نشینے ۔ سب کو اتفاق ہے ۔

حُر : اچھا تو ٹلو، تم جاؤ اور ہمارے کارخانہ سے دو کلہاڑیاں لاؤ۔ ایک اعلیٰ درجہ کے سونے کی، دوسری خالص چاندی کی۔

ٹلو ۔ حضور، میں چلا ۔

حُر ۔ بھائیو! اب تم ذرا تماشا دیکھنا کہ میں اس بے شرم بے نصیب ظالم جنگ کو کس مزے سے سزا دیتا ہوں۔

باہ نشینے سب کے سب غائب ہو جاتے ہیں۔ ٹلو دو کلہاڑیاں لئے ہوئے واپس آتا ہے

حُر : ٹلو، شاباش، بہت جلدی آئے ۔ اچھا جاؤ ۔ اوروں کے ساتھ تم بھی چھپ رہو ۔ اور ہاں، دو تلواریں تیار رکھنا ۔ ایک سونے کی، ایک چاندی کی ۔ جب آواز دوں تو لا حاضر کرنا ۔

ٹلو چلا جاتا ہے ۔ حُر پھر گرے ہوئے درخت کے پیچھے چھپ جاتا ہے ۔ گھسیٹا داخل ہوتا ہے ۔ یہ ذرا بوڑھا ہو چلا ہے مگر ذرا جھک سی گئی ہے ۔ ہاتھ میں ایک کلہاڑی ہے اور ایک چھوٹا سا کٹورا ۔

گھسیٹا : اللہ ۔ کیسی مصیبت ہے! کیسا سخت کام! کہیں اپنے نواب سلامت جنگ پھر آجاتے ۔ خیر، ذرا بیٹھ کر سستا تو لوں ۔

درخت کے تنے پر بیٹھ جاتا ہے ۔ کچھ دور ایک زخمی تیتر پھڑ پھڑاتا ہے ۔ اُسے دیکھ کر اٹھتا ہے ۔

اوہو ۔ زخمی تیتر ہے ۔ اس ظالم کے زمانہ میں تو چڑیاں تک مصیبت میں ہیں ۔

(جھاڑی میں تیتر کو تلاش کرتا ہے ۔ اتنے میں حُر اس کی کلہاڑی اٹھا کر پھر چھپ جاتا ہے ۔ گھسیٹا واپس آتا ہے)

بے چارہ مجھے بھی دشمن سمجھا اور جیسے بن پڑا اڑ کر دبک گیا ۔ خیر ۔ اب اپنا کام کروں (ٹکورے کو اٹھا کر) اور میری کلہاڑی ؟ یہیں تو تھی! کہاں گئی ؟ کیا ہوئی ؟ غائب ؟ کہیں وہاں اِملی کے پیڑ تلے تو نہیں چھوڑ آیا جہاں یہ لکڑیوں کا گٹھا باندھا تھا ۔ جاؤں، دیکھوں تو ۔

(جاتا ہے)

حر (پیچھے سے نکل کر) غریب گھسیٹا، بے چارہ گھسیٹا ۔ خیر، اللہ تمہاری مدد کرے گا ۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا ۔ تم اس ظالم جنگ کم بخت

کو نکالنے میں مدد دینا۔ تمہاری کلہاڑی انشاء اللہ بہت جلد مل جائے گی۔ (جاتا ہے)

پردہ

دوسرا منظر

گھسیٹا کی جھونپڑی۔ ایک ٹوٹی سی چارپائی، ایک کھٹولا۔ کھٹولے پر چنو بیٹھا کچھ کھا رہا ہے۔

چنو (چٹخارے لے رہا ہے اور خوشی سے بے چین ہے باپ آتا ہے) قسم ہے ابا۔ بڑے ہی مزے کا ہے اقوہ بڑے ہی مزے کا۔ وہ تو چھکے شاہ نے کہہ ہی دیا تھا۔ پہلے ہی سے۔ بہت مزہ کا دودھ ہے جیسے اپنی گیا کا ہوتا تھا۔ دو دو انگل ملائی اور گرم گرم امرتیاں۔

(باپ مسکرانے کی کوشش کرتا ہے لیکن پھر وہ افسردہ چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے)

چنو۔ ابا جان۔ کیوں چپ چاپ کیوں ہو؟

گھسیٹا: پوت، کیا پوچھتے ہو۔ میری کلہاڑی غائب ہو گئی۔ کلہاڑی کیا تھی شہزادی تھی شہزادی کسی نے ایسی تیز، ایسی چمکدار، ایسی ہلکی کلہاڑی دیکھی بھی ہے! اس کا کاٹ، اس کی چوٹ ہا.... اور غائب...... جانے کہاں کھو آیا؟

چنو: ابا کہیں رکھی رہ گئی ہوگی۔

گھسیٹا: ہاں مگر سارا جنگل تو چھان مارا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آنکھیں تھک گئیں۔ جھکے جھکے کمر دکھ گئی۔ کوئی سوئی تو تھی نہیں جو دکھائی نہ دیتی۔

چنو: ابا۔ اداس مت ہو۔ کل ہم تم دونوں مل کر ڈھونڈھیں گے۔ اور ابا۔ ذرا یہ امرتیاں تو چکھو۔ کیسی مزے کی ہیں۔ تم کھاؤ میں ان کا قصہ سناؤں۔

گھسیٹا: امرتیاں؟ ارے یہ تو سچ مچ امرتیاں ہیں۔ میں الّو کلہاڑی کھو آیا اور تم امرتیاں ڈھونڈھ لائے۔

چنو: ابا بات یہ ہوئی۔ مجھے جنگل میں ایک عجیب طرح کا ننھا منا سا آدمی ملا ادھر جہاں

وہ تین شیشم کے پیڑ ہیں نا۔ جہاں وہ بڑا سا پیڑ گرا پڑا ہے۔

گھسیٹا: اوہو۔ وہیں تو میری کلہاڑی گُمی ہے۔ اب سمجھا۔ اُسی بدمعاش نے چرائی ہوگی۔

چنو: نہیں نہیں ابا۔ وہ تو بڑا اچھا سا ننھا سا آدمی تھا۔ وہ بھلا کیا چرائے گا۔

(دروازے پر کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے)

گھسیٹا: یہ کیا؟

(چنو دروازہ کھولنے دوڑتا ہے)

چنو: ارے۔ یہ تو وہی میرے ننھے میاں ہیں۔ آئیے۔ آئیے۔

(حُر اندر آتا ہے۔ کاندھے پر ایک تھیلا پڑا ہے)

گھسیٹا: سلام جی۔ سلام۔ تم نے جنگل میں کہیں ہماری کلہاڑی تو نہیں دیکھی۔ بھلا کیوں دیکھی ہوگی!

حُر: اسی لئے تو آیا ہوں۔ مجھے ایک کلہاڑی پڑی ملی ہے۔

گھسیٹا: سچ۔ نہیں...... ذرا دکھاؤ تو..... میں دیکھوں۔

حُر: ضرور، ضرور۔ یقیناً تمہاری ہی ہوگی۔

(تھیلے سے سونے کی کلہاڑی نکالتا ہے)

یہ دیکھو، یہ ہے۔

گھسیٹا: (کلہاڑی دیکھ کر اور افسوس کے ساتھ واپس کرکے) افسوس، یہ میری کلہاڑی نہیں ہے۔ یہ تو سونے کی لگتی ہے، میری تو فولاد کی تھی۔

حُر: یہ تو اُس سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔ اسی کو لے لو۔

گھسیٹا: نہیں، آپ کا شکریہ۔ اس کی قیمت جو چاہے ہو، پر یہ میری نہیں۔ میں بھلا اسے کیسے لے لوں۔ نہیں، شکریہ۔

حُر (چاندی کی کلہاڑی نکال کر) تو کیا یہ بھی تمہاری نہیں ہے؟ یہ تو بالکل خالص چاندی کی ہے۔

گھسیٹا: بڑی مہربانی۔ میری کلہاڑی تو سیدھی سادی فولاد کی تھی۔ یہ چاندی کی کلہاڑی کسی اور کی ہوگی۔ میں اسے کیسے لے لوں؟

حُر: اور یہ؟ (لوہے کی کلہاڑی دکھاتا ہے)

گھسیٹا : (خوشی سے اچھل کر) ہاں ہاں، یہ ہے میری کلہاڑی - میری اپنی شہزادی، پری - میرے باپ نے دی تھی۔ ہزار ہزار شکر۔ لاکھ لاکھ شکر۔

(کلہاڑی کو چومتا ہے)

حر - میاں گھسیٹا ! تم وہ چیز ہو جو آج کل بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ یعنی ایک ایمان دار دیانت دار آدمی - جو سونے چاندی پر اپنا ایمان نہیں بیچتا۔ اچھا لو، اپنی کلہاڑی لو - یہ تمہیں مبارک - اور میری طرف سے یہ سونے چاندی کی کلہاڑی لو - یہ میرے ساتھی بالشتیوں نے بنائی ہیں۔ ذرا دھات کی خوبی دیکھو۔ بنانے والوں کے ہاتھ کی صفائی دیکھو - انھیں رکھو۔ میری نشانی ہیں۔

چنو : چھوٹے صاحب۔ آپ بڑے ہی اچھے ہیں ! یہ کلہاڑیاں کیسی اچھی ہیں ! اور میرے ابا....

(گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دیتی ہے)

حر : وہ سنو - کوئی گھوڑے پر آتا ہے - بس، میں تو چلا۔

(حر چپکے سے سٹک جاتا ہے۔ سموں کی آواز بند ہو جاتی ہے۔ سامنے کا دروازہ کھلتا ہے جیسے کسی نے زور سے دھکا دے کر کھولا ہو کھٹ پٹ، کھٹ پٹ ظالم جنگ اندر آتا ہے۔ یہ قد آور۔ بدصورت اور مغرور سا آدمی ہے)

نواب : یہ کیا ؟ حرام خور۔ یہاں پڑا آرام کر رہا ہے (رکابی کی طرف اشارہ کرکے) مٹھائیاں اُڑ رہی ہیں، مٹھائیاں۔ بدمعاش، نمک حرام۔

گھسیٹا : (سہا ہوا) حضور..... کیا نام کہ میں تو جنگل میں کام کرتا ہوں - مگر.... کلہاڑی... کھو گئی تھی.... کیا نام کہ اُسے ڈھونڈھنے یہاں آیا تھا

نواب : پھر ملی کہ نہیں ؟

گھسیٹا : حضور، مل گئی - اور حضور دو اور کلہاڑیاں بھی ملی ہیں۔ شاید حضور کو پسند آجائیں تو حضور خرید لیں۔

نواب : میں کلہاڑیاں خرید دں گا ! بدتمیز کہیں کا، کندۂ ناتراش -

گھسیٹا : جی ہاں حضور، ایک تو کندن کی ہے، حضور کو کیسے پتہ لگ گیا - اور ایک چاندی کی ہے

بکر خالص۔

نواب (دل چھپے کر) سونے کی کلہاڑی اور چاندی کی؟ اور کیوں، تیرے پاس سونے چاندی کی کلہاڑیاں کہاں سے آئیں؟

(آگے بڑھ کر گھسیٹا کو دھمکاتا اور اس کی گردن پکڑتا ہے)

جواب دے، بے ایمان جواب دے۔ تیرے پاس یہ سونے چاندی کی کلہاڑیاں کہاں سے آئیں؟

گھسیٹا: حضور ٹھہرئے، ٹھہرئے صبر کیجئے۔ میری کلہاڑی کیا نام کہ، گم ہو گئی تھی۔

نواب:۔ معلوم۔

گھسیٹا: ایک ننھے سے آدمی نے مجھے لا کر میری کلہاڑی واپس دی۔ اور ساتھ ہی یہ دو کلہاڑیاں بھی دیں۔

نواب: جھوٹے، دغاباز، نکھٹو۔ سچ بول سچ۔ تو نے کہاں سے چرائی ہیں؟

گھسیٹا۔ میں نے تو کیا نام کہ، جو سچ سچ بات تھی بتلا دی۔

چنو: (جو سہما ہوا ایک کونے میں کھڑا تھا) حضور، سچی سچی بات یہی ہے۔

نواب: اچھا اچھا۔ تو پھر یہ دونوں کلہاڑیاں میں لئے جاتا ہوں (کلہاڑیاں اٹھا لیتا ہے) اور ہاں بتاؤ جی وہ تمہاری کلہاڑی کس جگہ کھوئی تھی۔

گھسیٹا: حضور، وہ جنگل میں جہاں، کیا نام کہ حضور، تین شیشم کے بڑے بڑے پیڑ کھڑے ہیں نا حضور۔ اور کیا نام کہ ایک بڑا سا درخت آندھی کا گرا پڑا ہے۔ وہاں۔

نواب (سر ہلا کر) ہوں ٹھیک۔ اچھا چلو میرے ساتھ چلو اور وہ جگہ بتاؤ۔ ذرا اس معاملہ کی تحقیقات کی جائے گی۔ جب وہاں اس آسانی سے سونے چاندی کی کلہاڑیاں ملتی ہیں تو اور بھی بہت کچھ ملتا ہوگا۔

(نواب باہر نکلتا ہے۔ گھسیٹا پیچھے پیچھے۔ چنو کونے میں کھڑا چپکے چپکے روتا ہے)

(پردہ)

تیسرا منظر

(جنگل میں۔ جیسا پہلا منظر تھا۔ ظالم جنگ اور گھسیٹا داخل ہوتے ہیں)

نواب : کیوں بے۔ یہاں کلہاڑی کھوئی تھی؟ اوں؟

گھسیٹا ۔ جی سرکار۔ یہیں کھوئی تھی۔ میں، کیا نام کہ، یہاں ذرا سستا رہا تھا۔ کلہاڑی اور ٹکورا یہاں قریب رکھ لیا تھا۔

نواب (لکڑ پر بیٹھ کر) تم یوں بیٹھے تھے یوں؟ کلہاڑی یوں رکھی تھی، اوں؟

(دکھانے کے لئے اپنی تلوار کو درخت کے تنے سے ٹیک کر رکھ دیتا ہے) پھر؟

گھسیٹا : پھر حضور، میں اٹھا۔ وہاں۔ وہ اس جھاڑی کے پاس ایک زخمی تیتر تھا۔ (تیتر پھڑپھڑاتا ہے) وہ دیکھئے پھر وہیں ہے۔

نواب اور تم اسے پکڑ........

(تیتر کی طرف لپکتا ہے۔ تیتر پھر اڑ جاتا ہے۔ گھسیٹا کھڑا تاکتا ہے۔ یہ دونوں ادھر متوجہ ہیں۔ ادھر حرؔ نکل کر چپکے سے تلوار لے چلا جاتا ہے۔ دونوں لوٹتے تو تلوار ندارد)

نواب : تلوار غائب! بدمعاش تو نے چھوئی تھی؟

گھسیٹا : چھوئی ہو تو ہاتھ سڑیں۔ میں نے تو اُدھر دیکھا بھی نہیں۔

نواب : مگر تلوار تو غائب ہے۔ اب کہاں ملے؟

گھسیٹا : میں کیا بتاؤں حضور۔

نواب : میں کیا بتاؤں! بدمعاش۔ تجھے کلہاڑی مل جائے اور میری تلوار نہ ملے۔ (غصہ میں گھسیٹا کے لات مارتا ہے اور وہ گر پڑتا ہے) جنگل کے درختو، اور سب چیزو جو میری آواز سنتی ہو، میری تلوار اسی دم واپس ملنی چاہئے، ورنہ.. ورنہ، ..... ایک گھنٹہ کے اندر اس جنگل میں آگ.......

(یکایک حرؔ نکلتا ہے اور نہایت ادب سے سلام کر کے ایک سونے کی تلوار پیش کرتا ہے)

حر : کیا یہ تو نواب صاحب کی تلوار نہیں ہے؟

نواب : (خوش خوش آگے بڑھ کر) ہاں، ہاں، یہی ہے۔ لاؤ، ادھر لاؤ۔

حر : حضور، ذرا ایک منٹ، کیا حضور کو یقین ہے کہ آپ ہی کی تلوار ہے ؟

نواب : یقین کی ایک ہی کہی، پورا یقین ہے جی۔ ابھی ابھی تو اس درخت سے لگا کر رکھی تھی۔

(حر کے ہاتھ سے تلوار چھین لیتا ہے)

حر : میں نے حضور سے اس لئے پوچھا کہ ابھی ابھی ایک اور تلوار بھی مجھے پڑی ملی ہے۔ معمولی چاندی کی۔ ابھی حاضر کرتا ہوں۔

(چاندی کی تلوار لاتا ہے)

نواب : واللہ کیا خوب اتفاق ہے۔ یہ بھی میری ہی تلوار ہے۔ وہی جو پچھلے پنج شنبہ کو یہاں کھوئی تھی۔

حر : تو پھر یہ بھی سرکار ہی کی تلوار ہے ؟

نواب : بے شک۔

(نواب دونوں تلواریں لے لیتا ہے۔ ایک ایک ہاتھ میں، دوسری دوسرے میں۔ اور نوکیں زمین سے ٹیک کر کھڑا ہو جاتا ہے)

حر : (نواب کی اصلی تلوار لاکر) اور حضور، ایک تلوار یہ بھی ملی تھی۔ فولاد کی ہے۔

نواب : جی نہیں، یہ میری نہیں ہے۔ میں تو سونے چاندی کی تلواریں رکھتا ہوں (حقارت سے) یہ میری نہیں۔ کسی نوکر چاکر کی پڑی رہ گئی ہوگی۔

حر : تو یہ حضور کی نہیں، شاید اس آدمی کی تلوار ہے جو سامنے آ رہا ہے۔

(نواب سلامت جنگ نہتے داخل ہوتے ہیں)

نواب : اچھا، سلامت اللہ۔ تو یہاں! افوہ تیرا حوصلہ، تو اور میرے علاقہ میں! یہاں منہ دکھلانے کی ہمت!

سلامت جنگ : تیرا علاقہ! ٹھیک۔ کاش ہاتھ میں تلوار ہوتی تو بتلاتا کہ کس کا علاقہ ہے!

حر (فولاد کی تلوار دے کر) لو، لو، یہ تلوار لو۔ نواب صاحب تو قسم کھاتے ہیں کہ اُن کی نہیں وہ تو سونے چاندی کی تلواریں باندھتے ہیں۔

(سلامت جنگ جھٹ تلوار لے لیتا ہے۔ ظالم جنگ اپنی حماقت کو محسوس کرتا ہے)

نواب : نہیں، نہیں، یہ تو میری تلوار ہے۔

حر : بس، بس، لالچی، حریص آدمی، بس وقت نکل گیا۔

سلامت جنگ : مگر میرے بدلے کا وقت اب آیا ہے۔ چوہٹے ۔ غریبوں کا خون چوسنے والے ، جونک ۔ بس ہوشیار۔

(نواب پر حملہ کرتا ہے ۔ یہ اپنی دونوں تلواریں پھینک زمین پر دوزانو ہو جاتا ہے اور رحم کی التجا کرتا ہے)

نواب ۔ رحم حضور، رحم۔

سلامت جنگ : رحم ! رحم ؟ تو نے مجھ پر اور میروں پر بہت رحم کیا ہے نا۔ اِس غریب لکڑ ہارے پر بہت رحم کیا ہے ۔ کیوں ؟ تجھے تو آج یہیں ختم کر دیتا۔ مگر میں اِس جنگل کو تیرے پلید خون سے ناپاک نہیں کرنا چاہتا۔ جا ' جاں بخشی ۔ زندہ رہ ، مگر خوار اور رسوا ہو کر۔ (گھسیٹا کی طرف مڑ کر) گھسیٹا ، مجھے تمہارا اور تمہارے اور ساتھیوں کا سب حال معلوم ہے ۔ تم پر جو گذری میں سب جانتا ہوں۔ خیر ، جو ہوا سو ہوا۔ محل کی دیواروں تلے پھر تمہیں اور تمہارے بال بچوں کو پناہ ملے گی ۔ (حُر کی طرف مڑ کر) اور آپ کے لئے جنہوں نے اس موقع پر یہ تلوار . . . .

حر : بس بس۔ کوئی بات نہیں ۔ اب اس کا ذکر ہی کیا۔ آپ کی رعایا اور ہم سب جنگل کے بن باسی آپ کی واپسی پر جشن منائیں گے شکریہ ادا کیجئے تو اس غریب لکڑ ہارے کا۔ اِس دیانت دار ' ایمان دار آدمی کا۔ کہ اگر یہ اتنا دیانت دار اور کھرا نہ ہوتا تو شاید یہاں کچھ دن اور ظالم جنگ کا دور دورہ رہتا۔ مگر اب مجھے اجازت دیجئے ۔

(گاتا ہوا باہر جاتا ہے۔)

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو
ہوس اور لالچ کو دل سے نکالو
اور اک چیز ہے جس کا سب دھیان رکھو

(سب بول کر)

دیانت ' دیانت ' دیانت ' دیانت

ڈراپ

۱	۳	۵	۷
۹	۱۱	۱۳	۱۵

۲	۳	۶	۷
۱۰	۱۱	۱۴	۱۵

۴	۵	۶	۷
۱۲	۱۳	۱۴	۱۵

۸	۹	۱۰	۱۱
۱۲	۱۳	۱۴	۱۵

مندرجہ بالا شکلوں میں سے ہر ایک کو پٹھے کے ایک چھوٹے ٹکڑے پر نقل کر لیجئے اور چاروں ٹکڑوں کو اپنے پاس رکھئے۔ کسی شخص سے کہئے کہ ایک سے لے کر پندرہ تک کوئی عدد اپنے دل میں سوچ لو۔ جب وہ کہے کہ سوچ لیا تو دریافت کیجئے کہ وہ عدد پٹھے کے کون کون سے ٹکڑوں میں موجود ہے۔ جن جن ٹکڑوں میں بتایا جائے۔ اُن کی اوپر والی قطاروں کے داہنی جانب کے کونے کے عددوں کو آپس میں جمع کر لیجئے۔ جو کچھ جواب آئے وہی عدد سوچا گیا ہے۔

فرض کیجئے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ جو عدد میں نے سوچا ہے وہ پہلے، دوسرے اور چوتھے ٹکڑے میں ہے۔ اِن ٹکڑوں کی اوپر والی قطاروں کے داہنی جانب کے کونوں کے عدد بالترتیب ۱ و ۲ و ۸ ہیں۔ جن کا مجموعہ گیارہ ہوتا ہے۔ پس گیارہ ہی سوچا گیا ہے۔

(خاص) (عبدالستار انصاری)

(۱)
تو آنکھ کا تارا ہے
تو راج دلارا ہے
جنّت کا نظارا ہے
تو دیش ہمارا ہے

(۲)
گلزار ترے بن ہیں
پربت ترے گلشن ہیں
تو پھول ہزارا ہے
تو دیش ہمارا ہے

(۳)
جاری ہیں تری ندیاں
روشن ہیں تری صدیاں
تو عرش کا تارا ہے
تو دیش ہمارا ہے

(۴)
ارجن کی جنم بھومی
رانا نے زمیں چومی
رنجیت کا پیارا ہے
تو دیش ہمارا ہے

(۵)
اکبر کا چہیتا ہے
شیدا تری سیتا ہے
تو راج دُلارا ہے
تو دیش ہمارا ہے

(۶)
سر تجھ پہ کٹا دیں گے
تن مَن کو مٹا دیں گے
تو جان سے پیارا ہے
تو دیش ہمارا ہے

(۷)
ہندو ہوں کہ مسلم ہوں
سب تیرے ہی خادم ہوں
الفت میں گذارا ہے
تو دیش ہمارا ہے

عبدالستار انصاری (علیگ)

(خاص)

حضرت لقمان علیہ السلام

حضرت لقمان علیہ السلام کے متعلق بہت سے قصے اور کہانیاں مشہور ہیں اور وہ اس قدر عام ہو چکے ہیں کہ ہر شخص اُن کو بغیر سوچے سمجھے مان لیتا ہے لیکن یہ بات ہر ایک تسلیم کرتا ہے کہ حضرت لقمان بہت بڑے عالم فاضل اور حکیم تھے۔ اُن کی تعلیم و تربیت کے متعلق ہمیں صحیح حالات نہیں معلوم ہو سکتے اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے متعلق بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ قرآن شریف سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ لقمانؑ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عنایت فرمائی تھی کہ وہ خدا کا شکر کرے" خود ہمارے حضور رسولِ خدا نے آپ کی عقلمندی اور دانائی کی تعریف کی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت لقمان ملک سوڈان کے رہنے والے ایک حبشی غلام تھے جو اپنی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے ایک بہت بڑے عالم ہو گئے یورپ کے بعض بڑے آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ لقمانؑ اور حکیم الیسپ (ایک یونانی حکیم) دراصل ایک ہی شخص کے دو مختلف نام ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اِن دونوں نے جو اچھی اچھی باتیں کہیں ہیں وہ تقریباً ایک ہی سی ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں غلط ہیں۔ حضرت لقمان نہ تو حبشی غلام تھے اور نہ ملک سوڈان کے رہنے والے۔ بلکہ عرب کے رہنے والے بہت بڑے اور نیک بادشاہ تھے۔

حضرت لقمانؑ کی دو نصیحتیں جن کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے ایسی ہیں کہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں۔ ایک یہ ہے کہ " اور جب لقمان نے

اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے اُس سے کہا
کہ اے میرے بیٹے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا
اس لئے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے" دوسری
جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ "اے میرے بیٹے نماز
پابندی سے پڑھا کر اور نیک باتوں کی لوگوں
کو ہدایت کیا کر اور بُری باتوں سے روکا کر اور
اُس میں تجھ پر جو مصیبت بھی آئے اس پر صبر
کر اس لئے کہ اس کا تعلق بہت بڑی باتوں سے
ہے۔ اور اے میرے بیٹے لوگوں کی طرف سے
منہ نہ پھیر اور نہ زمین پر اترا کر چل۔ یقین کر کہ
اللہ مغرور اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا"
اِن کے علاوہ اور بھی نصیحتیں ہیں جو
حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کیں۔ وہ مندرجہ
ذیل ہیں۔ اگر ہم ان پر عمل کریں تو یقین ہے کہ
دنیا میں ہماری زندگی بہت اچھی ہو جائے گی
مجھے امید ہے کہ ہونہار بھائی اور بہنیں اِن
نصیحتوں کو اچھی طرح سے یاد رکھیں گی اور اُن
پر عمل بھی کریں گی۔

۱۔ بیٹا جب کسی کی صحبت میں جاؤ تو سلام کر کے بیٹھ جاؤ

۲۔ بُرے لوگوں سے ہمیشہ پناہ مانگتے رہو اور
اچھے لوگوں سے ڈرتے رہو۔

۳۔ کسی بات پر جب تک مجبور نہ ہو جاؤ نہ ہنسو۔

۴۔ اپنا مال ضائع نہ کرو اور دوسروں کے
مال کی اصلاح کرو۔ تمہارا مال وہ ہے جو
تم نے خدا کی راہ میں دیا۔ اور وہ دوسروں کا
ہے جو تم نے اوروں کے لئے چھوڑ دیا۔

۵۔ جو اوروں پر رحم کرتا ہے دوسرے اُس پر
رحم کرتے ہیں۔ جو خاموش رہتا ہے امن میں رہتا ہے
جو اچھی بات کہتا ہے اُس سے فائدہ اٹھاتا ہے
جو جھوٹ بولتا ہے گنہگار ہوتا ہے اور جو زبان
اپنے قابو میں نہیں رکھتا۔ ندامت اٹھاتا ہے۔

۶۔ بیٹیا! علما کی صحبت میں گھٹنوں کے بل آؤ
اور اُن کے سامنے خاموش بیٹھ جاؤ۔ خدا ہم
سب کو توفیق دے کہ ہم اچھی اچھی باتوں
پر عمل کریں۔　　(خاص)

سید نصیر احمد جامعی
سابق ایڈیٹر پیام تعلیم
دہلی

یونان کا سب سے پہلا حکیم

ہونہار بھائیو اور بہنو! آج میں ملک یونان کے سب سے پہلے حکیم اسقلی یوس سے آپ کو ملاتا ہوں انشاء اللہ رسالہ ہونہار کے اگلے نمبروں میں دنیا کے بڑے بڑے اور مشہور لوگوں سے آپ بھائیوں اور بہنوں کی کاغذی ملاقات کراؤں گا۔

یہ حکیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۱۴۰۰ سال پہلے یونان میں پیدا ہوا اور قریب قریب ۵۰ سال تک فنِ طب و حکمت کی بڑی بڑی شاندار خدمتیں انجام دے کر اِس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

اُس زمانے کی تاریخ لکھنے والے کہتے ہیں کہ یہ حکیم یونانی طب کا باوا آدم ہے اور یونان کی سرزمین کا وہ لایق اور سپوت فرزند ہے جس نے سب سے پہلے زندگی کے لہلہاتے ہوئے باغ میں طب و حکمت "کے صدا بہار پھول کھلائے اور خوش نما پودے لگائے جن کا نشان آج تک موجود ہے اور خوشبو اب تک پھیلی ہوئی ہے یہ وہ خوش نصیب حکیم ہے جس کی اولاد سے دنیا کے بڑے بڑے عالم، فاضل، حکیم اور فیلسوف (فلاسفر) پیدا ہوئے۔ ایک مشہور تاریخ لکھنے والا کہتا ہے کہ مشہور حکیم "بقراط" بھی اسی کی نسل سے تھا۔

ایک دوسرا مشہور تاریخ لکھنے والا کہتا ہے:

"یہ حکیم حضرت ادریس علیہ السلام کے مشہور شاگردوں میں سے تھا۔ اُس کی لیاقت، قابلیت اور حکمت و دہانت کا اُس کی زندگی ہی میں دنیا کے چاروں طرف ڈنکا بج گیا تھا اور اُس وقت کے بڑے بڑے حکیم، فلاسفر اور عالم اُس کی شاگردی میں فخریہ داخل ہو گئے تھے۔ اِس کے مرنے کے بعد بہت دنوں تک یونانی" اُس کا بُت بنوا کر اُس کی صبح شام پوجا کرتے رہے" تمام مشہور مورخوں کا بیان ہے کہ "اُس کی قبر پر روزانہ ایک ہزار چراغ جلائے جاتے تھے"

(خاص) خیر بہوروی

رسالہ ہونہار کے مضمون نگار

محمد ثناء الله صاحب کلکتہ

رسالہ ہونہار کے مشہور شاعر

حضرت فشتو بلرامی

محمد اسحاق صاحب خلف جناب حافظ محمد
فاروق صاحب صدر بازار دہلی

محمد عمر صاحب مالک نیشنل واشنگ کمپنی
صدر بازار دہلی

کسی ملک کی ملکہ کو خدا نے بہت منتوں اور مرادوں کے بعد ایک چھوٹی سی شہزادی عطا کی تھی۔ چونکہ شہزادی کے پیدا ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ کو پیغام اجل آگیا اس لئے ملکہ کو اپنی چھوٹی سی شہزادی کی تعلیم و تربیت خود ہی کرنی پڑی۔ اس کام کے لئے ملکہ نے ایک نہایت نیک اور عقلمند عورت کو اس خدمت پر مقرر کیا۔ ننھی منھی شہزادی اس قدر بھولی بھولی اور پیاری پیاری باتیں کرتی تھی کہ انّا کو اس سے بہت محبت ہوگئی۔

ایک روز شہزادی اپنی انّا کے ساتھ باغ کی سیر کر رہی تھی کہ اچانک اس کی نگاہ ایک بہت خوب صورت چھوٹی سی چھپکلی پر پڑی۔ شہزادی نے بھاگ کر اس کو دُم کی طرف سے پکڑ لیا اور خوشی سے ہنستی اور دوڑتی ہوئی محل میں آئی اور آتے ہی چھپکلی اپنی ماں کی گود میں پھینک دی۔ ملکہ کو یہ مکروہ چھوٹا سا جانور دیکھ کر اس قدر غصہ آیا کہ وہ ناراض ہو کر بولی "شریر لڑکی! جب تک یہ چھپکلی تیرے قد کے برابر نہ ہو جائے میں تیری شادی ہرگز نہ کروں گی" یہ کہکر اس نے قسم بھی کھائی۔

ملکہ کی خوفناک قسم سن کر کنیزیں خوف سے کانپنے لگیں اور شہزادی کی انّا کو بھی بہت ملال ہوا۔ لیکن انّا چونکہ سمجھدار عورت تھی وہ چپکے سے چھپکلی اپنے کمرے میں اٹھا لائی اور اس کی پرورش کرنے لگی قدرت کا قاعدہ ہے کہ جو کام نیک نیت سے اور محنت سے کیا جائے اس میں ضرور کامیابی ہوتی ہے اور خدا کبھی کسی کی محنت کو رائگاں نہیں جانے دیتا۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ انّا کی نگرانی میں یہ چھپکلی دن بدن بڑھنے لگی۔ اور جب چھوٹی سی شہزادی جوان ہوگئی تو اس وقت تک یہ چھپکلی بھی

بہت بڑی ہوگئی۔

اب انا نے ملکہ کو اُس کا قول اور قسم یاد دلائی ملکہ نے جب چھپکلی کو دیکھا تو بہت خوش ہوئی کیونکہ اب اُسے اپنی جلد بازی او غصّے پر بہت افسوس تھا۔ انسان غصہ میں آکر کوئی بُرا کام تو کر بیٹھتا ہے لیکن بعد میں اُس کا ضمیر اُسے ضرور ملامت کرتا ہے۔ خیر۔ اپنے وزیروں کے مشورے سے اُس نے دور دور کے ملکوں میں نقیب بھیجے کہ جو شہزادے شادی کرنے کے خواستگار ہوں وہ فلاں تاریخ تک آجائیں۔ اُن سب کے سامنے ایک معمہ پیش کیا جائے گا۔ ان میں سے جو شہزادہ معمہ حل کرے گا اُس سے شہزادی کی شادی ہوجائے گی اور نصف ملک جہیز میں دیا جائے گا۔

شہزادی کی خوب صورتی کے چرچے اور ملکہ کی بے انتہا دولت کے قصّے تو ایک مدت سے دور دراز کے ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ملکہ کا پیغام پہونچتے ہی بہت سے نامی گرامی شہزادے بڑی شان و شوکت کے ساتھ ملکہ کے شہر میں آئے شہر کے باہر خیموں کا ایک اورعالی شان شہر آباد نظر آنے لگا۔ ملکہ نے اپنے عالی قدر مہمانوں کی خاطر و مدارات میں ہزاروں روپئے خرچ کرڈالے متواتر آٹھ دن تک فوجی کھیل اور کرتب ہوتے رہے۔ اس کے بعد ملکہ نے ایک دربار منعقد کیا جب شہزادے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو ایک غلام سونے کے تھال میں کسی جانور کا پھیپھڑا رکھ کر لایا۔ یہ پھیپھڑا اُسی چھپکلی کا تھا۔ لیکن ملکہ اور انا کے سوا اور کسی کو اِس راز کا پتہ نہ تھا۔

ملکہ کے حکم سے شاہی نقیب نے اعلان کیا کہ جو شخص یہ بتلائے گا کہ یہ پھیپھڑا کس جانور کا ہے اُسی سے شہزادی کی شادی کردی جائے گی۔

اِن شہزادوں میں ایک رومی شہزادہ بھی تھا۔ اُس کی شان و شوکت اور اُس کی شکل و صورت کا کوئی اور شہزادہ مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بہت حلیم الطبع اور رحمدل معلوم ہوتا تھا۔ انا کی نظر انتخاب اُسی شہزادے

پر پڑ چکی تھی۔ اور اُس کی بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح شہزادی کی شادی اُسی رومی شہزادے کے ساتھ ہو۔

جب شہزادے اپنی اپنی قیام گاہ پر چلے گئے تو انّا نے ایک کُبڑے کو جو تماشائیوں سے بھیک مانگتا پھرتا تھا چپکے سے اپنے پاس بلوایا اور اُسے پانچ اشرفیاں دے کر کہا۔ "سنو! اگر تم میرا ایک کام کرو تو دس اشرفیاں تم کو اور دوں گی۔ لیکن پہلے قسم کھاؤ کہ تم کسی سے ذکر نہ کروگے"۔

کُبڑے نے قسم کھائی کہ وہ انّا کی بات کسی سے نہیں کہے گا۔ انّا بولی۔ تم چپکے سے رومی شہزادے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ جو پھیپھڑا ملکہ نے دکھایا ہے وہ دراصل چھپکلی کا پھیپھڑا ہے۔

کُبڑا واپس آکر سوچنے لگا کہ میں خود اس راز سے کیوں فائدہ نہ اُٹھاؤں۔ ساری عمر مزے سے گذرے گی۔ خوب صورت شہزادی بھی ملیگی اور آدھا ملک بھی ملے گا۔ بس چَین ہی چَین ہو گا۔ گو اُس کے ضمیر نے اُسے اِس فعل پر ملامت کی۔ لیکن شیطان نے اُسے پھُسلایا اور مال و دولت کا لالچ ایسا دلایا کہ کُبڑے نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ وہ رومی شہزادے کے پاس ہرگز نہیں جائے گا اور انّا کے بتلائے ہوئے راز سے خود فائدہ اُٹھائے گا۔ چنانچہ وہ رومی شہزادے کے پاس نہ گیا اور چپکا ہو رہا۔

اگلے روز جب پھر دربار لگا تو ملکہ نے باری باری سے ہر ایک شہزادے کو بلا کر پوچھا لیکن اُن میں سے کوئی بھی یہ نہ بتلا سکا کہ پھیپھڑا کس جانور کا ہے۔ جب سب شہزادے قسمت آزمائی کر چکے تو وہ کُبڑا اپنی جریب ٹیکتا ہوا آگے آیا اور زمیں بوس ہو کر ملکہ کو سلام کر کے بولا۔

"اگر حضور سب لوگوں کے سامنے پھر اِس بات کا اقرار کریں کہ آپ اپنا قول پورا کریں گی تو میں پھیپھڑا دیکھ کر بتلا سکتا ہوں کہ یہ کس جانور کا ہے"؟

کُبڑے کی بات پر سب لوگ ہنسنے لگے اور کچھ لوگ اُس پر پھبتیاں بھی کسنے لگے۔

لیکن جب شاہی نقیب نے ملکہ کی اجازت سے کبڑے کو پھیپھڑا دیکھنے کی اجازت دے دی تو سب خاموش ہو گئے۔

کبڑا کچھ دیر اُلٹ پلٹ کر پھیپھڑا دیکھتا رہا۔ اور پھر ملکہ کے سامنے جا کر زمین بوس ہو کر سلام کیا اور کہا "حضور! یہ پھیپھڑا دراصل ایک چھوٹی سی چھپکلی کا ہے جو اچھی خوراک کی بدولت اِس قد کو پہونچ گئی ہے۔"

یہ سن کر لوگوں نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔ لیکن ملکہ نے ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور ساتھ ہی ملکہ کے حکم سے ایک شاہی غلام نے کبڑے کے گلے میں جواہرات کا ایک ہار ڈال دیا اور شادی کے لئے دو ماہ کی تاریخ مقرر کر دی اور کبڑے کو محل میں رہنے کا حکم دیا گیا۔

جب انّا اور شہزادی کو اِس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے بہت پیچ و تاب کھایا اور شہزادی بیچاری تو غم کے مارے رونے لگی لیکن انّا نے اُسے تسلّی دی اور کہا کہ وہ ضرور اِس مصیبت کو ٹالنے کی کوشش کرے گی اور شہزادی کو تاکید کی کہ وہ بڑی عاجزی کے ساتھ خدا سے دعا مانگا کرے کیونکہ خدا کو بندے کی عاجزی بہت پسند ہے اور دل سے جو دعا مانگی جائے وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے۔

اب کبڑا ایک شہزادے کی حیثیت سے محل میں رہتا تھا اور اسے شہزادی سے ملنے کی بھی اجازت تھی۔ محل کے سب نوکر چاکر ظاہر طور پر تو کبڑے کا بہت ادب کرتے لیکن دل میں اُسے بہت کوسا کرتے۔

ایک روز شہر کے دو اور کبڑے جو کبڑے شہزادے کے بڑے دوست تھے اور اکثر تینوں مل کر بھیک مانگا کرتے تھے، شاہی محل میں اپنے کبڑے دوست کو مبارک باد دینے کے لئے آئے لیکن کبڑا شہزادہ اپنے دونوں دوستوں کو محل میں دیکھ کر بہت ناراض ہوا اور انھیں گالیاں دے کر محل سے نکل جانے کا حکم دیا۔

لیکن شہزادی کو اِن دونوں پر بہت ترس

آیا۔ جب کبڑا شہزادہ اپنے کمرے میں چلا گیا تو شہزادی نے ایک لونڈی کو حکم دیا کہ اعلیٰ شاہی باورچی خانے سے کھانا لا کر کھلائے اور کچھ انعام دے کر رخصت کرے۔ لیکن ابھی باورچی خانے سے کھانا بھی نہیں آیا تھا کہ کبڑا شہزادہ اپنے کمرے سے نکلا۔ لونڈی نے اس خوف سے کہ کہیں اُس پر آفت نہ آجائے دونوں کبڑوں کو چمڑے کے دو صندوقوں میں جو اتفاق سے اس کمرے میں پڑے تھے جلدی سے بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک غلام کھانا لے کر آیا اور اُسی کمرے میں ایک میز پر کھانا چُن دیا۔ کبڑا شہزادہ یہ سمجھ کر کہ میرا کھانا آیا ہے اُسی کمرے میں آ بیٹھا اور مزے مزے سے کھانے لگا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد اُس نے ایک لونڈی کو گانے کا حکم دیا اور بہت دیر تک بیٹھا گانا سنتا رہا۔

آخر جب وہ کمرے سے نکلا تو لونڈی نے جلدی سے صندوق کھولے لیکن دونوں بدقسمت کبڑے گھُٹ کر مر چکے تھے

جب اَنا کو اس واقعے کی خبر ملی تو وہ گھبرائی کہ اگر ملکہ کو خبر ہوگئی تو وہ بہت ناراض ہوگی۔

اُس نے ایک مزدور کو چپکے سے چور دروازے کے راستے سے محل میں بلایا اور اُس کے آتے آتے ایک صندوق تو کمرے میں ہی رہنے دیا اور دوسرا ایک طرف چھپا دیا۔ جب مزدور آیا تو اَنا نے کہا "دیکھو یہ صندوق اٹھا کر دریا میں پھینک آؤ۔ ایک اشرفی یہ لو۔ جب واپس آؤ گے تو دو اور ملیں گی۔ لیکن خبردار! صندوق کا ڈھکنا ہرگز نہ کھولنا۔"

مزدور نے اشرفی جیب میں ڈالی اور صندوق سر پر اٹھا کر چور دروازے کے راستے سے نکل کر دریا کی راہ لی۔ دریا پر پہونچ کر جہاں پانی کی تیز رو تھی وہ صندوق پھینک دیا اور پھر محل کی طرف لوٹا۔

اُس کے جاتے ہی اَنا نے وہ دوسرا صندوق بھی اُسی جگہ جہاں پہلا رکھا تھا پھر رکھوا دیا اور اُس کا انتظار کرنے لگی۔ جب مزدور آیا تو بالکل وہی صندوق اس جگہ دیکھ کر حیران ہوگیا۔

انّا بولی "بے وقوف اِس صندوق میں ایک کبڑا جن بند ہے۔ تم نے اُسے اچھی طرح نہیں پھینکا۔ لو دیکھو! تمہارے آنے سے پیشتر ہی وہ پھر یہاں موجود ہے۔ اب اسے اٹھاؤ اور ایسی جگہ دریا میں پھینکو جہاں پانی اسے بہا کرلے جائے۔ یہ ایک اشرفی اور لو۔ جب واپس آؤ گے تو دو کی بجائے چار اشرفیاں ملیں گی۔

مزدور نے پھر صندوق اُٹھایا اور جب دریا پر پہونچا تو اُسے ایک جگہ رکھ دیا اور چپکے سے اُس کا ڈھکنا اُٹھایا اور یہ سمجھ کر کہ کبڑا جن سو رہا ہے چاقو نکال کر اُس کے سینے میں پیوست کر دیا اور صندوق اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ وہ دل میں یہ کہتے ہوئے کہ اب تو یہ آنے سے رہا خوشی خوشی محل کی طرف لوٹا۔

جب وہ چور راستے سے محل میں داخل ہوا تو اچانک اُس کی نگاہ کبڑے شہزادے پر پڑی جو اُس کے آگے آگے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ کبڑے کو پھر وہاں موجود دیکھ کر مزدور چیتے کی طرح اُس پر جھپٹا اور اسے دبوچ کر اپنی چادر میں زور سے کس کر باندھ لیا اور اُسے سر پر اٹھا کر پھر دریا کی طرف بھاگا۔

کبڑے شہزادے نے بہت شور مچایا پہلے تو اُسے بہت گالیاں دیں اور کوڑے لگوانے کی دھمکی دی۔ پھر انعام کا لالچ دینے لگا لیکن اب مزدور اس کی کب سننے والا تھا۔ وہ اُسے سر پر اُٹھائے بھاگا بھاگا دریا پر پہونچا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر چادر کے ساتھ باندھ دیا اور پھر دریا میں اُترا اور جہاں پانی گہرا اور تیز بہ رہا تھا وہاں اُسے پھینک دیا اور پھر محل کی طرف لوٹا۔ اور تمام ماجرا انّا سے بیان کر دیا۔

انّا یہ قصّہ سن کر بہت خوش ہوئی اور مزدور کو بہت سا انعام دیا۔ پھر شہزادی کو جا کر مبارک بادی اور کہا کہ لو بھئی! اللہ نے تمہاری فریاد سنی اور تمہیں آنے والی مصیبت سے بچا لیا۔ پھر اُس نے ہنس ہنس کر تمام قصّہ شہزادی کو سُنایا۔

کچھ مُدّت کے بعد انّا کی کوشش سے

شہزادی کی شادی رومی شہزادے سے ہوگئی
وہ کبھی پھولتا پھلتا نہیں۔
سچ ہے جو شخص دوسروں کا حق چھینتا ہے

ایم اسلم - لاہور

علم و ہنر کی راہ دکھاتا ہے ہونہار

علم و ہنر کی راہ دکھاتا ہے ہونہار
ظلمت جہالتوں کی مٹاتا ہے ہونہار

نورِ سحر امید کا لاتا ہے ہونہار
سوتے ہوئے نصیب جگاتا ہے ہونہار

باتیں مزے مزے کی بتاتا ہے ہونہار
روتے ہوؤں کو آکے ہنساتا ہے ہونہار

اے خیرؔ میرے پاس جب آتا ہے ہونہار
خوشیاں بھی میرے واسطے لاتا ہے ہونہار

آتا ہے ہونہار تو کہتا ہے مجھ سے شوق
دیکھو وہ ڈاکیا لئے آتا ہے ہونہار

بچے بھلا نہ چاہیں اسے دل سے کس لئے
افسانے اچھے اچھے سناتا ہے ہونہار

دیتا ہے آکے سب کو رواداریوں کا درس
بغض و حسد کو دل سے مٹاتا ہے ہونہار

عیسائی ہو کہ ہندو و مسلم کہ پارسی
دل سے ہر ایک قوم کو بھاتا ہے ہونہار

یہ جانتا نہیں ہے تعصب ہے کیا بلا
گنگا پریم ہی کی بہاتا ہے ہونہار

گمراہ زینہار نہ پھر ہو سکے کبھی
بچوں کو ایسی راہ دکھاتا ہے ہونہار

دکھلا کے اتحاد و محبت کے فائدے
گر بھی ترقیوں کے بتاتا ہے ہونہار

پھیلا کے سارے ملک میں ارمانِ ارتقا
قومی مصیبتوں کو مٹاتا ہے ہونہار

اطفال "ہونہار" ہوں جس کا یہ ہے خیال
اے خیرؔ وہ ضرور منگاتا ہے ہونہار

اے ہونہار بچو!

اِس کی بہار ہے یا پھولوں کا ہار دیکھو! تم ہونہار دیکھو
پھولوں کا ہار کیا ہے؟ اِس کی بہار دیکھو! تم ہونہار دیکھو
اے ہونہار بچو!

صورت وہ خوش نما ہے
پھولوں کا دستہ کیا ہے
کوئی چمن کھلا ہے
خاکہ بہار کا ہے

تحریر اِس کی دیکھو! نقش و نگار دیکھو! تم ہونہار دیکھو
اے ہونہار بچو!

کاغذ نفیس، اعلےٰ
ہر نقش صاف، زیبا
رنگینیوں سے گویا
اِک تختہ ہے چمن کا

کیا ٹائٹل بنا ہے باغ و بہار دیکھو! تم ہونہار دیکھو
اے ہونہار بچو!

باتیں لطیف کیسی
موجِ نسیم ایسی
کلیاں تو کیا ہیں ویسی
پھولوں کی بو ہو جیسی

اِس کی بہار لوٹو۔ ہاں بار بار دیکھو! تم ہونہار دیکھو
اے ہونہار بچو!

جس وقت ہو نہ فرحت
جس دم ستائے کلفت
گھبرائے جب طبیعت
ہو دل کو جوں ہی وحشت

ہو جب کبھی تمہارا جی بے قرار دیکھو! تم ہونہار دیکھو
اے ہونہار بچو!

اِس میں جو کچھ لکھی ہیں
باتیں بہت بھلی ہیں
کیا سب میں بس یہی ہیں؟
ہر پرچہ میں نئی ہیں

اِک پرچہ دیکھا تو کیا جب ماہوار دیکھو! تم ہونہار دیکھو
اے ہونہار بچو!

بچو! مری سنو تم!
خود بھی اسے پڑھو تم!
جس دوست سے ملو تم!
اُس سے یہی کہو تم!

یہ میگزین کیسا اچھا ہے یار دیکھو! تم ہونہار دیکھو
ہم کو اثیم لکھتے ہیں "بار بار" دیکھو! تم ہونہار دیکھو

اثیم خیر آبادی

مِیاں محمود کا اِمتحان

اور

اُس کی خوشی

(۱)

لو امتحان دے کر محمود آرہے ہیں
کیا کھِل رہی ہیں باچھیں کیا مسکرا رہے ہیں

اس سال بھی ہوئے ہیں وہ کامیاب شاید
انداز تو کچھ اُن کے یہ ہی بتا رہے ہیں

رکھتے قدم کہیں ہیں پڑتا قدم کہیں ہے
کیا خوش خوش آرہے ہیں کچھ گنگنا رہے ہیں

پڑھنے میں جی لگایا، لکھنے میں سر کھپایا
پھل آج سال بھر کی محنت کا پا رہے ہیں

بھائی بھی خوش، بہن بھی، ماں باپ بھی، چچا بھی
سب گھر کے لوگ کیسی خوشیاں منا رہے ہیں

آئے ہیں پاس ہو کر، وہ ہاتھ میں سند ہے
پرچہ وہ نمبروں کا سب کو دکھا رہے ہیں

لے لو وہ امتحاں کی باتیں سُنا سُنا کر
ماں باپ کے دِلوں کو کیسا لُبھا رہے ہیں

کچھ کہنا چاہتے ہیں، منہ سے ہے کچھ نِکلتا
کرکے ادھوری باتیں سب کو ہنسا رہے ہیں

حالؔی کے شعر انھوں نے ریڈر میں کچھ پڑھے تھے
کیا جھوم، جھوم کر وہ سب کو سُنا رہے ہیں

سُن سُن کے اُن کی باتیں گِن گِن کے ان کے نمبر
کچھ مسکرا رہے ہیں، کچھ کھِل کھِلا رہے ہیں

ابّا نے پیٹھ ٹھونکی، ماں نے گلے لگایا
اِس طرح اور اُن کی ہمت بڑھا رہے ہیں

اِس وقت کی مسرّت پوچھو تو اُن کے دِل سے
بن بن کے گو وہ اپنی حالت چھُپا رہے ہیں

کھلوائیں گے مٹھائی، مانی ہے جو انھوں نے ۔ سب اپنے دوستوں کو گھر پر بلا رہے ہیں
حامد، رشید، اختر، اشرف کی ہوگی دعوت ۔ ہر اک کو وہ نیوتا دینے کو جا رہے ہیں
دعوت کا خود ہی جاکر سامان لائے آخر ۔ کیسے لدے پھندے وہ منڈی سے آ رہے ہیں
لے لو وہ ڈھل گیا دن، مہمان آگئے سب ۔ کچھ چائے پی رہے ہیں، کچھ کیک کھا رہے ہیں

(۲)

ہوتے ہیں شادیوں ہی دنیا میں نیک بچے ۔ محمود آج جیسی خوشیاں منا رہے ہیں
پائیں گے وہ بھی عزت، دیکھیں گے وہ بھی راحت ۔ محنت جو کر رہے ہیں، جو جی لگا رہے ہیں
ان کے لئے بھی لکھ دی ہے یہ ہی کامیابی ۔ محنت سے جو پسینہ، اپنا بہا رہے ہیں
جو پڑھنے اور لکھنے سے جی نہیں چراتے ۔ سب کی نظر میں عزت اپنی بڑھا رہے ہیں
جو مانتے ہیں دل سے اپنے بڑوں کا کہنا ۔ وہ عیش کر رہے ہیں، سکھ چین پا رہے ہیں
ہیں کام کے وہ بچے جو بھولتے نہیں ہیں ۔ استاد ان کے جو کچھ ان کو سکھا رہے ہیں
پڑھنے سے جی چرایا، لکھنے سے منہ چھپایا ۔ جس جس نے آج وہ سب نقصان اٹھا رہے ہیں
ان کو کہاں یہ خوشیاں، ان کی کہاں یہ عزت ۔ بس کھیل کود میں جو عمریں گنوا رہے ہیں
اسکول اور گھر میں عزت ہو خاک ان کی ۔ جو اپنا وقت سارا یوں ہی مٹا رہے ہیں
وہ اپنی زندگی میں کیا عیش کر سکیں گے ۔ محنت سے بچتے ہیں جو جی چرا رہے ہیں
لیکن وہ نیک بچے، محنت کے جو دھنی ہیں ۔ راحت اٹھا رہے ہیں، عزت کما رہے ہیں

ہو اپنی کامیابی، ان کو سدا مبارک
جو دل سے پڑھ رہے ہیں، اسکول جا رہے ہیں

(محوی صدیقی ۔ از مدراس)

نپولین کا آخری سانس

بچو! اتنی جگہ نہیں کہ نپولین کے مکمل اور پورے پورے حالات تمہیں بتائے جاسکیں فقط اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ بہت سی لڑائیاں لڑا اور عموماً فتح یاب ہوتا رہا۔ اُس کی شہرت کا ڈنکا نہ صرف فرانس اور اُس کے گرد و نواح ہی میں تھا بلکہ دنیا میں ہر جگہ اُس کی بے نظیر بہادری مشہور ہوگئی تھی۔ یورپ کی حکومتیں اس کے نام سے کانپتی تھیں۔ ہر ایک طاقت اُس کی ٹکر میں تھی۔ جہاں یہ منچلا جوان پہونچتا وہاں کا نقشہ تبدیل کر دیتا۔ جرنیل سے رفتہ رفتہ بہت تھوڑے عرصہ میں وہ ذاتی قابلیت کی وجہ سے شہنشاہ بن گیا اور ۱۸۰۴ء میں وہ تخت پر بیٹھ گیا۔ دوسرے ممالک کے بادشاہ اس کی باریابی حاصل کرنے کے لئے عام لوگوں کی طرح پھرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ لیکن جو کچھ وہ کرتا اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ فرانس اور صرف فرانس کے لئے کرتا تھا۔

اگرچہ سپاہی تھا لیکن نہایت رحمدل واقع ہوا تھا۔ لڑائی کے بعد فوراً زخمیوں کی دیکھ بھال کرتا اور نہ صرف اپنے بلکہ دشمنوں کے آدمیوں کی بھی بہت دلجوئی کرتا اور اُن کی ہر طرح سے مدد کرتا۔

وہ صرف جنگ کرنا ہی نہ جانتا تھا بلکہ معمولی سے معمولی بات کو بھی اپنی نظر کے تلے رکھتا۔ غریب اور مفلس لوگوں کی عرض داشتیں سنتا اور کبھی انصاف کو ہاتھ سے نہ دیتا۔ جب کبھی جنگ سے اُسے فرصت ملتی تو وہ ملک کی اصلاحات میں اپنا وقت صرف کرتا۔ قانون، تعلیم، صنعت و حرفت، نہروں اور سڑکوں ...... کی طرف متوجہ ہوتا۔ باوجود بے شمار لڑائیوں کے اُس کے

عہد میں لوگ نہایت خوش حال اور فارغ البال تھے
باوجود شہنشاہ ہونے کے اس کی زندگی
نہایت سادہ اور بہت پُرلطف تھی۔ علی الصبح جب
نوکر اسے نیند سے بیدار کرتا تو اُس کے پہلے الفاظ یہ
ہوتے، "کھڑکیاں کھولو تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی
تازہ ہوا میں سانس لوں" اس کے بعد ہر قسم
کے مراسلات، درخواستیں اور خطوط وغیرہ دیکھتا
پھر اخبار کا مطالعہ کرتا۔ بعد ازاں قریب کے کمرے
میں ملاقاتیوں سے ملاقات کرتا۔

اس کی طبیعت باوجود سپاہی ہونے کے
نہایت سادہ تھی۔ وہ نہایت خوش مزاج تھا۔
ہفتہ میں دو بار ایک نامی ڈاکٹر کارویزارٹ
اسے دیکھنے آتا۔ نپولین کو اس پر بڑا اعتماد تھا۔
لیکن نپولین کی طبیعت کی جولانی یہاں بھی اپنا
کام کئے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ ڈاکٹر سے مذاق کے
طور پر کہا کرتا " میاں تمہاری دوائیں بالکل
بے کار اور بے اثر ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب!
یہ تو فرمایئے آج کتنے لوگوں کو اللہ میاں کے
پاس روانہ کر کے آئے ہو؟" یہ کہکر ڈاکٹر صاحب
کے کان کھینچتا۔ کان کھینچنے میں نپولین کو بہت
لطف حاصل ہوتا تھا۔

نپولین نہانے کا عادی تھا۔ غسل کرنا اُسے
بہت عزیز تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جسم کی صفائی
کے لئے اور صحت کے لئے غسل نہایت ہی ضروری
ہے۔ نپولین فوجی وردی کو بہت پسند کرتا تھا۔
عموماً نیلے یا سبز رنگ کا کوٹ پہنتا۔ اُس کو
چست کپڑے یا نئی ٹوپی اور نئے جوتے اچھے نہیں
معلوم ہوتے تھے۔ کپڑے ڈھیلے پہنتا اور ٹوپی
اور جوتے پہلے کچھ روز ایک ملازم پہنتا۔ جب وہ
نرم اور ڈھیلے ہوجاتے تو خود استعمال کرتا۔

وہ تمام نشہ لانے والی چیزوں سے پرہیز
کرتا تھا۔ اس نے صرف ایک مرتبہ تمباکو پینے
کی کوشش کی۔ ایران سے نہایت بیش قیمت
حقہ منگوایا گیا۔ لیکن پہلا کش لگاتے ہی اُس کا
گلا گھٹ گیا اور کھانسی آگئی۔ اس نے کہا
"اُخو۔ لے جاؤ اِس گندی اور ناپاک چیز کو"
اور پھر کبھی تمباکو نوشی کی کوشش نہیں کی۔
نپولین کی مسکراہٹ سے ہر شخص مسحور

ہوجاتا لیکن جب وہ غصہ میں ہوتا تو بڑے بڑے جرنیلوں کا بھی پتہ آب ہوجاتا۔

نپولین کھانا بہت عجلت سے کھاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کپڑوں پر دھبے پڑجاتے اس کا خط بہت خراب تھا۔ لکھتے ہوئے غلطیاں بھی بہت کرتا۔ اس کے لئے اپنا لکھا ہوا پڑھنا بھی محال تھا۔

اس کا دماغ ایسا صحیح اور خیالات ایسے تیز ہوتے تھے کہ ایک ہی وقت میں دو تین سکریٹریوں کو مختلف مضامین لکھواتا۔ اور اس تیزی سے بولتا کہ سیکریٹری کو اکثر الفاظ حذف کرنے پڑتے۔ جو بعد میں درست کرلئے جاتے۔ غالباً شارٹ ہینڈ کی ایجاد اسی وقت سے ہوئی ہوگی

کام کرنے میں اس قدر محو ہوجاتا کہ گھنٹوں گذرجاتے اور اسے کھانا کھانا بھی یاد نہ رہتا۔ اکثر کہا کرتا کیا ہوا اگر کھانا نہیں کھایا۔ یا آرام نہیں کیا۔ آخر شہنشاہ کس بات کا ہوں۔ جو کام بھی نہ کروں۔ بعض اوقات تین تین شب کام کرتا۔ اور پل بھر آرام نہ کرتا۔ اور اگر کوئی شکایت کرتا کہ حضور دن بھر کام کرنا پڑتا ہے تو جواب ملتا کہ تمام رات آرام کے لئے بھی تو ہے۔ اپنے ماتحتوں سے بھی خوب کام لیتا۔ لیکن انھیں معاوضہ بھی خوب دیتا۔

نپولین نے اپنے سکریٹری کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ اگر کوئی خوش خبری ہو تو مجھے جلد بتانے کی ضرورت نہیں لیکن اگر اس کے برعکس ہو تو مجھے فوراً نیند سے بیدار کرلو۔

دنیا والے ہر قسم کا الزام اس کے سر تھوپ سکتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ سست وکاہل تھا۔

لیکن یہ سب کچھ کس لئے تھا۔ اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ فرانس کے لئے۔ فرانس کے لئے اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔

نپولین جب کبھی سفر کرتا یا کہیں جاتا تو گاڑی میں بے شمار کتابیں رکھ لیتا جو اسے دلچسپ معلوم ہوتیں انھیں رکھ لیتا باقی سڑک پر پھینکتا چلا جاتا۔

نپولین ایسا مستقل مزاج اور ضبط کا مادہ رکھتا تھا۔ کہ ایک لڑائی کے دوران میں اس کے ٹخنے میں گولی لگی ۔ ہڈی کی چوٹ کوئی معمولی چوٹ نہیں ہوتی۔ گولی لگتے ہی گھوڑے سے نیچے آرہا ۔ اس کے گرتے ہی تمام فوج اس کے گرد جمع ہوگئی ۔ دشمنوں نے یہ موقع تاک کر مجمع پر نہایت زور شور سے گولیوں کی بارش برسانی شروع کردی۔ نپولین نے خطرہ کو محسوس کیا اور زخم پر پٹی بندھتے ہی باوجود سخت تکلیف کے فوراً گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ تاکہ فوج یہ خیال کرے کہ نہایت خفیف سی چوٹ آئی ہے۔

نپولین خوب موقع شناس تھا ۔ اور سپاہیوں کو انعام واکرام سے مالامال کردیتا تھا کہتے ہیں کہ نپولین کبھی نہ رویا ۔ لیکن "نے نیز" کی موت پر پھوٹ پھوٹ کر رویا ۔

"نے نیز" نپولین کا ایک گہرا دوست اور بہت بہادر جرنیل تھا۔ نہایت شریف قابل اور وفادار تھا۔ نپولین کو اس سے محبت ہی نہیں بلکہ ۔ ایک قسم کا عشق تھا۔ اس کی موت نے نپولین کو بہت افسردہ بنادیا۔ کیوں کہ نپولین مارشل نے نیز کو اپنا دایاں بازو سمجھتا تھا۔ اور حقیقتاً اس کی موت کے بعد نپولین کو زوال آنا شروع ہوگیا۔

نپولین کے وفادار بہادر جرنیل اور پرانے جہاں دیدہ بہادر سپاہی رفتہ رفتہ کم ہوتے جارہے تھے ۔ بعض لڑائیوں میں کام آگئے اور بعض عمر کے تقاضے سے دنیا کو خیرباد کہہ گئے ۔ بچے کھچے آنے والی خوفناک جنگ کی نظر ہوئے۔ یہ جنگ روس کے خلاف جنگ تھی ۔ بلائے ناگہانی تھی۔ آفت تھی جس سے نپولین کو دوچار ہونا پڑا اور یہی نپولین کے تنزل کا باعث ہوئی ۔ اس سے نپولین کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی ۔ گو سنبھلنے کی کوشش کی گئی ۔ مگر ناکام ثابت ہوئی بہادر مرچکے تھے ۔ ہر طرف دشمن پیدا ہوگئے تھے ۔ نئے سپاہی آئے دن کی لڑائیوں سے تھک گئے تھے ۔ نپولین انھیں انعام واکرام دیتا زمینیں اور دولت دیتا ۔ لیکن کبھی آرام سے بیٹھ کر عیش وعشرت سے ان عطیوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہ دیتا۔

۱۸۱۰ء میں نپولین نے آسٹریا کی اٹھارہ سالہ شہزادی سے شادی کی جس سے بعد میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو کنگ آف روم کہلایا۔ لیکن یہ شہزادی میری لوئی جس کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے بہت بے وفا ثابت ہوئی۔ اور جب نپولین پر مصائب اور غم و آلام کی گھٹائیں چھائیں تو یہ بھی اپنے خاوند کو چھوڑ کر دشمنوں سے جا ملی اور نپولین کی زندگی کا سہارا اس کا عزیز ترین اکلوتا بیٹا بھی اپنے ساتھ ہی لے گئی۔

تمہیں پیشتر بتا چکا ہوں کہ جنگ روس ہی نپولین کے تنزل کا باعث ہوئی۔ کیوں کہ یہاں گرمیوں میں گرمی اور سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔ برف باری کی وجہ سے یہاں کی سردی برداشت کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے چنانچہ نپولین بے شمار سپاہ کے ساتھ۔ روس کے دارالخلافہ ماسکو میں پہنچا۔ خیال تو یہ تھا کہ روس والے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیں گے لیکن روسیوں نے شہر خالی کر دئے فصلیں برباد کر دیں اور موسم سرما کا انتظار کرنے لگے موسم سرما آگیا۔ نہ کوئی روسیوں کا وفد آیا اور نہ کوئی صلح کا پیغام۔ نپولین اب گھبرایا فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ اس واپسی میں نپولین کی فوج کو ایسی ایسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ لکھوکھا انسان موت کی نذر ہوئے۔ کچھ برف سے کچھ لڑائی سے اور بعض بھوک پیاس کی شدت سے۔

نپولین کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا تھا کہ ایسا نقصان عظیم ہوگا۔ نپولین پریشان حال اور شکستہ دل فرانس پہنچا۔ لیکن یہاں پہنچ کر کیا دیکھا۔ کہ ہر طرف دشمن ہی دشمن ہیں۔ اپنے حلیف اور مددگار بھی خون کے پیاسے نظر آتے ہیں۔

۱۸۱۴ء کے ابتدا میں۔ آسٹریا۔ روس اور پرشیا فرانس میں پہنچ گئے۔ سخت خوں ریز معرکے ہوئے۔ جن میں شروع شروع میں اگرچہ نپولین کو فتح حاصل ہوئی۔ لیکن آخرکار ۳۰ مارچ ۱۸۱۴ء کو نپولین تخت سے علیحدہ ہو گیا۔ اور تمام طاقتوں نے جس میں انگریز بھی شامل تھے یہ فیصلہ کیا کہ نپولین کو جزیرہ البا س جلا وطن کرکے

بھیج دیا جائے۔ سپاہ کو نپولین سے اس قدر
محبت تھی کہ بوقت رخصت اکثر سپاہیوں کی
آنکھوں سے اشک جاری تھے خود نپولین پر
رقت طاری تھی چنانچہ بوقت رخصت اتنا کہہ سکا

"تمام یورپ نے میرے خلاف ہتھیار
اٹھائے ہیں۔ افسوس۔ خود فرانس نے مجھے
چھوڑ کر دیگر حکمراں کو منتخب کرلیا ہے۔ میری بدقسمتی
پر آنسو مت بہاؤ۔ اپنے نئے آقا کے وفادار
بن جاؤ۔ میں تم سب سے نہیں مل سکتا۔ لیکن
میں تمہارے جنرل سے بغل گیر ہوتا ہوں"

جنرل آگے بڑھا۔ نپولین نے اسے
چھاتی سے لگایا پھر فرانسیسی علم کو بوسہ دیا۔ اور یہ
کہتا ہوا رخصت ہوگیا۔

"الوداع میرے بچو۔ الوداع میرے
بہادر ساتھیو۔ مجھے فراموش نہ کرنا۔ الوداع"

نپولین کے بعد مقتول شاہِ فرانس کا بیٹا
لوئی اٹھارواں تخت نشین ہوگیا۔

لیکن نپولین زیادہ عرصہ تک البا میں نہیں
ٹھہرا۔ پہرہ داروں کی آنکھوں خاک جھونکتا ہوا
پھر فرانس میں آن پہنچا۔ لوئی بھاگ گیا اور
نپولین پھر دوبارہ تخت پر قابض ہوگیا۔ لیکن یہ
فتح نہایت مختصر تھی۔ نپولین کے ستارے کو
زوال آچکا تھا۔ ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کو واٹرلو کے مقام
پر خون ریز جنگ ہوئی۔ نہ صرف تمام یورپ اس
کے خلاف جنگ میں شریک تھا بلکہ اس کے اپنے
جرنیلوں اور افسروں نے بھی سخت دھوکہ دیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نپولین کو شکست ہوئی
چنانچہ اس نے اپنے آپ کو انگریزوں کے
حال پر چھوڑ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ انگریز اس سے
بادشاہوں کا سا عمدہ سلوک کریں گے لیکن حالات
اس کے برعکس ثابت ہوئے۔ اور خلاف توقع
وہ مع چند افسروں اور ملازموں کے۔ جزیرہ
سینٹ ہیلینا میں جلاوطن کردیا گیا۔ یہ تنہا جزیرہ
افریقہ کے مشرقی ساحل سے بہت ہی فاصلہ پر ہے
جو مکان اسے رہائش کے لئے ملا۔ نہایت مضر
صحت تھا۔ مسلح انگریزوں کی گارد ہر وقت اس
کی کوٹھی کا محاصرہ کئے رکھتی تھی۔ پہرہ رات دن
رہتا تھا۔ سیر کے لئے جاتا تو ہمیشہ ایک افسر اس کے

اِنعامی ڈرائنگ

اس تصویر میں جہاں جیسی ضرورت ہو رنگ بھر دو۔ یا اس تصویر کو ٹریس کر کے اس میں رنگ بھر دو۔ جب تصویر تیار ہو جائے تو اس کو مع ارکے ٹکٹ کے دفتر رسالہ ہونہار دہلی میں بھیج دو جس کی تصویر سب سے اچھی ہوگی اُس کو مبلغ دو روپے کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ تمام تصویریں ۲۰ فروری تک دفتر میں آجانی چاہئیں۔ تصویر پر اپنے ڈرائنگ ماسٹر صاحب کے دستخط کرا کر بھیجئے۔ اختر

اس بڑھیا کے گھر میں کون کون ہیں؟

شاید تم سمجھتے ہوگے کہ یہ بڑھیا اکیلی اپنے مرغے سے باتیں کر رہی ہے۔ بڑھیا اکیلی نہیں ہے۔ اُس کے قریب اور بھی لوگ ہیں۔ اگر تم اُن کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس تصویر کو اُلٹ کر دیکھو۔

جادو کا مربّع

اس مربع میں یہ خصوصیت ہے کہ ایک سے لے کر ۳۶ تک پورے ہندسے لکھے ہوئے ہیں اور اُن کو جس طرف سے جمع کرو اُن کا مجموعہ ۱۱۱ ہوگا۔

۲۹	۷	۲۸	۹	۱۲	۳۳
۳۲	۳۱	۳	۴	۳۶	۵
۲۸	۱۸	۱۵	۱۶	۱۹	۲۰
۱۴	۲۳	۲۱	۲۱	۱۳	۱۷
۲	۱	۳۴	۳۳	۶	۳۵
۱۱	۲۵	۱۰	۲۷	۳۰	۸

بدی کا بدلہ نیکی

(۱) ہونہار بھائیو اور بہنو! ہونہار کی سالگرہ نمبر کی خوشی میں میں تم کو ملک اِٹلی کے ایک لڑکے کا حال سناتا ہوں، جس کو دو سو برس کا عرصہ ہوا اٹلی میں ایک مشہور آدمی گذرا ہے۔ اِس لڑکے کا کام انٹونیو تھا۔ اُس کا باپ بہت غریب تھا اور شہر وینس کے قریب کسی کھیت میں کام کیا کرتا تھا۔ شہر وینس بھی عجیب وغریب جگہ ہے۔ وہاں سڑکوں کے بجائے نہریں بنی ہوئی ہیں۔ اور کئی جزیرے مل کر ایک شہر بن گیا ہے۔ ہر ایک جزیرہ ایک دوسرے سے پل کے ذریعے ملا ہوا ہے اور لوگ یہاں کی نہروں میں کشتیوں پر اِدھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں۔ وہ لوگ جنھوں نے اس شہر کو آباد کیا تھا بہت دولت مند لوگ تھے اور اپنی تمام ضروریات کے لئے خوبصورت چیزیں استعمال کرتے تھے۔ اُنھوں نے بڑی بڑی شاندار عمارتیں اور عبادت خانے بنوائے تھے اور اُن کو عمدہ عمدہ نقش ونگار اور خوب صورت تصویروں سے آراستہ کیا تھا

۲۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انٹونیو گھر میں بیٹھا مٹی کے کھلونے بنا رہا تھا کہ باہر سے اُس کے باپ کا ایک دوست آیا جو ایک بڑے دولت مند آدمی کا باورچی تھا۔ آج اُس کا چہرہ اُداس تھا۔ انٹونیو کی ماں نے پوچھا "کیا بات ہے؟ آج اُداس کیوں ہو؟" باورچی نے کہا "آج رات کو میرے مالک کے یہاں ایک بڑی دعوت ہے اور اُنھوں نے مجھسے کہا ہے کہ میں آج مکھن کی کوئی ایسی چیز بناؤں جو اُنھوں نے کبھی نہ دیکھی ہو۔ اور میں اُس کے یہاں مکھن اور شکر کے قلعے

اڑ دہے، چڑیاں، درخت اور خوبصورت
پھول بنا چکا ہوں اور اب مجھے کوئی نئی چیز
یاد نہیں آتی۔ بتاؤ میں کیا کروں؟
۳۔ جب انٹونیو کی ماں باورچی سے
باتیں کر رہی تھی تو انٹونیو مٹی کی ایک بطخ
بنانے میں مشغول تھا۔ جب انٹونیو اُس کو
بنا چکا تو اُس نے بطخ کو میز کے کونے پر رکھ
دیا۔ باورچی جب جانے لگا تو بطخ کو اُس کی
ٹھوکر لگ گئی اور وہ نیچے گر کر ٹوٹ گئی۔
یہ دیکھ کر انٹونیو سے نہ رہا گیا۔ اور بولا "اِس
کمبخت نے میری بطخ کا ستیاناس کر دیا میں
اُس کا یہ قصور کبھی معاف نہیں کروں گا"
(جیسے کبھی کبھی ہمارے بعض ہونہار بھائی
اپنے کسی دوست یا عزیز سے کوئی چیز ٹوٹ
جانے پر خفا ہو کر منہ پھلا لیتے ہیں اور اس سے
بات تک نہیں کرتے۔ بالکل ایسا ہی انٹونیو
نے کیا) یہ سُن کر اُس کی ماں نے کہا "ہائیں
تم یہ کیا بک رہے ہو؟ تمہیں ایسی باتیں
نہیں کرنی چاہئیں۔ آج وہ بے چارہ بہت
فکرمند ہے۔ اِس لئے اُسے خبر نہیں ہوئی کہ
اس نے کیا کیا۔ اس کے مالک نے اُس سے
دعوت کے لئے مکھن کی کوئی نئی چیز بنانے
کو کہا ہے اور اُسے کوئی ایسی چیز یاد نہیں آتی
جو اُس نے اب تک نہ بنائی ہو"۔ انٹونیو نے
کہا۔ واہ بس اتنی ہی سی بات ہے؟
میں اُس کی مدد کر دوں گا" یہ سُن کر اُس کی
ماں مُسکرائی۔ اتنے میں انٹونیو نے ٹوپی
اُٹھائی اور باورچی کے مکان کی طرف روانہ ہوگیا۔
۴۔ وہ باورچی خانے میں گیا اور
اُس باورچی سے کہا کہ میں تمہاری مدد کرنے
کے لئے آیا ہوں۔ اگر تمہارا دل چاہے تو
مجھ کو مکھن کا ایک بڑا لوڈا لا دو۔ میں
تمہیں مکھن کی ابھی ابھی کوئی نئی چیز بنا دوں گا"
باورچی نے کہا "اچھا تم اِس نئی کوٹھری میں
جاؤ۔ میں تمہیں ابھی مکھن دیتا ہوں۔ جب
بنا چکو مجھے آواز دے لینا۔ لیکن مجھے معلوم ہے
کہ بس تم مکھن خراب کرو گے۔ میں تمہارا دل
خوش کرنے کے لئے مکھن دئے دیتا ہوں"۔

۵۔ انٹونیو نے تین چار گھنٹے کی محنت کے بعد مکھن کا ایک بہت خوبصورت شیر تیار کیا اور دروازہ کھول کر باورچی کو پکارا۔ باورچی اندر آیا۔ اُسے شیر کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ گھور گھور کر کبھی انٹونیو کو دیکھتا اور کبھی شیر کو۔ باورچی نے خوشی میں آکر انٹونیو کو گود میں اٹھا لیا اور چلا اُٹھا "تو نے مجھے بچا لیا"۔

۶۔ رات کو دعوت میں وہ مکھن کا بنا ہوا شیر میز پر رکھا گیا۔ جب باورچی کے مالک اور اُس کے دوستوں نے شیر کو دیکھا تو اُن کو بہت تعجب ہوا اور سب نے کہا باورچی بہت اچھا کاریگر ہے۔ اُس کو بلاؤ۔ باورچی جب کمرے میں آیا تو اُس کے مالک نے اُس کے شیر بنانے پر بہت تعریف کی۔ باورچی نے کہا "میری تعریف نہ کیجئے۔ میں نے یہ شیر نہیں بنایا"۔ اُس کے مالک نے کہا "اچھا جس آدمی نے بنایا ہے اسے بلاؤ"۔ جب انٹونیو اُن کے سامنے حاضر ہوا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی کہ اِس چھوٹے سے غریب لڑکے نے یہ خوبصورت شیر کیسے بنا لیا۔ باورچی کا مالک انٹونیو سے اتنا خوش ہوا کہ اُس نے انٹونیو کو تعلیم کے لئے اسکول بھیج دیا۔ اُس نے ۱۸۱۶ء میں پتھر کے ایسے ایسے بُت بنائے جس کے سبب وہ یورپ میں بہت بڑا نقاش مشہور ہو گیا۔ اور اُس کے کچھ مجسّمے وینس کے پرانے شہر میں اب تک نصب ہیں۔ انٹونیو کا پورا نام انٹونیو کنووا (Antonio Canova) تھا وہ ۱۷۵۷ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۲۲ء میں فوت ہو گیا

۷۔ ہونہار بھائیو! تم نے دیکھا کہ انٹونیو نے اس باورچی کے ساتھ بدی کے بدلے نیکی کی اور غریبی کی حالت سے اُس نے اتنی ترقی کی کہ آج تک یورپ میں اس کا نام زندہ ہے۔ اگر وہ اپنی ماں کا کہنا نہ مانتا تو آج کو اُسے کون جانتا۔ تم بھی انٹونیو کی طرح نام پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اگر انسان کوشش کرے تو دنیا میں اپنے کو ایک بہت بڑا نامور آدمی بنا سکتا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

(محمد ثناء اللہ۔ کلکتہ)

کسی زمانہ میں شہر کراچی میں ایک بنیا رہتا تھا۔ وہ اتنا کنجوس اور لالچی تھا کہ کبھی کسی فقیر کو بھیک بھی نہ دیتا۔ کپڑے جب دیکھو پھٹے ہوئے اور میلے۔ وہ خود بھی اچھی طرح کھانا نہ کھاتا تھا کہ کہیں زیادہ روپیہ خرچ نہ ہو جائے۔ اِس وجہ سے وہ دبلا بھی ہو گیا تھا۔ شہر کے بہت سے لوگ اُسے جان گئے تھے۔ وہ جدھر سے نکل جاتا، انگلیاں اُٹھنے لگتیں۔ لڑکے بالے۔ اِسکول کے طالب علم جو اُسے دیکھتے قہقہے لگاتے لیکن اسے کسی کی پرواہ نہ تھی۔

وہ ہمیشہ روپیہ جوڑنے کی فکر میں لگا رہتا۔ آخر کار کچھ عرصہ میں اُس کے پاس بہت سا روپیہ ہو گیا اور اُس نے اُس روپئے کی اشرفیاں خرید لیں۔

اُن اشرفیوں کو وہ ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا۔ اُس نے کرایہ چلانے کے لئے ایک کشتی بھی بنوالی تھی۔ روزانہ اُس میں سوار ہو کر جزیرہ منورا (جو شہر سے دو میل کی دوری پر ہے) جایا کرتا اور وہاں سب سے الگ تنہائی میں بیٹھ کر اپنی اشرفیوں کو گنا کرتا کہ کہیں اس میں سے کوئی کھو تو نہیں گئی۔

ایک دن جب وہ منورا سے واپس آ رہا تھا سمندر میں بہت جوش تھا۔ ناؤ پانی کے تھپیڑوں سے ڈگمگا رہی تھی کہ اچانک اُس کی اشرفیوں کی تھیلی سمندر میں گر پڑی۔ تھیلی کا سمندر میں گرنا تھا کہ اتنی بڑی رقم ہاتھ سے کھو جانے پر بنئے کو بھی چکر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب اُس کے ہوش و حواس درست ہوئے تو اُس نے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا اور چلّا چلّا کر رونے لگا۔ اِدھر اُدھر کی بہت سی کشتیاں جمع ہو گئیں اُس کی اشرفیاں کھو جانے پر لوگوں کو افسوس تو

ضرور ہوا لیکن اُس کے بے طرح رونے پر
سب ہنسنے لگے۔ بنئے نے کہا " لوگو! یا تو
میری اشرفیاں اِس سمندر میں سے نکال دو ورنہ
میں بھی اسی میں گرا پڑتا ہوں۔ جب میرے پاس
دولت نہ رہی تو اب میری زندگی بھی بے کار
ہے " بعض لوگوں نے پانی میں غوطے بھی لگائے
لیکن تھیلی کا پتہ نہ ملا۔ لوگوں بنئے کو سمجھایا کہ
اس طرح رونے دھونے سے تھیلی نہیں مل سکتی۔
اِس وقت گھر چلو۔ کسی اچھے غوطہ خور کو لا کر
تمہاری تھیلی کا پتہ لگائیں گے۔

آخر کار بنیا بڑی مشکل سے کنارے
پر آیا۔ اُسے اپنی دولت کے گم ہو جانے کا
بڑا رنج تھا۔ اس نے چھپوا کر یہ اشتہار
تقسیم کرایا کہ جو شخص میری کھوئی ہوئی اشرفیوں کو تلاش
کر کے اور سمندر میں سے نکال کر میرے پاس
واپس لائے گا۔ میں اُسے اُن اشرفیوں میں سے
آدھی دے دوں گا۔

اسی جگہ جہاں بنئے کی تھیلی گری تھی ایک
مچھیرے کا لڑکا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ آج اُس کے
کانٹے میں کوئی مچھلی نہیں آئی تھی۔ وہ بہت رنجیدہ
تھا کیونکہ آج اُس کے گھر پر کھانے کو کچھ بھی
نہ تھا۔ اتفاقاً کانٹے کی ڈوری اُس کے ہاتھ سے
کھنچنے لگی۔ وہ خوش ہوا کہ بس اب مچھلی کانٹے
میں آگئی۔ لیکن جب اُس نے ڈوری کو باہر
کھینچا تو اُسے بہت مایوسی ہوئی کیونکہ بجائے
مچھلی کے اُس کے کانٹے میں ایک بھورے
رنگ کی تھیلی پھنسی ہوئی تھی۔

لڑکے نے جلدی جلدی اُس کو کھولا۔

جب اُس نے اشرفیاں دیکھیں تو اُن کی چمک
سے اُس کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو گئی اُس نے
خوش ہو کر کہا " اہا ہا ہا۔ میری اماں اِن کو
لے کر بہت خوش ہوں گی "

اُس نے جلدی جلدی اپنی کشتی کنارے
کی طرف چلائی۔ جب وہ بولٹن مارکیٹ کے
قریب پہونچا تو اُس نے لوگوں کو بنئے کی اشرفیوں
کی بابت بات چیت کرتے ہوئے سُنا اور ایک
ڈھنڈھورچی کو یہ بھی کہتے ہوئے سُنا کہ جو شخص
بنئے کی اشرفیاں سمندر میں سے نکال کر لائے گا

اُس کو آدھی اشرفیاں ملیں گی۔

لڑکا بڑا ایماندار تھا۔ اُس نے سوچا کہ اگر ایمان داری کے ساتھ آدھی اشرفیاں ملتی ہیں تو مجھ کو چاہئے کہ میں یہ اشرفیاں اُس بنئے کو جاکر واپس دے دوں۔

یہی سوچتا ہوا وہ بنئے کے پاس پہونچا اور اشرفیوں کی تھیلی اُس کے ہاتھ میں دیدی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تھیلی کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک تو اُس کو اپنی آنکھوں پر یقین بھی نہیں آیا کہ کیا وہ سچ مُچ اُسی کی تھیلی ہے۔ اُس نے کھول کر تھیلی کو دیکھا تو اُس میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ اپنی دولت دوبارہ حاصل کرکے بہت خوش ہوا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بجائے خوشی کے اُس کے چہرہ پر پھر فکر اور رنج کے آثار نظر آنے لگے۔ کیونکہ وعدے کے مطابق اُسے لڑکے کو آدھی اشرفیاں دینی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح اس لڑکے سے اپنا پیچھا چھڑاؤں۔

اُس نے لڑکے سے کہا: میرے پیارے بچے شاباش۔ تم میری اشرفیاں خوب لائے۔ یہ لو اپنا انعام۔ اب تم دولت مند ہو جاؤ گے"۔ یہ کہکر بنیا دو اشرفیاں لڑکے کو دینے لگا۔ لیکن لڑکے نے دو اشرفیوں کے لینے سے انکار کردیا اور کہنے لگا:۔

"جناب آپ نے اشتہار دیا ہے کہ آدھی اشرفیاں انعام میں دوں گا۔ یہ آپ کیا دے رہے ہیں"؟

بنیا بولا:

"اچھا ٹھہرو۔ ذرا مجھ کو ان اشرفیوں کو گن لینے دو۔ یہ پوری بھی ہیں یا نہیں"؟

بنیا اشرفیاں گننے لگا۔ گنتے ہی میں اُس کو ایک ترکیب سُجھائی دی۔ اُس نے ایک دم چلّا کر کہا:۔

"دیکھو جی! روپیہ تو سب ٹھیک ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ بڑا سیاہ موتی کہاں ہے"؟

لڑکے نے تعجب سے کہا:

"سیاہ موتی! میں نے تو کوئی سیاہ موتی نہیں دیکھا۔ جو کچھ تھا وہ اسی تھیلی میں ہے"

بنئے نے اس جواب کو سن کر بہت غصہ ظاہر کیا اور کہا:

"میرا موتی تو اس میں ہے ہی نہیں ۔ بدمعاش! تم نے میرا موتی چرایا ہے ۔ جب تک موتی واپس نہ دو گے ۔ میں تم کو انعام بھی نہیں دے سکتا"

بیچارے لڑکے کی سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا کہ کیا کرے ۔ مکار بنئے نے جب دیکھا کہ لڑکا اس کی باتوں سے ڈر گیا ہے تو اُسے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگا ۔ اس نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

" بدمعاش! اب چلو مجسٹریٹ کے پاس میں اس سے کہوں گا کہ تم نے میرا موتی چرا لیا ہے بس اب مجسٹریٹ ہی تم سے موتی دلا سکتا ہے بھلا تم اپنی راضی سے کیوں دینے لگے "

آخر کار بنیا زور میں آکر بیچارے لڑکے کو مجسٹریٹ کے یہاں لے گیا ۔ مجسٹریٹ بڑا عقلمند تھا ۔ اس نے تمام حالات سُنے ۔ اشرفیوں کو شمار کر کے پھر تھیلی میں رکھ دیا اور تھیلی اپنے پاس رکھ لی ۔ پھر اس نے لڑکے سے دریافت کیا:

"تم کہتے ہو کہ جب تم نے تھیلی پائی تو اس میں کوئی موتی نہ تھا"

لڑکے نے سر ہلا کر کہا:-

"جی ہاں سرکار! جو کچھ تھا وہ اسی تھیلی میں ہے"

تب جج نے تھیلی اٹھا کر لڑکے کے حوالہ کر دی اور کہا " چونکہ اس تھیلی میں موتی نہیں ہے اس لئے یہ اس بنئے کی نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے کی ہے ۔ اس کو گھر لے جاؤ ۔ اگر تین مہینے تک کسی نے یہ ثابت نہ کیا کہ وہ اس تھیلی کا مالک ہے تو پھر تم اس کے مالک ہو گے اور جس طرح چاہو ان کو خرچ کر سکتے ہو" یہ کہکر مجسٹریٹ نے مقدمہ ختم کر دیا جس شخص نے اس مقدمہ کا حال سُنا بغیر قہقہے لگائے نہ رہ سکا ۔ اب بنیا اتنا مشہور ہو گیا کہ جدھر بھی نکل جاتا لڑکے اور لڑکیاں تالیوں سے اور لوگ ہنسی اور قہقہوں سے اسکا استقبال کرتے اور ہندی کا یہ شعر پڑھتے ۔

آدھی چھوڑ ساری کو دھاوے
آدھی رہے نہ ساری پاوے ۔

ایڈیٹر

بلّی

میرے بھائی نے بلّی پالی ہے — حسن میں سب سے وہ نرالی ہے
ہے بڑی ہی شریف اور غریب — ہر گھڑی بیٹھتی ہے میرے قریب
اُس کے کھانے کا خوب ہے انداز — مانگنے کی عجیب ہے آواز
میں جو اُٹھوں تو وہ بھی اُٹھ جائے — اور بلاؤں تو پاس آ جائے
عقل میں اُس کے سحر کاری ہے — میرے کہنے کو تاڑ جاتی ہے
چوہے پھرتے ہیں گھر میں سب آزاد — اور پرندے بھی اُس سے ہیں دلشاد
رات کو وہ سرہانے سوتی ہے — صبح اُٹھتے ہی منہ کو دھوتی ہے
وقت کی ہے بہت بڑی پابند — اپنے گھر کی ہے سیر دل سے پسند
اُس کو ہم لوگ دل سے چاہتے ہیں — اور گلے شوق سے لگاتے ہیں
گیند دے کر اُسے بھگاتے ہیں — کھیل کر اُس کو بھی کھلاتے ہیں
ہوگئے اس کے تین بچے اب — ہیں بہت ہی حسین سب کے سب
دو سفید اور ایک کالا ہے — کالا گھر کا مرے اُجالا ہے
میرے بھی دو ہی چھوٹے بھائی ہیں — ان کو بچوں کی باتیں بھائی ہیں
گود میں وہ انھیں سُلاتے ہیں — نرم کپڑے انھیں اُڑھاتے ہیں

اِس طرح ہے ہمارا برتاوا
ہم کو ماں سمجھے یا کوئی باوا

(سید احمد اللہ قادری)

۸۰۰۰ روپیہ قیمت کا ایک بندر

جو ناچتا سگرٹ پیتا اور پان کھاتا۔ ہے یہ بندر ایک انگریز مسٹر جون نیو وارڈ کے پاس ہے۔

اڑھائی فٹ لمبا مکی کا ایک بھٹا جو امریکہ کے ایک کھیت میں پیدا ہوا ہے۔

گلہری کا بچہ کتے کے سر پر بیٹھا ہے اور بلی کتے کی گود میں کتا میٹھی نیند کے مزے لے رہا ہے۔

یہ مچھلی آسٹریلیا کے جنوب مغربی سمندر میں پکڑی گئی ھے - اس کا وزن
۵۲ من ھے - تصویر میں مچھلی کا اگلا حصہ دکھایا گیا ھے -

فلوریڈا (امریکہ) میں ایک کچھوا پکڑا گیا ھے - جو ساڑھے چھہ فٹ
طویل اور ۴ فٹ چوڑا ھے - اسکی عمر کا اندازہ
۲۰۰ برس کیا جاتا ھے -

ہمراہ رہتا۔ چنانچہ ایک عرصہ کے بعد اس نے سیر و تفریح بھی چھوڑ دی۔

جزیرہ کے اردگرد سمندر میں ہر وقت جنگی جہاز چکر لگاتے رہتے۔ جزیرہ کا گورنر سر ہڈسن لو بھی اچھا آدمی نہیں تھا۔ اس کا برتاؤ بہت بُرا تھا۔ بجائے اس کے کہ ایک پریشان، تباہ حال شہنشاہ کی دل جوئی کرتا ہمیشہ نپولین سے بات بات پر اُلجھتا۔ بہت بد مزاج اور شکی تھا۔ چنانچہ نپولین نے اس سے ملنا بھی ترک کر دیا۔ آخر عمر میں گٹھیا کا مرض اسے بہت تنگ کرنے لگا۔ چنانچہ اسی عارضے میں بیچارہ ۵ مئی ۱۸۲۱ء کی شام کو راہی ملک عدم ہوا۔ بوقت وفات اس کی عمر اکیاون سال سے کچھ ہی زیادہ ہوگی۔

اس کی لاش پر نپولین کے ساتھیوں اور گورنر کے درمیان ایک نیا جھگڑا پیدا ہو گیا۔ نپولین کے ساتھی چاہتے تھے کہ قبر پر نپولین لکھا جاوے اور ہڈسن چاہتا تھا کہ صرف لفظ بونا پارٹ لکھا جاوے آخر کار تابوت پر کچھ نہ لکھا گیا۔

۱۵ اکتوبر ۱۸۴۰ء یعنی انیس سال کے بعد شہنشاہ اعظم کی لاش کو شاہی حکم سے فرانس میں لاکر نہایت شان و شوکت سے اس قبرستان میں دفن کیا گیا جہاں اس کے عہد کے بہادر مدفون تھے لیکن انسان عیب سے پاک نہیں۔ نپولین میں بھی کئی نقص تھے لیکن اس کی خوبیوں کے مقابلے میں وہ چند نقائص کچھ حقیقت نہیں رکھتے تھے۔

ہونہار بچو! تمہارے سامنے نپولین کے حالات نہایت ہی مختصر طریق سے پیش کئے گئے ہیں لیکن اُس کی زندگی ابتدا سے انتہا تک خوبیوں سے پُر ہے بچپن سے آخر عمر تک جو کچھ بھی اُس نے کیا اُس میں خود غرضی نہیں پائی جاتی۔ اُس نے اپنا تن، من دھن غرضیکہ عزیز جان بھی ملک و ملت کے لئے قربان کر دی۔ طالب علمی کے زمانہ میں باوجود مفلسی کے تعلیم میں نام پیدا کیا۔ اور ہمیشہ اپنے ہم جماعتوں سے بڑھ کر رہا۔ عمر بھر کاہلی اور سستی کو قریب نہیں آنے دیا۔ دوسروں کی مدد کرنا چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوں اپنا فرض سمجھتا تھا۔

ہونہار بچو۔ تم بھی نپولین بننے کی کوشش کرو

ختم (محمد یسین بی اے بی ٹی دہلی)

بچوں کا بائیسکوپ

رات کو تم گھر میں کسی جگہ ایک پردہ ٹانگ دو پردے کے اندر لالٹین یا کسی روشنی کو اس طرح رکھو کہ جب تم اُس روشنی کے سامنے کھڑے ہو تو تمہارا سایہ پردہ پر پڑے۔ اب جو حرکتیں تم پردہ کے اندر کرو گے وہ پردہ کے باہر نظر آئیں گی۔ لیکن پردہ کے باہر اندھیرا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح رات میں پردہ پر یا کسی دیوار پر تم اپنے دونوں ہاتھوں اور انگلیوں کو ملا کر طرح طرح کے جانور بنا سکتے ہو۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔
(ایڈیٹر)

خرگوش (دو طریقوں)

طوطا

(گلہری)

(لومڑی خرگوش کو کھانے کے لئے پکڑ رہی ہے)

(دو لومڑیاں لڑ رہی ہیں)

(باقی آئندہ)

چچا چھکن یوں تو بڑی بڑی پارٹیوں میں پہونچ کر دسترخوان کی زینت دوبالا فرما چکے تھے لیکن آج چودھری صاحب کی دعوت میں شریک نہ ہونے کا ملال جتنا چچا چھکن کو تھا اتنا گول میز کانفرنس کے بعض نمایندوں کو بھی اپنی ناکام واپسی پر نہ ہوگا۔ خصوصاً اس وجہ سے اور بھی کہ دعوت کے ختم ہونے پر جب چچا چھکن تشریف لائے تو انھوں نے جا بجا لوگوں سے مرغِ مسلّم کی بے حد تعریف سُنی جو آج کی دعوت میں کھلایا گیا تھا۔ مرغِ مسلم کی تعریف سُن سن کر چچا چھکن کے منہ میں پانی بھر بھر آتا تھا۔ گرج گرج کر اور غصّہ سے تیز ہو ہو کر بارش کی برائیاں بیان فرما رہے تھے جس کی وجہ سے پہونچنے میں دیر ہوگئی اور مرغِ مسلّم سے محروم رہے۔

چچا چھکن سے جب تعریفیں نہ سُنی گئیں تو تنگ آکر وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے اور راستہ میں فیصلہ کر لیا کہ گھر پہونچ کر ہم بھی آج مرغ مسلم ہی پکوائیں گے خواہ دو چار پیسے زیادہ ہی خرچ کیوں نہ کرنے پڑیں۔

گھر پہونچ کر اپنے باورچی بوڑم کو آواز دی۔ بوڑم "جی حاضر ہوں حضور" کہتا ہوا حاضر ہوا۔ چچا چھکن نے فرمایا "بلے جا۔ تمام عمر تیری اس منحوس پیشے میں گذر گئی۔ کیا معنی کہ تو نے کبھی مرغِ مسلّم پکا کر نہ کھلایا۔" بوڑم نے کہا "سرکار! مرغِ مسلّم تو کیا چیز ہے اگر حکم ہو بکری مسلم، بھیڑ مسلّم اور شتر مسلّم تک ابھی

پکا سکتا ہوں۔ صرف پکانے کے لئے ایک بڑا برتن تلاش کرنا پڑے گا" چچا چھکن بوڑم کی یہ بات سُن کر ہنسے اور ہنس کر فرمایا "شاباش! کیا معنی کہ تو واقعی ہوشیار ہے اور خاندانی باورچی ہے، کیا معنی کہ وہ خانساماں ہو ہی نہیں سکتا جو مرغِ مسلم نہ پکا جانے۔ اچھا تو اب مرغِ مسلّم کا انتظام کر۔ کیا معنی کہ آج میں اس کو کھائے بغیر باز نہیں رہوں گا۔ اور دیکھنا ذرا اچھی طرح پکانا۔ چاہیں دو ایک پیسے زیادہ خرچ ہو جائیں۔ کیا معنی کہ ایسی چیزیں روزانہ تھوڑی پکا کرتی ہیں"

بوڑم نے کہا: "بہت اچھا حضور ابھی لیجئے۔ اِس میں ایسا خرچ ہی کیا ہے۔ صرف پانچ روپے کافی ہوں گے"

چچا چھکن پانچ روپیوں کا نام سُن کر سُن ہو گئے۔ کہنے لگے "پانچ روپے! ابے کیا بک رہا ہے؟ کیا معنی تو نے مجھے شاید بے وقوف سمجھ رکھا ہے؟ روپیہ خرچ کر کے مرغ مسلم کھائیں تو ایک ہی دِن کے ہو رہیں وہ تو یوں کہو کہ آج ذرا دیر سے پہونچے ورنہ چودہری صاحب کے یہاں بالکل تیار تھا بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ وہاں بھی مُفت ملتا اور یہاں بھی مفت ہی پکے گا۔ البتہ مصالحے میں دو ایک پیسے ضرور خرچ ہو جائیں گے۔ اچھا تو یہ بتا کہ کچھ باسی روٹیوں کے ٹکڑے بھی موجود ہیں"۔ بوڑم نے جواب دیا: "روٹیوں کے ٹکڑے حضور کہاں سے آئے۔ کئی روز سے چولھے میں آگ بھی نہیں جلی۔ سرکار کو دونوں وقت دعوتوں سے اور مجھے فاقوں سے فرصت ہی کب ملتی ہے جو روٹی پکے اور ٹکڑے بچیں"۔ چچا چھکن نے کہا "اچھا، زیادہ بک بک کر مت کر۔ دیکھ کبوتروں کے دڑبے میں سے تھوڑا سا دانہ نکال لا، اور محلّہ میں سے خوب دیکھ بھال کر ایک موٹا تازہ مرغ گھیر لا۔ مگر ہوشیاری سے کام کرنا۔ ایسا نہ ہو کوئی دیکھ لے"۔ بوڑم نے کہا "حضور! دانہ کئی روز ہوئے کہ ختم ہو چکا ہے۔ میں نے سرکار سے اُس روز اطلاع بھی کی تھی۔ اور اب کبوتر ہی کتنے

رہ گئے ہیں۔ مرتے مرتے چار بچے تھے۔ دو کل رات کو مرگئے۔ ایک کو صبح بلی پکڑ لے گئی۔ ایک رہ گیا تھا اُس کو تنہا سمجھ کر میں نے چھوڑ دیا کہ اکیلا کو سے گا"

چچا چھکن بولے۔ " بوڑم! یہ تو نے اچھا کیا۔ دن رات کی غٹرغوں غٹرغوں سے کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی اور چاروں طرف بیٹ ہی بیٹ نظر آتی تھی۔ فائدہ کچھ نہ تھا۔ مفت کی دردسری تھی۔ مرحوم اُکن کا شوق تھا۔ مجھے تو سخت نفرت تھی۔ کیا معنی کہ خس کم جہان پاک۔ تو مرغ گھیر کر لا۔ مگر ذرا چالاکی سے لانا۔ اچھا۔ میں دانے کا انتظام کرتا ہوں"

بوڑم تو اُدھر مرغ گھیرنے گیا۔ چچا چھکن نے اِدھر منہ کے پان کی چھالیاں لے کر مٹی میں ملا کر اُن کا دانہ بنالیا۔ مرغ کو دیکھ کر آ... آ... کرنے لگے۔ بوڑم نے دور سے اِشارہ کیا حضور ہوشیار شکار حاضر ہے۔ آپ نے سر ہلا کر فرمایا کہ آنے دے اور منہ پر انگلی رکھ کر بولنے کی تاکید کردی۔ جس وقت بوڑم اور مرغ مکان کے اندر آگئے تو چچا چھکن نے ہاتھ پھیلا کر دانے پھینکنے شروع کئے۔ مرغ بھی جہاں دیدہ تھا۔ مصنوعی دانے دیکھ کر اِدھر اُدھر نکلنے کا رستہ دیکھنے اور پر پھٹ پھٹانے لگا۔ چچا چھکن نے دیکھا کہ شکار چوکنا ہوگیا ہے تو انھوں نے بوڑم سے دروازہ بند کرنے کا اِشارہ کیا اور خود پینترا بدل کر کہا کہ " اب کہاں جاسکتا ہے؟ اندر گھیر کر مار لے، جانے نہ پائے، لانا ذرا میری گپتی اٹھانا۔ جائے گا کہاں؟ اُس کی موت گھیر کر لائی ہے۔ آگئی بچے کی قضا۔ ابے چھری نکال کر مجھے دے دے۔ ابے دوڑ۔ مار ہاتھ بڑھ کر۔ بچ کر نہ جانے پائے"

اب کیا تھا۔ دوڑ شروع ہوگئی۔ آگے آگے مرغ۔ پیچھے پیچھے بوڑم اور دونوں کے پیچھے چچا چھکن شہ دے رہے ہیں۔ " پکڑ لے۔ مار ہاتھ۔ شاباش۔ نکل نہ جائے۔ ابے ہانپ گیا؟ لاحول ولا قوۃ۔ ابے ہٹ مجھے آگے بڑھنے دے۔ تمام عمر گذر گئی اور کیا معنی کہ مرغ تک پکڑنا

نہ آیا۔ ہم نے سینکڑوں مرغ پکڑ کر چھوڑ دیئے
تنوٹ سیکھتے تھے تو چارپائی کے نیچے کبوتر چھوڑ دیتے
تھے اور بیٹھے بیٹھے اُس کو کسی طرف سے نہ اُڑنے
دیتے تھے۔ اُڑتے میں اُچک اُچک کر مور کی
دم پکڑ لی ہے۔ ہرن کے پیچھے کوسوں بھاگ بھاگ
کر پکڑ لیا ہے۔ شیر سے مقابلہ ہو گیا ہے تو کمر پکڑ کر
دے دے مارا ہے۔ یہ مُرغ بے چارہ کیا چیز ہے۔
وہ دیکھو دم توڑ چلا ہے۔ اَب اُس کا سانس
پھول گیا۔ ہانپ رہا ہے۔ جا چُھری پتھر پر گھس کے
اب گرا.... اب گرا....'

ایک دفعہ در کے پاس سے مڑتے ہوئے
چچا چھکن اور مرغ کا سامنا ہو گیا۔ چچا نے پکڑنے
کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مرغ نے اُچھل کر گرفت
سے بچنے کی کوشش کی۔ دروازہ چھوٹا تھا۔
مرغ جو اچھلا تو دروازہ سے ٹکرا کر چچا چھکن کے
اوپر آیا اور اِسی جھپٹ میں چچا کے سینے پر لات
رسید کرتا ہوا نکل گیا۔ ایک ٹانگ تو چچا کے سینہ
پر لگی اور دوسرا پنجہ اُچھلتے میں منہ پر لگا۔ دونوں
چوٹیں کھا کر چچا گھبرا گئے اور ہائے مار ڈالا کہتے
ہوئے دھڑام سے پیچھے گر گئے۔ گرے تو سر پانی
کے گھڑے میں لگا۔ گھڑا ٹوٹا اور پانی بہنا شروع
ہوا۔ اُدھر سے بوڑم بھاگتا ہوا آ رہا تھا اُس کا
پیر جو پھسلا تو دھم سے چچا کے اوپر آ رہا۔ ابھی
پہلی چوٹ سے چچا کے حواس بجا نہ ہوئے تھے
کہ یہ آسمانی گولا اور ٹوٹ پڑا۔ مرغ کو تو گالیاں
دینا بھول گئے لیکن اَب بوڑم کو صلواتیں سُنانی
شروع کر دیں: "تھم تو جا۔ ذرا ہوش آ جانے
دے حرام خور۔ اگر جان سے مار کر پیچھا نہ چھوڑا
تو میرا نام نہیں۔ سمجھا کیا ہے تو نے؟ قتل کے
الزام میں پھانسی کرلکے پیچھا چھوڑوں گا۔ اوّل
تو میں خود ہی سمجھ لوں گا۔ ابھی تو اتنا دم خم ہے
کہ تجھ جیسے دس بیس کو کچا کھا جاؤں"

بوڑم نے دیکھا کہ چچا غصہ میں بھرے ہوئے
ہیں اور اِس وقت غصہ کم کرنے کی صرف یہی
صورت ہے کہ جس طرح ممکن ہو مرغ ہاتھ آ جائے۔
اَب اُس نے مرغ کے پکڑنے کے لئے جان توڑ
کوشش کی۔ آخر کار ایک کوٹھری میں گھیر کر مرغ
کو پکڑ لیا اور پکڑ کر چچا کے پاس لایا۔

مرغ کو دیکھ کر چچا کی باچھیں کھل گئیں سب شکوے اور شکایات بھول گئے اور بوڑم کی بہادری کی تعریفوں کے پُل باندھ دئے۔ کپڑے جھاڑ کر اُٹھ بیٹھے اور اللہ اکبر کہکر مُرغ پر چھری پھیر دی۔ خود تو ذبح کر کے چل قدمی کے لئے چل دئے اور بوڑم کو کچھ پیسے اخراجات کے لئے دے کر کہہ گئے کہ "نوابسی پر ہمیں اِن پیسوں کا حساب لکھا دینا" بوڑم منہ دیکھتا رہ گیا۔

شام کو چچا تشریف لائے اور آتے ہی مرغِ مسلم مانگا کہ کھانا لگاؤ اور دیکھو آج ذرا قرینہ سے لگانا ممکن ہے کہ کھانا کھاتے میں کوئی آ نکلے"۔ بوڑم نے چچا کی چارپائی کے پاس گھڑونچی رکھ کر اُس پر چادر بچھا دی اور کھانا لے کر حاضر ہوا۔ چچا نے جوں ہی مصنوعی میز پر پلیٹ رکھی وہ نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اب کیا تھا۔ چچا بوڑم پر برس پڑے اور بوڑم کے سر ہوگئے کہ "تو سخت نالایق ہے۔ تجھے کبھی تمیز نہیں آئے گی۔ اتنے روز ہوگئے اور یہی نہیں سمجھا کہ کھانا کس طرح کھلایا جاتا ہے؟ اِس وقت اِس پلیٹ کے لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اچھا لاؤ دیگچی اِدھر لاؤ۔ مجھے دو اور تم کالا منہ کرو۔ پانی رکھتے جانا"۔

اسی اثنا میں چچا نے دیگچی کا ڈھکنا کھولا تو حیران ہو کر کہنے لگے۔ "یہ کیا؟ ابے تو نے یہ کیا پکایا ہے؟ مرغِ مسلّم ایسا ہوتا ہے؟ ابے کس احمق نے تجھے باورچی بنادیا ہے۔ تمام رقم کا ستیاناس کر دیا اور محنت مفت میں بیکار گئی ارے اِدھر تو آ۔ ذرا اِس کو دیکھ تو سہی۔ اِس کی چونچ کہاں ہے؟ پنجے کدھر ہیں۔ پروں کا نشان تک نہیں احمق کہیں کا چلا ہے مرغِ مسلم پکانے۔ کبھی پہلے بھی تو نے پکایا تھا؟ جا دور ہو میرے سامنے سے۔ ہٹ.... میرے یہاں ایسے باورچی کا کام نہیں جو مرغِ مسلّم بھی نہ پکا سکے"۔

بوڑم نے چچا چھکّن کے یہاں سے نکل کر مرغ کے مالک سے سارا حال کہدیا۔ اُس کو بڑا غصّہ آیا اور اُس نے چچا چھکّن کی ایک دن خوب مرمت کی۔ انشاء اللہ پھر کبھی چچا چھکّن کے نہایت دلچسپ حالات سُنائیں گے۔

(نشتر بلرامی)

انعامی معمہ
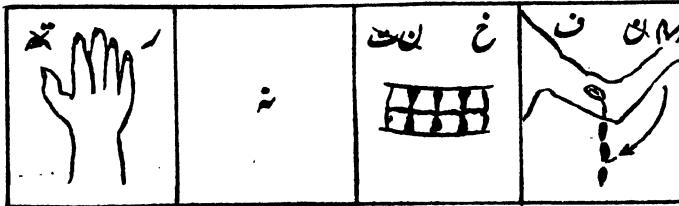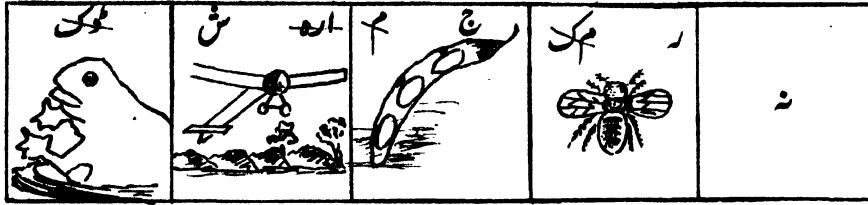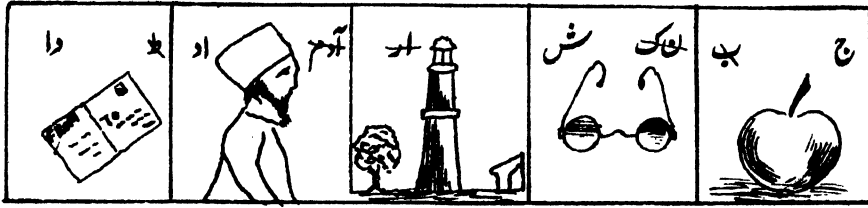
ان تصویروں میں ایک مشہور شعر کا مصرع ہے۔

(مرسلہ معین الدین سابق متعلم جامعہ ملیہ)

داخلہ کے شرائط

(۱) صرف رسالہ ہونہار کے خریدار ہی اس میں حصہ لے سکتے ہیں (۲) تمام حل ۲۰ فروری ۱۹۳۲ء تک آ جانے چاہئیں (۳) حل کے ہمراہ ۱ر کے ٹکٹ آنے چاہئیں (۴) زیادہ صحیح جوابات آنے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا (۵) صحیح حل بھیجنے والوں کے نام رسالہ ہونہار میں شائع کئے جائیں گے۔

انعامات۔ انعام اول ٹائم پیس (گھڑی) انعام دوم سالگرہ نمبر رسالہ ہونہار انعام سوم ڈور لما محنت

مینجر رسالہ ہونہار قرولباغ دہلی

ہونہار
لڑکوں اور لڑکیوں کے مضامین
A. H. Faruque.
1932.
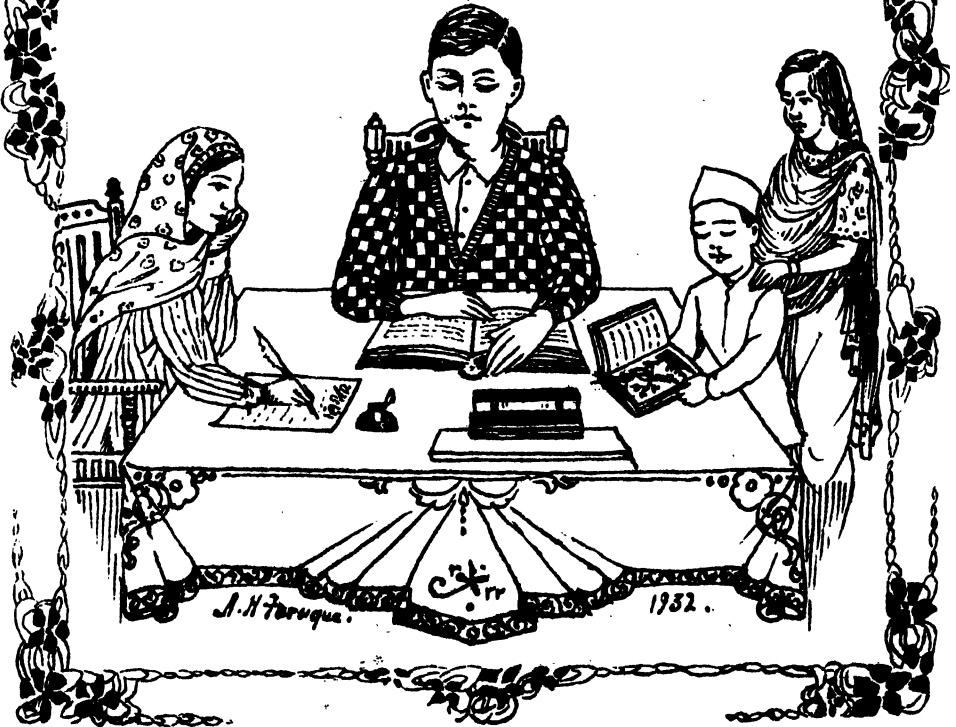
سونے کا انڈا

کسی بڑھیا کی ایک مرغی تھی
انڈا سونے کا روز دیتی تھی
جب کہ بڑھیا پہ کچھ زوال آیا
جی میں تب اُس کے یہ خیال آیا
اِس کے سینے کو چیر کر فی الحال
اِس کا سونا میں لوں تمام نکال
کیسی بڑھیا نے بے وقوفی کی
کاٹ دی گردن اپنی مرغی کی
خاک ملتا تھا اُس کے اندر سے
ہاتھ ملتی ہی رہ گئی زر سے
سونا ملنے کا کوئی طور نہ تھا
جُز تأسف وہاں کچھ اور نہ تھا
جو کہ کر بیٹھتے ہیں نادانی
کھینچتے ہیں وہ بس پشیمانی
نام جس کا شتاب کاری ہے
اِس کا پھل اور نتیجہ خواری ہے
عقل سے کام چاہیئے کرنا
سوچ کر چاہیئے قدم دھرنا
پہلے جو کام تم کو کرنا ہو
یا کسی راہ سے گذرنا ہو
لازم اس میں ہے غور کر لینا
نہ کبھی لینے کا پڑے دینا
جلد بازی خراب کرتی ہے
بے وقوفی ہے سب بدتر شے
جو کہ دانا ہیں عقل رکھتے ہیں
پہلے وہ بات کو پرکھتے ہیں
پھر جو کرنا ہو کام کرتے ہیں
کام یا انتظام کرتے ہیں

سمجھے ہیں جو بشیر سود و زیاں
وہ اُٹھاتے نہیں کبھی نقصان

بشیر مکوالی - از سرگودھا

رمضانی لنگڑا کیوں ہوا

ہمارے یہاں ایک ملازم رمضانی ہے۔ اس کی ایک ٹانگ گھٹنے کے قریب سے ندارد ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید ریل کے نیچے آکر کٹ گئی ہوگی۔ لیکن جب ایک دن اس سے سوال کیا تو اس نے ایک عجیب کہانی سنائی۔ جو ہونہار بھائیوں کو رمضانی کی اپنی زبانی سناتا ہوں۔ امید ہے وہ بھی میری طرح تعجب کریں گے اور خوش بھی ہوں گے۔

میں پہلے ساربان یعنی اونٹ والا تھا ادھر اُدھر سے اونٹوں پر مال لاد کر لایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اونٹ راستے میں شرارت کرنے لگا۔ اس پر میں نے اس کو خوب پیٹا۔ جب وہ خوب پٹ چکا تو کہیں سیدھا ہوا۔ لیکن اس دن کے بعد وہ ہمیشہ اس تاک میں رہا کہ مجھ پر موقع پاکر حملہ کرے۔ چوں کہ مجھ کو معلوم تھا کہ اونٹ بہت دن تک کینہ رکھتا ہے میں بھی اس سے ہوشیار رہنے لگا۔ اور جہاں کہیں قیام کرتا۔ اس اونٹ کو علیحدہ باندھا کرتا۔ اور آپ خیمہ میں سوتا۔ لیکن ایک دن وہ رسی تڑا کر عین میرے خیمہ تک آگیا۔ مگر قدرت خدا سے میری آنکھ فوراً کھل گئی۔ اور میں نے بہ مشکل تمام اس کو قابو میں کیا۔ اور پھر چاروں پاؤں باندھ کر اس کو علیحدہ باندھ دیا۔ پھر کہیں وہ چین سے بیٹھا آخرکار ہر روز میں اسی طرح کرنے لگا۔

اس کو سب اونٹوں سے علیحدہ چاروں ٹانگیں ایک مضبوط رسی سے باندھ کر لٹا دیتا اسی طرح چار پانچ مہینے گذر گئے۔ اور اس اونٹ کا غصہ دن بدن تیز ہوتا گیا۔

ایک دن کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ میں نے

اس کو علیحدہ تو باندھ دیا لیکن اس کی ٹانگیں مضبوطی سے نہ باندھیں۔ اور نہ خیمہ ہی اچھی طرح بند کیا۔ رات کو اس نے نکیل بھی توڑی اور ٹانگوں کی رسی بھی توڑ دی اور میرے خیمہ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن چوں کہ خیمہ کا دروازہ چھوٹا تھا۔ اس لئے اندر نہ داخل ہو سکا۔ جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ دروازے کے اندر گردن ڈالے کھڑا ہے۔ اور بیٹھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاکہ بیٹھ کر اندر داخل ہو جائے یہ صورت دیکھ کر میرے اوسان خطا ہونے لگے۔ اور میں سوچنے لگا کہ اگر وہ اندر داخل ہو گیا تو بس خاتمہ ہے۔ آخر کار میں نے خیمہ کو پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور نکل کر کوشش کی کہ کسی طرح اونٹ کو پھر قابو میں کر لوں مگر میری تمام جد و جہد بیکار گئی۔ وہ مجھ پر بری طرح حملہ آور ہوا۔ آخر کار مجھ کو بھاگنے کے سوائے اور کچھ بن نہ پڑا۔ اور میں ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ اونٹ صاحب بھی میرے پیچھے ہو لئے۔ آگے آگے میں اور پیچھے پیچھے اونٹ میل بھر تو میں

یوں بھاگا لیکن ٹانگوں نے جواب دینا شروع کر دیا۔ میری رفتار سست ہوتی گئی اور اونٹ لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتا گیا۔ لیکن چوں کہ زندگی کا معاملہ تھا میں بھاگتا ہی رہا۔ آخر کار درختوں کا جھنڈ نظر آیا میں اس طرف ہو لیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس جھنڈ میں کوئی چھپنے کی جگہ نہیں ہے اور نہ درخت ہی اتنے اونچے ہیں کہ ان پر چڑھ کر بچ جاؤں۔ بس اب میں بہت نا امید ہوا لیکن پھر یہ دل میں خیال آیا کہ اللہ میاں کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ یہ خیال آتے ہی میری ٹانگوں میں طاقت آتی معلوم ہوئی۔ اور میں نے اس جھنڈ کے گرد چکر لگانے شروع کئے۔ اور اونٹ بھی چکر لگانے لگا۔ دس بارہ چکر لگانے کے بعد میں جلدی سے ایک طرف کو سیدھا بھاگ پڑا۔ اور اونٹ کو یہ معلوم ہی نہ ہوا کہ اب میں جھنڈ کے گرد چکر نہیں لگا رہا۔ وہ میرے بھاگ آنے کے بعد بھی چکر لگاتا رہا۔ جب میں تقریباً چوتھائی میل نکل آیا اس کو تب اپنی غلطی محسوس ہوئی اور اس نے مجھے بھاگتے ہوئے دیکھ بھی لیا۔ پھر تو وہ

خوب جلا کر تیزی سے میری طرف بھاگا۔ میں اس
کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اِدھر اُدھر پناہ کی جگہ دیکھنے
لگا۔ اور دور تک کوئی چیز نظر نہ آئی۔ آخرکار مایوس
ہو کر ایک طرف کو بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے بُرا حال
ہو گیا تھا۔ کہ ایک کنواں نظر آیا۔ میں اس طرف
بڑھا اور دل میں یہ سوچ کر کہ اس موذی کے
چنگل سے تو بچوں گا کنوئیں میں کود پڑا۔ لیکن
ابھی میری مصیبت ختم نہ ہوئی تھی۔ جب اس واقعہ
کو یاد کرتا ہوں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔
اور خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔ کنوئیں کے اندر
کے حالات سنئے۔ جب اس کنوئیں میں گرا تو معلوم
ہوا کہ اس میں پانی نہیں ہے۔ بالکل خشک پڑا
ہے۔ گرتے ہی تو مجھ کو ہوش نہ رہا۔ لیکن جب
ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اوپر سے اونٹ
جھانک رہا ہے۔ اور نیچے ایک بہت بڑا کالا
سانپ دم کے بل کھڑا ہوا مجھ کو دیکھ رہا ہے
اور پھنکار پر پھنکار مار رہا ہے۔ اب تو میں
بالکل ہی مایوس ہو گیا۔ کیوں کہ اگر ذرا بھی
جنبش کرتا ہوں تو سانپ کب چھوڑتا ہے

اور بفرض سانپ سے چھٹکارہ بھی ہو جائے
تو باہر آنے کی شکل نہ تھی۔ اونٹ بھی کنوئیں
کی منڈیر پر گردن رکھ کر بیٹھ گیا۔
لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔
تھوڑی دیر تو سانپ مجھ کو دیکھتا رہا اور پھر
اس نے ایک نگاہ بھر کر اونٹ کو دیکھا۔ پھر
اس کی سمجھ میں کیا کچھ آیا کہ وہ کنوئیں کی دیوار
پر چڑھا اور اونٹ کے منہ پر ڈنک مارا اور پھر
منڈیر کو پکڑ کر نیچے کی طرف لٹک گیا۔ میں یہ
تماشا دیکھتا رہا اور میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس
سانپ کا کیا منشاء ہے۔ سانپ کبھی منڈیر کو
منہ سے پکڑ کر لٹک جاتا کبھی نیچے اُتر آتا۔
اور پھنکارتا۔ جب اس نے کئی بار ایسے کیا
تب میری سمجھ میں آیا کہ وہ سانپ یہ چاہتا ہے
کہ میں اس کو پکڑ کر اوپر نکل جاؤں۔ آخرکار
میں نے اسی طرح کیا۔ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھا
باہر آیا تو دیکھتا ہوں کہ سانپ کے زہر سے
اونٹ نیلا ہو گیا ہے اور پیٹ پھول کر کپا
ہو گیا ہے۔ میں سجدۂ شکر بجا لایا۔ کہ جان بھی

بھی اور دشمن بھی نہ رہا۔ لیکن جب چلنے لگا تو ایک
ٹھوکر اونٹ کے رسید کرتے چلا۔ وہ زہر کی
وجہ سے اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ میرا پاؤں اس
کے شکم میں گھس گیا۔ جب میں تھوڑی دور چلا تو
تو مجھ کو اپنی ٹانگ میں تکلیف محسوس ہوئی۔ میں نے
جلدی جلدی چلنا شروع کیا۔ آخر کار جب
ایک گاؤں کے قریب آیا تو میرا پاؤں بالکل بیکار
ہو چکا تھا۔ سانپ کے زہر سے جو میری ٹھوکر کی
بدولت میرے پاؤں میں سرایت کر چکا تھا۔ میرا
پاؤں ٹخنے تک گل کر خراب ہو چکا تھا۔ اب میں
نے چلانا شروع کیا۔ جس پر گاؤں کے لوگ
جمع ہو گئے۔ اور میری داستان سن کر ایک
جراح کو لائے۔ جس نے میری ٹانگ کو دیکھ کر
گھٹنے سے کاٹ ڈالا۔ اور ٹانکے لگا دیئے۔

گاؤں والوں نے جب تک میری ٹانگ اچھی نہ
ہو گئی مجھے اپنے گاؤں ہی میں رکھا۔ جب میں اچھا
ہو گیا اور لکڑیوں پر چلنے پھرنے لگا تو اپنے گھر
واپس آیا اور باقی ماندہ اونٹوں کو فروخت کر دیا
اور نوکری شروع کر دی۔

یہ ہے وہ کہانی جو رمضانی نے ہم کو سنائی
اور جس کو سن کر تعجب بھی ہوتا ہے اور خدا کی
قدرت بھی معلوم ہوتی ہے۔ سچ ہے جس پر خدا
مہربان ہو اور بچانا چاہے اس کو کون مار سکتا ہے

ممتاز احمد دہلوی۔

آسان چھاپہ خانہ

اکثر لوگوں کو ضرورت کے وقت ایک ہی مضمون کے
بہت سے خطوط بھیجنے پڑتے ہیں اور ان کے لکھنے میں بڑا
وقت صرف ہوتا ہے۔ ہم نیچے چھاپہ خانہ بنانے کی ایک
نہایت آسان ترکیب لکھتے ہیں۔ اس کی تیاری میں صرف
چند آنے خرچ ہوں گے۔ اور یہ آپ کو بہت کام دے گا

ایک سیر پرا پڑ چاک باریک پیس کر چھان لیجئے
اور پانی میں سخت گوندھ کر ٹین یا لکڑی کے بکس میں بھر کر
اس کی سطح ہموار کر دیجئے۔ پھر اس کو خشک ہو جانے
دیجئے۔ خشک ہونے کے بعد کپڑا رنگنے کا رنگ
خرید کر لائیے اور اسے گاڑھا گاڑھا گھول کر اس سے
لکھئے اور جس کاغذ پر آپ لکھیں اس کو لکھی ہوئی طرف
اس چاک پر جما دیجئے اور اس پر رول پھیرئے۔ دو تین
بار رول پھیرنے میں تمام حروف چاک پر آجائیں گے
اب اس چاک پر سادے کاغذ رکھ رکھ کر اور ان حروف
پر دبا دبا کر بہت سے کاغذ چھاپ لیجئے۔

(محمد اسحق)

گاڑی ہوڑہ اسٹیشن پر آکر رک گئی۔ پلیٹ فارم پر میلہ سا لگ گیا۔ قلی اِدھر اُدھر دوڑنے لگے مسافر اپنا اپنا اسباب سنبھال کر اُترنے لگے۔

اندرموہن نے انٹر کلاس کی کھڑکی میں سے جھانک کر ایک قلی کو آواز دی۔ وہ بھاگا ہوا آیا۔ لیکن جوں ہی پاس والے ڈبہ سے ایک صاحب نے سر نکالا تو قلی اس کا اسباب اتارنے لگا اندرموہن منہ دیکھتا رہ گیا۔ پھر حامد علی نے پلیٹ فارم پر اتر کر ایک قلی کو آواز دی کہتے ہی قلی دوڑ پڑے

اندرموہن الہ آباد یونیورسٹی میں۔ ایم اے میں پڑھتے تھے۔ اور حامد علی بی اے میں۔

اندرموہن محض سیر کی غرض سے آیا تھا۔ لیکن حامد علی کو کوئی خاص کام تھا۔

قلی نے سامان اتار کر رکھدیا۔ اتنے میں ایک بابو حامد کے پاس آکر انگریزی میں بولا۔ "کیا آپ گرانڈ ہوٹل میں ٹھہریں گے؟ ہوٹل بہت اچھا ہے۔ غالباً آپ نے پہلے بھی نام سن رکھا ہوگا" حامد نے منہ پھیر کر کہا "نہیں" پھر اس نے اندرموہن کی طرف منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا۔ حالانکہ اسے کسی ہوٹل ہی میں ٹھہرنا تھا۔ اتنے میں ایک موٹا سا بابو ریل کی وردی میں ملبوس جو کہ گھنٹے بھر سے ریل پیل میں اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا۔ اندر بابو کے پاس آکر بولا "بابو اپنا سامان پرے کرو۔ گڑبڑی ہوتا" اندرموہن نے کہا "اچھا ٹھہرو قلی آتا ہے میں ہٹوائے لیتا ہوں" "نہیں نہیں جلدی ہونا" بابو نے بگڑ کر کہا۔ "ہمارا صاحب بکنے لگتا (خفا ہوتا ہے)" پھر اس نے حامد کی طرف گھوم کر یہی بات نہایت عاجزانہ طور پر کہی حامد نے سگار کا کش لگاکر لاپرواہی سے کہا "آلرائٹ"۔ وہ چلا گیا۔

اندرموہن حیرت میں رہ گیا۔ اس نے دل میں کہا۔ جو دیکھو وہی مجھ سے اکڑنے لگتا ہے۔ اور حامد کے ساتھ سب عاجزی سے

پیش آتے ہیں۔ پھر اس نے حامد کی طرف غور سے دیکھا۔ نہایت اعلیٰ گرم سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ آنکھوں پر فیشن کے لئے عینک چڑھا رکھی تھی۔ سر پر ہیٹ تھا۔ جیب میں پارکر کا پین۔ اور ساتھ ہی ایک خوش رنگ قیمتی رومال جیب سے جھانک جھانک کر اسٹیشن کی بہار لوٹ رہا تھا اور عین اس مثال پر صادق آتا تھا۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ پھر انہوں نے اپنی طرف دیکھا ایک ریشمی قمیص اور ایک دھوتی پہنے ہوئے تھے۔ سر ننگا تھا۔ ہاں پاؤں میں ایک قیمتی سا بوٹ البتہ تھا۔ انہوں نے کہا "او ہو اب میں سب راز سمجھ گیا"۔ یہ سب فیشن کی کرامات ہے جو حامد کی اتنی عزت ہو رہی ہے۔ یہ عزت کون نہیں چاہتا۔ اس نے فیصلہ کر لیا اب سے میں بھی یہی شان اختیار کرونگا

اندرموہن کلکتہ کی سیر کر کے الہ آباد واپس آیا

ایک دفعہ موہن کو پھر کسی کام سے کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اس دفعہ جو گاڑی میں آکر بیٹھا تو پہچانا نہ جاتا تھا۔ بالکل انگریز معلوم ہوتا تھا جسم پر ایک قیمتی سوٹ۔ پیروں میں شاندار بوٹ منہ میں سگار۔ آنکھوں پر عینک اور ہاتھ میں "ٹائمز آف انڈیا" اور "ایڈگر ویلس" کا ایک تازہ ناول۔ جو فیشن کا ایک جز و سمجھ کر ساتھ رکھا گیا تھا۔ پاس ہی ایک ہینڈ بیگ رکھا ہوا تھا۔ بات بات پر اپنے ساتھ والوں سے تھینک یو (آپ کا شکریہ) کہہ دیتے کوئی اسٹیشن آتا تو ضرور اتر کر دو چار منٹ کے لئے چہل قدمی کرتے۔ دوپہر کے وقت بہت سے مسافروں نے تو پوریاں وغیرہ کھائیں۔ لیکن آپ ریفرشمنٹ روم میں پہونچے۔ غرضیکہ اس وقت انہوں نے اپنے کو بالکل ہی انگریزی رنگ میں رنگ لیا تھا۔

آخر شام کے وقت گاڑی ہوڑہ اسٹیشن پر آکر رکی۔ اندرموہن کے پاس سامان زیادہ نہ تھا۔ وہ نہایت شان سے ایک ہاتھ پتلون جیب میں ڈالے ہوئے اور دوسرے میں۔ ہینڈ بیگ پکڑے ہوئے گاڑی سے اترے

رسالہ ہونہار کے مضمون نگار

ممتاز احمد دہلوی

رسالہ ہونہار کے مضمون نگار

جے رتن صاحب متعلم لاہور

آپ رسالہ ہونہار کے انعامی مقابلہ میں اول آئے ہیں

ہونہار بچے

شجاع الاسلام فخرالاسلام فخرالزمانی بیگم نسیم الاسلام

رسالہ ہونہار کی مضمون نگار

محترمہ نورالنسا بیگم دختر جناب نورالہی
صاحب مالک اولمپیا گرانڈ سرکس سیلون

اور ایک انگریزی ادا سے قلی کو پکارا۔ قلی آپ کو دیکھتے ہی دوڑ پڑے اس کامیابی پر آپ کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ ایک قلی نے آپ کا سامان۔ اٹھالیا۔ اور اس کے آگے آگے آپ سگار سے دھواں اُڑاتے ہوئے اکڑ اکڑ کر چلنے لگے۔ اتنے میں ایک بابو جی نے جو انگریزی لباس میں ملبوس تھا آپ کے پاس آکر پوچھا "کیا آپ گرانڈ ہوٹل میں ٹھہریں گے ؟"

"ہاں" اندر موہن نے جواب دیا۔

اچھا تو میں چل کر ٹیکسی کا انتظام کرتا ہوں

اتنے میں ایک دھوتی پرشاد نے آگے بڑھ کر کہا "حضور بیگ مجھے پکڑادیں بابو مجھے آپ کے ساتھ رہنے کو کہہ گئے ہیں"۔ اندر موہن نے نہایت اکڑ سے گردن پھیر کر اس نوجواں کی طرف دیکھا اور بیگ سے پکڑا دیا۔ پھر اس نے کہا "حضور یہ اسباب بھی میرے ہی حوالے کر دیجئے۔ آپ کو تکلیف ہوگی۔ میں وہی ملازم ہوں"۔

اندر موہن نے کہا "ویل تم جاؤ ہم ابھی آتے ہیں"۔ بنگالی چلتا بنا۔

اندر موہن نے اس وقت سارا اسباب اس کے حوالے کرنے میں کوئی ہرج نہ سمجھا۔ کیوں کہ ایک تو وہ نہایت ایماندار نظر آتا تھا۔ بالکل بھیگی بلی سا۔ دوسرے وہ گرانڈ ہوٹل میں نوکر تھا۔ جو انگریزوں کا ہوٹل ہے اور انگریز بے ایمان نوکروں کو اپنے پاس نہیں رکھتے ورنہ ان کا کام ایک ہی دن میں رک جائے۔

اندر بابو اسٹیشن کے باہر آئے اور بابو کا انتظار کرنے لگے۔ کہ اب بھی ٹیکسی لاتا ہے۔ لیکن جب وہ نہ لایا تو خود ہی ایک کرایہ پر کر لی۔

ٹیکسی دوڑنے لگی اور تھوڑی دیر میں ہوٹل پہنچ گئے۔

وہ ہوٹل کے منیجر کے پاس پہونچے اور بولے۔

"میرا سامان آیا؟"

منیجر نے ان کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر بولے۔

"کیسا سامان ؟"

"آپ کا ایک کارندہ وہاں گیا تھا۔ اس کو میں نے سامان حوالہ کر دیا تھا۔"

اندر موہن نے جواب دیا۔

"وہ کون تھا" منیجر نے دریافت کیا

"بنگالی"۔ اندر موہن نے رومال سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"او ہو! تب وہ ہمارا کارندہ نہیں۔ ہمارے ہوٹل میں ایک بھی ہندوستانی کام نہیں کرتا شاید آپ دھوکہ کھا گئے۔ یہاں کے ٹھگ بھی ایک ہی کائیاں ہیں۔" منیجر نے مسکرا کر کہا۔

یہ سنتے ہی اندر موہن کا چہرہ فق ہو گیا بت کے مانند کھڑے رہ گئے۔ اُف بیگ میں تو پانچ سو روپے کے نوٹ تھے اب وہ کہاں سے ملیں گے۔

"ہائے مجھے توفیشن نے غرق کر دیا"

یہ کہہ کر اندر موہن پاگل کی طرح ہوا میں دیکھنے لگا۔

جے رتن۔ طالب علم

از لاہور

(ایک انگریزی نظم کا ترجمہ)

(جب رستم اور سہراب میدانِ جنگ میں باہم ایک دوسرے کے مقابلے کے لئے آئے تو رستم نے سہراب کو دیکھ کر کہا "آہ تم میرے مقابلے کے لئے آئے ہو۔ کیوں اپنی جوانی کو خاک میں ملاتے ہو۔ تم کو کچھ لڑائی کا پتہ بھی ہے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں۔ تم تو ایک رقاصہ کی مانند معلوم ہوتے ہو۔ تم دوسروں کو کیسے بچاؤ گے بلکہ خود ابھی خاک و خوں میں ناچتے ہو گے۔"

اور رستم نے دم لیتے ہوئے کہا:۔

"لڑائی لڑنا تم جیسوں کا کام نہیں۔ تم کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ یہ میدانِ کارزار ہے۔ افراسیاب کا باغ نہیں۔ یہ گانے اور ناچنے کی جگہ نہیں۔"

سہراب نے جب یہ طنز آمیز باتیں سنیں تو غصہ سے تلملا گیا۔ اس نے تلوار کو سنبھالا اور ایک بھرپور وار رستم پر کیا۔

اب رستم اور سہراب خوب زور شور سے لڑ رہے تھے۔ اور اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔

ان کی تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی تھی اور لڑائی برابر جاری تھی۔

آسمان پر سیاہ کالے کالے بادل چھا گئے تھے۔ اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔...... لیکن لڑائی اب تک جاری تھی ...... دونوں کی آنکھیں غصہ سے لال ہو رہی تھیں۔ ایک دوسرے پر وار پر وار ہو رہے تھے اب رستم نے سہراب کی ڈھال پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ دو ٹکڑے ہو گئی۔

اس کے بعد سہراب نے تلوار سے رستم پر وار کیا۔ جس سے کہ رستم کے خود کی کلغی ٹوٹ کر نیچے

پڑی۔ جب سہراب کو اپنے اس وار میں کامیاب ہوتے دیکھا تو رستم نے شرم کے مارے سر نیچے جھکا لیا۔

آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ بادل گرج رہا تھا۔ بجلی چمک رہی تھی۔ اور رستم کا گھوڑا بھی لڑائی کے دہشت سے ہنہنا رہا تھا۔ رستم کے گھوڑے رخش کی ہنہناہٹ بالکل شیر کی گرج طرح معلوم ہوتی تھی۔ جس طرح کہ کوئی شیر شکاری کے نیزہ سے مجروح ہو چکا ہو۔ اور درد کی شدت سے کراہ رہا ہو۔ اب تک لڑائی جاری تھی......

...... اور وہ گھوڑا بھی شیر کی طرح گرج رہا تھا۔ رستم بھی اپنی جگہ پر جما کھڑا تھا کہ سہراب نے لپک کر اس پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے اس کا خود ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ سہراب کے اس وار پر رستم کا سر مارے شرم کے جھک گیا اور غصہ میں آکر آپے سے باہر ہو گیا۔ اور چلا کر کہنے لگا "کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں رستم ہوں"

سہراب حیرت زدہ رہ گیا۔ کیوں کہ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا حریف ہی۔ رستم۔ (اس کا حقیقی باپ ہے)، اس لئے وہ ڈھال کو نیچے کر کے چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ تاکہ اسے غور سے دیکھ سکے۔

رستم نے اس موقع کو غنیمت جان کر برچھی کا ایک ایسا وار کیا کہ وہ زخمی ہو کر نیچے زمین پر گرا۔ اور تڑپنے لگا

رستم کے اس آخری وار نے لڑائی کا خاتمہ کر دیا۔

عبدالرحمٰن۔ درجہ دہم
کوئٹہ۔ بلوچستان

لطیفہ

ننھے ۔ تمہاری عمر کیا ہے؟

ننھا ۔ جب میں گھر میں ہوتا ہوں تو میری امّاں اور ابّا کہا کرتے ہیں۔ پانچ سال۔ جب میں مدرسے میں ہوتا ہوں تو چھ سال۔ جب میں ریل میں ہوتا ہوں تو تین سال۔

طالب علم باقر علی حیدرآباد دکن

میں ایک اینگلو ورنا کیولر مڈل اسکول میں ہیڈ مولوی تھا۔ یہ ۱۹۲۹ء کی بات ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک دن شام کے وقت جب کہ آسمان پر پانی سے لدے ہوئے سیاہ سیاہ بادل اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے اسکول کا چپراسی گھبرایا ہوا میرے پاس آیا۔

اس کا چہرہ سرخ تھا اور وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مجھے اس سے محبت تھی کیوں کہ وہ ایک غریب اور یتیم لڑکا تھا۔ اور اس وقت اس کی عمر مشکل سے نو برس کی تھی۔ وہ بڑا نیک اور ہنس مکھ تھا۔

میں اس وقت رسالہ "شمع" آگرہ کے لئے ایک نہایت ضروری تاریخی مضمون لکھ رہا تھا۔ اور بڑی بڑی مشکلوں سے خیالات جمع کر سکا تھا اب شیو ناتھ (چپراسی کا نام) زور زور سے رو رہا تھا اور اپنے دونوں ننھے ہاتھ باندھے ہوئے میرے سامنے ایک ملزم کی طرح کھڑا ہوا بہ دستور کانپ رہا تھا۔

تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے قلم رکھ دیا۔ اور تسلی دیتے ہوئے پوچھا شیو ناتھ آج تمھارا یہ کیا حال ہے۔ تم کیوں رو رہے ہو؟ شیو ناتھ کے ہچکیوں کی آواز اب پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ وہ اونچی آواز سے رونے لگا۔

"قاعدہ ہے جب رونے والے سے تسلی دیتے ہوئے رونے کا سبب پوچھا جائے۔ اور اظہار ہمدردی کی جائے۔ تو وہ اور رونے لگتا ہے"

میرا مسلمان نوکر اسنگرو، شیو ناتھ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ اور جب دونوں ملتے تھے تو اس طرح جس طرح بھائی سے بھائی ملتا ہے ہندو اور مسلمان کا جھگڑا ان کے نزدیک بے معنی سی بات تھی۔ میں نے اکثر دونوں کی باتیں سنیں وہ کہتے ہم ہندو اور مسلمان ایک ہی

بھارت ماتا کے بیٹے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کا نام ہندو ہے دوسرے کا مسلمان اور یہ فرق کوئی فرق نہیں۔

شیوناتھ جب میرے پاؤں پر گرا تو مگر ولیپ جلا رہا تھا۔ دوڑ کر آیا اور شیوناتھ کو ہوش میں لانے کی ترکیبیں کرنے لگا۔

شیوناتھ بڑی دیر میں ہوش میں آیا وہ اتنی دیر میں بہت کمزور ہو گیا تھا۔ میں نے پھر تسلی دیتے ہوئے پوچھا شیوناتھ آج تمہارا یہ کیا حال ہے؟ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن نہ کہہ سکا۔ اور جیب سے ایک میلا کاغذ منگرو کو دیتے ہوئے کمرے سے نکل گیا

میں حیرت میں ڈوبا ہوا تھا کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ میرے کمرے میں سناٹا تھا مگرو نے چاء کی پیالی میز پر رکھ کر وہ میلا کاغذ جو شیوناتھ اس کو دے گیا تھا۔ مجھے دیتے ہوئے کہا سرکار جندگی (زندگی) کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

وہ میلا کاغذ شیوناتھ کا استعفا نامہ تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

"مولوی صاحب کل سے اسکول نہیں آؤں گا اب ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتا ہوں"۔

شیوناتھ (چپراسی)

نو بجکر پچیس منٹ ہو چکے تھے میں نے جلدی جلدی چائے ختم کی اور امتحان کے پرچے دیکھنے لگا۔ کیوں کہ ان دنوں میرے اسکول میں ششماہی امتحان ہو رہا تھا۔

اس واقع کے بعد یہ نہ معلوم ہو سکا کہ شیوناتھ کہاں گیا۔ اور کس حال میں ہے۔

کوئی ۱۰ سال کے بعد مجھے لکھنؤ میں ایک ہندی کا اشتہار ملا اور دیواروں پر بڑے بڑے پوسٹر نظر آئے جس میں لکھا ہوا تھا۔ "آج شام کو امین آباد پارک میں ایک بہت بڑی سبھا ہوگی جس میں شری مان شیوناتھ جی کا لکچر ہوگا جو ہندوستان کے بہت بڑے نیتا ہیں"

ایں! شیوناتھ کا لکچر ہوگا؟ میں چونک پڑا۔ اور تمام پچھلی باتیں ایک ایک کرکے یاد آنے لگیں۔ کیا شیوناتھ میرے اسکول کا ننھا چپراسی لکچر دے گا؟ نہیں نہیں یہ اور شیوناتھ جی

ہوں گے۔ وہ کہاں! بہرحال کوئی اور شیوناتھ جی ہوں گے آج شام کو مجھے ان کا لکچر ضرور سُننا چاہیئے۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا۔

چار بج چکے تھے۔ امین آباد جہاں جلسہ ہونے والا تھا۔ دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ سُرخ جھنڈیاں بڑے بڑے پھاٹک "ویل کم" اور طرح طرح کاغذی بیل بوٹے جلسے کی زینت بڑھا رہے تھے۔ پنڈال آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بندے ماترم اور شیوناتھ جی کی جے کی آوازیں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پنڈال میں گونج رہی تھیں۔

جس وقت پھولوں میں لدے ہوئے شیوناتھ جی کھڑے ہوئے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ یہ تو وہی میرے اسکول کا وہی ننھا سا چپراسی شیوناتھ ہے۔ اس کی چاندی جیسی پیشانی چمک رہی تھی۔ اس نے اپنا لکچر شروع کر دیا۔

بھائیو! میں آج سے پہلے صرف ایک اسکول کا چپراسی تھا۔ ایک دن مجھے میرے اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے ایک معمولی سی بات پر بہت سخت سزا دی۔ اور یہ کہہ کر نکال دیا۔ کہ جا تیرے لئے دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے

دنیا میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں

میں نے اپنے جی میں سوچا۔ میں نے اپنے اسکول کے ہیڈ مولوی کو لڑکوں سے یہ کہتے ہوئے سُنا تھا۔ محنت کے آگے کوئی کام مشکل نہیں اور یہ بات مجھے اچھی طرح یاد تھی

میں نے اسی دن اسکول کی نوکری چھوڑی اور گھر سے رات کے سناٹے میں نکل کھڑا ہوا۔ پیدل چل کر کئی دن میں بنارس پہنچا۔ اور وہاں ایک پنڈت جی مہاراج کے یہاں برتن مانجنے کی نوکری کر لی۔ پنڈت جی بہت سیدھے اور سچے آدمی تھے۔ مجھے بہت مانتے تھے۔ میری تنخواہ گو آٹھ روپے علاوہ کھانے اور کپڑے کے تھی مگر میں اسی میں خوش تھا۔

میں نے دو سال کے بعد یہ نوکری چھوڑ دی اور دو سال کے اٹھ روپے کے حساب سے

کل تنخواہ سولہ روپے سے کر ایک سیکنڈ ہینڈ بیل بوٹے بنانے والی مشین خریدی اور چادر تکیوں غلاف اور میز پوش وغیرہ پر بیل بوٹے بنانے لگا۔ مجھے اس کام میں سال بھر کے اندر ہی پانچ سو روپے کا منافع ہوا۔

میں نے یہ تمام روپے ایک ایماندار مہاجن کو اس لئے دیدئے کہ وہ اس روپے کو اپنی تجارت میں لگادے۔ اور مجھے حصہ دار بنالے۔

مہاجن بڑا شریف تھا اس نے میری غریبی پر ترس کھاکر اپنی تجارت میں شریک کر لیا۔

دو سال کے بعد جب میرا حساب کیا تو میرے نام آٹھ ہزار روپے صرف منافع کے نکلے۔ میں نے یہ رقم سیونگ بنک میں جمع کردی اب مجھے اپنی تعلیم کا خیال پیدا ہوا۔ کیوں کہ میں اس وقت تک بالکل جاہل تھا۔ میں نے سوچا جب آدمی سب کچھ کرسکتا ہے اور محنت کے آگے کوئی کام مشکل نہیں تو پھر روزانہ اگر کوئی شخص آٹھ۔ دس گھنٹے محنت کرے تو چار پانچ سال کے اندر عالم فاضل ہوسکتا ہے۔ میں نے بڑی توجہ سے لکھنا پڑھنا شروع کر دیا۔ اور چھ ماہ ہی کے اندر اپنے ماسٹر سے بھی زیادہ پڑھ گیا۔

اب میں نے دوسرے ماسٹر صاحب کو ملازم رکھا۔ جو انگریزی داں بھی تھے۔ اور ان سے اردو ہندی کے علاوہ انگریزی بھی پڑھنی شروع کردی۔ اور چھ ماہ کے عرصے میں کئی کتابیں انگریزی کی پڑھ لیں۔ اب ضرورت ہوئی کہ میں کسی انگریزی اسکول میں نام لکھوا کر باقاعدہ انٹرینس کا امتحان پاس کروں۔ اس لئے میں نے گورنمنٹ جوبلی ہائی اسکول سے انٹرینس کا امتحان اول درجے میں پاس کیا۔ اور پھر کرسچین کالج سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ اور اسی سال ہندوستان کی ایک سوسائٹی کا سکرٹیری بنادیا گیا۔ اور آج آپ کے سامنے اسی حیثیت سے حاضر ہوں۔

دوستو! ترقی کی یہی صورتیں ہیں۔ لیکن بے وقوف اور نادان لوگ ہمیشہ اس سوچ

میں رہتے ہیں کہ کوئی معقول اور اچھی ملازمت ملے تو کریں۔ ایسے لوگ دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتے اور ہمیشہ خستہ و خراب رہتے ہیں۔ ان کی عمر کا بہت سا حصہ اسی قسم کے ہوائی قلعے بنانے میں گذر جاتا ہے۔ دوستو۔ جو لوگ اپنی حیثیت اور لیاقت سے زیادہ کی تنخواہ چاہتے ہیں۔ ان کی زندگی زیادہ تر ذلت اور تکلیفوں کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔

بھائیو! بتاؤ کوئی دوکان دار اس گلاس کے دام جو عام طور سے چار آنے کو بکتا ہے چار روپے کہے تو تم اسے کیا کہو گے؟ غالباً مجنوں۔ دیوانہ اور پاگل سے زیادہ نہ سمجھو گے پھر بتاؤ تم اپنی حیثیت اور لیاقت سے زیادہ کیوں مانگتے ہو۔ کیا تم ایسی صورت میں۔ مجنوں، سودائی اور پاگل کہلانے کے حقدار نہیں

دوستو! ترقی کی راہیں کھلی ہوئی ہیں وقت کو برباد نہ کرو۔ میری ترقی کی مثال سامنے ہے۔ اس سے نصیحت حاصل کیجئے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اگلے سال ہمارے کتنے نوجوان میری طرح ترقی کرتے ہیں"

شیو کمار جی کی تقریر ختم ہوئی تو پھر پورے مجمع نے بندے ماترم اور شیو ناتھ جی کی جے کے نعرے لگائے۔

اب گیارہ بج چکے تھے۔ چاندنی رات چھا رہی تھی۔ شیو ناتھ سے ملنے کو میرا جی بہت چاہتا تھا۔ لیکن صبح کو جب اس کے ٹھہرنے کی جگہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ اسی رات کو کہیں باہر چلا گیا۔

عبدالحلیم گورکھپوری

ہونہار بھائیو!

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کرو اور خط کا جواب جلد لینے کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ضرور بھیجا کرو ورنہ تمہارے خط کا جواب جلد نہیں ملے گا۔

"منیجر"

دوست کے لئے ایثار

حمید اگرچہ آٹھویں درجہ کا طالب علم تھا۔ لیکن قدرت نے کچھ اس کو اس قدر ذہین پیدا کیا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ اور اپنی لیاقت سے بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا تھا۔ وہ اپنے درجے میں ہمیشہ نہ صرف اول ہی رہتا بلکہ ہر مضمون کے انعام اول کا مستحق بھی ٹھہرایا جاتا تھا۔ حمید کی کامیابی اور اس کے اچھے اخلاق نے اس کو ہر جگہ مشہور کر دیا تھا۔ اس سے بڑے درجے کے لڑکے اس سے مشورہ لیتے اور اس کو اپنی پارٹی میں شریک کرنا باعث فخر سمجھتے تھے۔

حمید کتاب کے کیڑوں کی طرح اپنا تمام وقت پڑھنے میں ہی صرف نہ کرتا تھا بلکہ اسی فطرت میں وہ تمام باتیں بھی شامل تھیں جو ایک ہونہار لڑکے کے لئے کامیابی اور ترقی حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ وہ ایک اچھا فوٹو گرافر تھا۔ ایک مشاق کھلاڑی۔ لوگ اس سے ملتے اور مل کر خوش ہوتے۔

(۲)

سعید اس کا غریب ہمسایہ نہایت نیک اور شریف تھا۔ لیکن بیچارہ غریب ہونے کی وجہ سے کسی بڑی سوسائٹی میں شریک نہ ہو سکتا اس لئے وہ شرمیلا اور بہت بھولا تھا۔ جب کوئی سوال اس سے کیا جاتا وہ جواب دیتا ورنہ خاموش بیٹھا مطالعہ میں مشغول رہتا۔

حمید اس کا ساتھی ہی نہ تھا بلکہ ہر ممکن طریقے سے اس کی امداد کرتا تھا۔ اس لئے وہ بہت کچھ اس سے مانوس ہو گیا تھا۔ جب اسے کوئی ضرورت پیش آتی وہ فوراً اس کے پاس آتا اور حمید سے اپنی ضرورت کے پورا کرنے کا طالب ہوتا۔ حمید حتی الامکان اس کی تکلیف رفع کرنے کی کوشش کرتا۔ دونوں میں اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی

(۳)

سعید غریب تھا اور اس کی بیوہ ماں کے پاس اتنا بھی پیسہ نہ تھا کہ اس کی کتابیں بھی خرید سکے۔ حمید اپنی کتابوں سے اس کی امداد کرتا۔ جب تک وہ خود واپس نہ کرتا اس سے نہ مانگتا۔ اس کا خیال تھا کہ سعید کے دل پر اس سے ملال ہوگا۔ آخر کب تک۔ امداد بجائے کم ہونے کے بڑھتی گئی۔ اس کی تمام کتابیں بسا اوقات سعید کے پاس ہوتیں اور مجبوراً اس کو مطالعہ روکنا پڑتا۔ امتحان کا زمانہ قریب آگیا۔ اور سلسلہ دوستی کم ہونے کو نہ آیا۔ حمید کو جب کبھی ضرورت پڑتی۔ وہ اپنے دوستوں سے کتابیں مانگ کرلے آتا۔

(۴)

امتحان کا وقت قریب آگیا سعید کافی طیار تھا۔ غریب ہونے کے باوجود کل درسی کتابیں اس کے پاس موجود تھیں۔ لیکن حمید ......کیا کرے۔ کل کتابیں اس نے اپنے غریب دوست کے سپرد کردی تھیں۔ اب وہ خود محتاج تھا......کیا اس کی قربانی قبول نہ ہوگی؟ نہیں منصف خدا ہر ایک شخص کو اس کی نیکی کا بدلہ ضرور دیتا ہے۔ امتحان ہوا۔ نتیجہ معلوم ہوا۔ سعید اول تھا۔ حمید چوتھے نمبر پاس اس کے والدین ناراض ہوئے۔ لیکن اس کا دل مارے خوشی کے پھولے نہ سماتا تھا۔ کیوں کہ اس نے ایک مختصر قربانی سے اپنے ایک عزیز دوست کی انتہائی خوشیاں دیکھ لیں۔

(انصار حسین قرنی عمر پوری۔ از علیگڑھ)

دیاسلائیوں کا تماشہ

اپنے کسی دوست سے کہو کہ وہ بکس میں نکال کر چار دیاسلائیاں اس طرح رکھ دے

اب اپنے دوستوں سے دریافت کرو کہ کیا وہ اِن دیاسلائیوں کو ملاکر اس طرح رکھ سکتے ہیں کہ وہ سب ایک سے بھی کم ہوجائیں۔ تمہارے بعض دوست کوشش بھی کریں گے لیکن ناکامیاب ہوں گے۔ اب تم اُن دیاسلائیوں کو لو اور اس طرح رکھ دو (یعنی ½) (محمد رفیق فتحپوری ہائی اسکول دہلی)

دارا

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایران کی سلطنت پر ایک ایسا بادشاہ حکمراں تھا۔ جس میں انتظام سلطنت کی قابلیت بالکل نہ تھی۔ اسی کے باعث سلطنت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ سلطنت پر آفتیں اور مصیبتیں اس طرح سے منڈلا رہی تھیں جس طرح کسی مردہ جسم پر چیل کوّے منڈلایا کرتے ہیں۔ اسی فتنہ و فساد کے زمانے میں دارا نام کے ایک پہاڑی گڈریے نے ترقی کرنا شروع کی۔ اس نے اپنے اور آس پاس کے گاؤں پر قبضہ کر کے ان میں اَمن و اَمان قائم کیا۔ اور ان پر اس طرح سے حکومت کرنے لگا۔ جس طرح کہ وہ اپنی بھیڑوں پر حکومت کیا کرتا تھا۔

کچھ عرصے کے بعد ایسا واقعہ ہوا۔ کہ ایک بادشاہ جو پہلے بادشاہ سے زیادہ عقل مند تھا اور انتظام سلطنت سے بخوبی واقف تھا۔ ایران کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے انتظام سلطنت کے لئے قابل اور منصف مزاج آدمی تلاش کرنے شروع کئے۔ دارا کی قابلیت کی بابت بھی اس نے سُنا۔ اور اس نے اس کو ایک صوبہ کا صوبہ دار بنا دیا۔

صوبہ دار ہونے پر بھی دارا کو غرور نہیں ہوا۔ لیکن حسد ایک ایسی چیز ہے جو آدمیوں میں بہت جلد پھیلتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ بہت سے لوگ دارا سے حسد کرنے لگے اور انہوں نے بادشاہ سے جا کر یہ شکایت کی کہ اگرچہ دارا کا صوبہ سال بہ سال ترقی کرتا جا رہا ہے۔ اور اسپنج کے مانند مال و دولت کو جذب کر رہا ہے۔ لیکن دارا آپ کو اس میں سے سب کا سب نہیں دیتا بلکہ کچھ نہ کچھ اپنے لئے بچا لیتا ہے۔ اس کا ثبوت انہوں نے یہ دیا کہ دارا کے ساتھ ایک صندوق اونٹ

پر لدا ہوا ہر وقت رہتا ہے اور جہاں کہیں وہ جاتا ہے وہ بھی اس کے ساتھ جاتا ہے اور سوائے دارا کے آج تک کسی آدمی نے نہیں دیکھا۔ کہ اس صندوق میں کیا ہے، لیکن جس وقت وہ کھولا جاتا ہے تو تمام ڈیرا ہیرے جواہرات کی وجہ سے چمک اٹھتا ہے۔

بادشاہ یہ سنتے ہی دارا کے صوبے کی طرف روانہ ہوگیا۔ دارا نے حسب قاعدہ ایک فوجی دستے کے ساتھ بادشاہ کا شہر کے دروازہ پر استقبال کیا اس کے ساتھ اونٹ پر لدا ہوا ایک صندوق بھی تھا۔ بادشاہ نے جوں ہی اونٹ کو دیکھا اس کی آنکھیں غصہ کی وجہ سے لال ہوگئیں۔ کیوں کہ جرم صاف ظاہر تھا اس نے صندوق کے کھولنے کا حکم دیا صندوق کھولا گیا۔ اس میں سے چند پھٹے پرانے کپڑے نکلے یہ کپڑے اس زمانے کے تھے جب کہ دارا گڈریہ تھا۔ اور ان کو پہنا کرتا تھا۔ ان کپڑوں کو دیکھتے ہی سب کی گردنیں مارے شرم کے نیچی ہوگئیں۔ لیکن دارا اسی طرح سیدھی گردن کئے کھڑا رہا۔ اس نے بادشاہ سے مخاطب ہوکر کہا۔ اے بادشاہ! دیکھ میں نے تیری امانت کو ایمان داری کے ساتھ رکھا۔ اگرچہ بہت سے آدمی بڑا عہدہ پاکر مغرور ہوجاتے ہیں۔ اور دوسروں پر ظلم کرنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ کپڑے مجھے یہ یاد دلاتے رہتے ہیں کہ اے دارا اگرچہ تو آج صوبہ دار ہے لیکن غرور نہ کر کیوں کہ کسی روز تیری یہ حالت بھی تھی

یہ سن کر بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اس نے اسی رات کو دارا کی سلطنت میں دو اور صوبے شامل کر دئے

اس لئے اے ہونہار بھائیو! اور بہنو! ہم کو اس کہانی سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے اور بڑے عہدے پر پہنچ کر ہم کو مغرور نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ دارا کی طرح ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری بھی کسی روز یہ حالت تھی

(ترجمہ انگریزی)

شیام سروپ شرما مظفر نگر

بُری عادتیں اور اُن سے چھٹکارا

احمد نامی ایک لڑکا ہمارے پڑوس
ہی میں رہا کرتا تھا۔ وہ اتنا شرارتی تھا کہ محلے کے
تمام لڑکے اس سے تنگ آ گئے تھے اور
اس سے محبت کے بجائے نفرت کرتے تھے
جب وہ لڑکوں کو ستاتا، مارتا، پیٹتا تو لڑکے اس
کے والدین سے جا کر کہتے۔ پھر وہ احمد کو بلا کر
اس پر ناراض ہوتے بہتیرا مارتے۔ گالی دیتے
لیکن اس کو اثر نہ ہوتا۔ کوئی دن ایسا نہ گذرتا
کہ پانچ، سات شکائتیں اس کے گھر پر نہ پہنچتی
ہوں۔ آخر کار اس کے والدین اس سے تنگ
آ گئے۔ اور اس کہنا سنا بھی چھوڑ دیا۔ احمد صرف
شرارتی ہی نہ تھا۔ بلکہ پرلے درجہ کا گستاخ،
تندمزاج اور بدتمیز تھا۔ کھلاڑی ہونے کی وجہ
سے اکثر اسکول سے غیر حاضر رہا کرتا تھا۔ دراصل
اس میں ... بُری بُری عادتیں دن بدن جڑ
پکڑ رہی تھیں۔ یہ گھر سے پیسے زبردستی لے
لیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس
کی آنکھیں خراب ہو گئیں۔ بہت علاج کرایا۔
لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ
وہ کسی قسم کا پرہیز نہ کرتا تھا۔ ڈاکٹر کسی مضر چیز
کے کھانے کو منع کرتے تو احمد آزمانے کے
طور پر ضرور کھاتا کہ دیکھوں اس کے کھانے
سے کیا ہوتا ہے۔ والدین اس کے علاج
میں کافی خرچ کر چکے تھے لیکن اس کو کوئی
خیال نہ تھا۔ اس کے والد کئی مرتبہ ڈاکٹر
کے پاس جاتے اور کہتے کہ احمد کو ابھی تک
کوئی آرام نہیں تو ڈاکٹر کہتا کہ ہم کیا کریں۔
آپ کا لڑکا ہمارے کہنے کے برخلاف کرتا ہے
اس کو آرام کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے
والد اس پر خفا ہوتے لیکن احمد حسب عادت
کوئی خیال نہ کرتا۔ آخر ایک دن وہ احمد کو لے کر
ہمراہ لے کر ایک کامل حکیم کے پاس گئے۔ اور

اس کی تمام بیماری کا حال کہا حکیم صاحب سن کر
چپ ہو گئے۔ اور سوچتے رہے۔ پھر کہنے لگے
کہ میں اس کا علاج کرتا ہوں۔ انشاءاللہ آرام ہو جائے
گا۔ کوئی فکر نہ کیجئے۔ سب سے پہلا نسخہ یہ ہے
کہ جو پرہیز میں بتاؤں اُس کو کرنا پڑے گا۔ اگر
نہیں کر سکتے تو پھر اور کوئی دوا میرے پاس نہیں
احمد بھی پاس بیٹھا تھا۔ یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس
کے والد نے کہا آخر حکیم صاحب کون کون سے پرہیز
ہیں۔ حکیم صاحب نے آنکھوں کے متعلق جو
جو ضروری پرہیز تھے بتلا دئے۔ اس کے والد
نے کہا اچھا اس کا علاج شروع کر دیجئے
میں آپ کے کہنے پر چلنے کی اس کو ہدایت
کردوں گا۔ اور میں بھی خیال رکھوں گا۔ نسخہ
لے کر احمد اور اس کے والد چلے آئے گھر آکر
اس کے والدین نے اپنے پاس بٹھا کر اچھی
طرح سمجھایا۔ اس مرتبہ کچھ احمد کی سمجھ میں آگیا
اور اس نے وعدہ کیا کہ میں ضرور اسی طرح
کروں گا جیسے آپ فرمائیں گے۔ اب احمد
اپنے والدین کے کہنے پر تمام بری باتوں سے
پرہیز کرنے لگا۔ اور جو کچھ بھی کرتا۔ سب والدین
اور حکیم صاحب کے کہنے پر عمل کرتا۔ چنانچہ
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی آنکھیں جو تقریباً ایک سال
سے خراب تھیں۔ ایک ماہ کے اندر بالکل
ٹھیک ہو گئیں۔ اس کے والدین نے حکیم صاحب
کا شکریہ ادا کیا۔ اور خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر
بجا لایا۔ اب احمد سے تمام بُری باتیں چھوٹ گئی
تھیں وہ ایک شریف لڑکا بن گیا تھا۔ وہ لڑکے
جو اُس سے پہلے نفرت کرتے تھے اس سے
محبت کرنے لگے اور بہت نیک لڑکا تصور کرنے
لگے۔

میں اب امید کرتا ہوں کہ وہ لڑکے
جو احمد کی طرح بری باتوں اور عادتوں مبتلا
ہیں۔ اگر وہ آہستہ آہستہ ان سے پرہیز
کرتے جائیں۔ تو ضرور ہے کہ ایک نہ ایک
دن ان کا ایسی عادتوں سے قطعی چھٹکارا
ہو جائے گا۔

ملک غلام حیدر
(سیالکوٹ)

لازمی کھیل

اِس زمانے کے بہت سے ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ کھیلنا طالب علموں کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ پڑھنا۔ ایک کم تعلیم یافتہ طالب علم جس کی تندرستی اچھی ہے ایک ایسے طالب علم سے جس کے پاس ایم اے کی ڈگری ہے اور جس کی تندرستی کا یہ عالم ہے کہ جب وہ سڑک پر چلتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ ئیں اب گرا۔ اَب گرا' ہزار درجہ اچھا ہے۔

ایسے طالب علموں کی کافی تعداد ہے جنہیں محض کُتب کی ورق گردانی کے سوا دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں۔ پھر کھیل کیسا۔ ایسی حالت دیکھ کر ہمارے صوبے یعنی یوپی کے محکمہ تعلیم نے تمام ہائی اسکولوں اور کالجوں میں کھیل لازمی قرار دیا ہے بلکہ گورنمنٹ اسکولوں میں تو ہر لڑکے کو جبراً کھیلنا پڑتا ہے۔ خواہ وہ کسی وقت کھیلے بغیر کھیلے رہائی نہیں ہو سکتی۔

میں یہاں گورنمنٹ کالج میں پڑھتا ہوں کالج سے میرا مکان ذرا فاصلے پر ہے۔ میں نے پرنسپل صاحب سے کہا کہ میں کھیل میں شرکت نہیں کر سکتا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہاں کھیل لازمی ہے اور ہر لڑکے کو کھیلنا پڑتا ہے خواہ وہ کوئی سا کھیل کھیلے اور کسی وقت کھیلے۔ تم چار بجے کالج کی چھٹی ہوجانے پر گھنٹہ آدھ گھنٹہ کھیل لیا کرو" چنانچہ ہم تقریباً ۲۵ لڑکے چھٹی ہو جانے کے بعد ۴ بجے سے کھیلتے ہیں۔ ہم لوگوں نے ہاکی کھیل منتخب کیا ہے۔ اگرچہ مجھے کھیل سے کوئی خاص دلچسپی نہیں لیکن اس خیال سے کہ یہ بھی ایک ضروری چیز ہے کھیلتا ہوں اور میری صحت نہایت اچھی ہوگئی ہے۔ میں اپنے تمام ہونہار بھائیوں اور طالب علموں سے استدعا کرتا ہوں کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ کوئی کھیل ضرور کھیلا کریں۔

(محمد مبشر علی ساغر بدایونی۔ گورنمنٹ کالج اجمیر

نیکی کا پھل

حمید اور شریف ایک ہی جماعت کے طالب علم تھے۔ حمید نے امیر گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے بہت لاڈو پیار میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے اس میں وہ خامیاں پائی جاتی تھیں جو اکثر لڑکوں میں ہوتی ہیں۔ یعنی تہذیب سے دوری آداب مجلس سے ناآشنائی، علم سے پرہیز، کھیل کا شوق، ان کے علاوہ سب سے بُری بات جو اس کے اندر تھی وہ یہ کہ مغرور بہت تھا۔

یہ تمام باتیں ایسی تھیں جن سے نہ صرف طلباء و اساتذہ بری نگاہوں سے دیکھتے تھے بلکہ ہر وہ شخص جسے اس سے ملنے کا اتفاق ہوتا اپنے دل میں برا اثر لیتا تھا۔ یہی وجوہات تھے کہ اس کا کوئی دوست نہ تھا۔

شریف ایک معمولی درجہ کا لڑکا تھا لیکن اپنی قابلیت و ذہانت کی بدولت ہر دلعزیز بنا ہوا تھا۔ اس کی شرافت کے متعلق صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اسم بامسمیٰ تھا۔ شریف مذہبی فرائض بھی پابندی کے ساتھ ادا کرتا تھا۔ اور تلاوت قرآن پاک بھی اس کا ہر صبح کا مشغلہ تھا

حمید ہمیشہ شریف کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ اسے شریف کی مفلسی و ناداری کی وجہ خیال کر لیجئے یا حمید کی تمکنت و خودداری کی

اب شریف کی شرافت ملاحظہ فرمائیے اور اسکی ذہانت کی داد دیجئے۔ وہ چاہتا تو حمید کے ساتھ ویسا ہی سلوک کر سکتا تھا جیسا کہ حمید اس کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ اور اس کی شرارتوں کی کافی سزا بھی دلا سکتا تھا۔ مگر نہیں اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے اس کی جملہ خرابیوں کی اصلاح کے لئے عمدہ تدابیر اختیار کیں۔

شریف نے حمید سے دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ اور وہ رفتہ رفتہ اس مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ اساتذہ و طلباء کو گھر کے

لئے جو کام دیا کرتے تھے۔ حمید کا وہ کام شریف کر دیا کرتا تھا۔ اس طریقے سے آپس میں دوستی کی بنیاد پڑ گئی۔ اور بالآخر کافی مراسم پیدا ہو گئے یہاں تک کہ ایک کا دوسرے کے یہاں آنا جانا بھی شروع ہو گیا۔

حمید کے والد پر شریف کی شرافت کا اظہار بہت جلد ہو گیا۔ اور یہ سوچ کر کہ اس کی صحبت میرے لڑکے کے لئے بہت مفید ثابت ہو گی اس سے محبت و اخلاق کے ساتھ پیش آنے لگے۔

سالانہ امتحان کا ایک مہینہ رہ گیا اور حمید نے کتابیں کھول کر بھی نہ دیکھیں۔ اس کے پاس ہونے کے لالے تھے۔ کوئی صورت کامیابی کی نظر نہ آتی تھی۔ شریف نے اس بات کا اظہار اس کے والدین سے کیا اور کہا کہ یہ اگر دن رات میرے ساتھ رہ کر پڑھے تو ممکن ہے کہ کامیاب ہو جائے۔ حمید کے والدین نے اس بات کو بخوشی منظور کر لیا اور حمید کو ہدایت کی کہ وہ شریف کے کہنے پر عمل کرے۔

شریف نے جان توڑ کر کوشش کی اور قریب قریب تمام نصاب تعلیم حمید کو ایک مہینہ کے اندر اندر ازبر کرا دیا امتحان شروع ہو کر ختم ہو گیا نتیجہ آیا تو شریف نہایت اچھے نمبروں سے پاس تھا لیکن میاں حمید معمولی نمبروں سے۔ اس کے ہم جماعت اس کی کامیابی پر متعجب ہوئے لیکن یہ سوچ کر کہ بڑے آدمی کا لڑکا ہے سفارش سے پاس ہو گیا ہے خاموش ہو گئے۔

حمید کے والدین بہت ہی خوش ہوئے اور اس کامیابی کو شریف کی محنت کا نتیجہ خیال کر کے اسے گلے لگا لیا۔ اور کافی داد و تحسین کے بعد کچھ زر نقد بھی بطور انعام دیا۔

اس واقعہ سے ایک کو دوسرے سے ازحد انسیت پیدا ہو گئی۔ شریف کو اپنے دوست کی آیندہ زندگی کامیاب بنانے کا خیال دامن گیر ہوا۔ چونکہ زندگی کی کامیابی ایک حد تک تعلیم سے متعلق ہے اور حمید علم سے دور بھاگتا تھا اس لیے اس بات پر غور کیا گیا کہ کوئی طریقہ ایسا ہونا چاہئے جس سے حمید کو علم سے دلچسپی پیدا

ہوجائے۔ اس کے لئے یہ تدبیر کی کہ وہ حمید کو دلچسپ قصے۔ سبق آموز کہانیاں اور بڑے لوگوں کے واقعات سنایا کرتا تھا۔ اور عمدہ عمدہ کتابیں پڑھایا کرتا تھا۔ اسی طریقۂ عمل سے حمید پڑھنے میں دلچسپی لینے لگا۔

رفتہ رفتہ حمید شریف ہوگیا۔ اور شریف کے تمام عادات واطوار کا حامل بن گیا۔ اس نے۔ مذہبی معاملات میں بھی شریف کی پیروی اختیار کی اور نماز روزہ کا پابند ہوگیا۔

دو تین سال کی مدت میں حمید بالکل شریف کے رنگ میں رنگ گیا۔ جماعت ہشتم کا امتحان ہوا تو حمید شریف سے پانچ نمبر کم رہا۔ اور جماعت نہم کے امتحان میں صرف ایک ہی نمبر کی کمی رہی۔ اب دونوں کا پلہ برابر کا ہوگیا۔ اگر ایک مضمون میں شریف قابل تھا۔ تو دوسرے مضمون میں حمید۔ کوئی یہ امتیاز نہ کرسکتا تھا کہ ان دونوں میں انٹرینس میں کون زیادہ نمبروں سے پاس ہوگا۔ اس کا اظہار بھی ہوگیا۔ امتحان کا نتیجہ آیا تو حمید نے فرسٹ ڈویژن میں اور شریف سکنڈ ڈویژن میں پاس ہوا۔ اسے تقدیر کا کرشمہ کہتے یا مسلسل کوششوں کا نتیجہ۔

شریف میں اتنی وسعت نہ تھی کہ آگے تعلیم جاری رکھ سکے اس لئے ملازمت کی جستجو کرنے لگا لیکن حمید کے والد نے شریف سے سلسلہ تعلیم جاری رکھنے کو کہا۔ اور اس کے کفیل ہونے کا ذمہ لے لیا۔

حمید اور شریف دونوں دوستوں نے پچھلے ہی سال نمایاں کامیابی کے ساتھ بی اے پاس کرلیا۔ اور اب خدا کے فضل سے دونوں گریجویٹ ہیں۔

سچ ہے نیکی کا پھل ضرور ملتا ہے اور محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ہونہار بچو! تم بھی نیک بنو اور محنت سے کام لو۔

اختر رضوی
علیگڈھ

ڈاک کے ٹکٹ

میں آج تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ڈاک کے ٹکٹ کب ایجاد ہوئے۔ اور سب سے پہلے کس ملک میں اس کا رواج ہوا۔ تم اس کو بہت ہی غور سے سنو!

ڈاک کے ٹکٹ سب سے پہلے ۱۶۵۳ء میں فرانس میں ایجاد ہوئے اس کے بعد ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے اس کی ضرورت محسوس کی اور اس کو رواج دیا۔ اس کے بعد دوسری سلطنتوں نے اپنے یہاں اس کو رواج دیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے:-

انگلستان نے	۱۸۳۹ء میں	ڈنمارک نے	۱۸۵۰ء میں
بلجیم "	۱۸۴۷ء "	اٹلی "	۱۸۵۱ء "
فرانس "	۱۶۵۳ء "	ہالینڈ "	۱۸۵۲ء "
اسپین "	۱۸۴۸ء "	ناروے "	۱۸۵۵ء "
سوئٹزرلینڈ "	۱۸۴۹ء "	یونان "	۱۸۶۱ء "
پروشیا "	۱۸۵۰ء "	ٹرکی "	۱۸۶۶ء "
آسٹریا "	۱۸۵۰ء "	مصر "	۱۸۶۶ء "

بڈھے پروفیسر ٹربوس نے اتنا کہنے کے بعد اپنی سیاہ ڈائری نکالی اور کہا۔ بچو! ڈاک کا انتظام سب سے پہلے مصریوں نے کیا۔ اس کے بعد رومانیوں نے شہنشاہ آگسٹس کے زمانے میں اپنے یہاں رواج دیا۔

آفتاب احمد۔ گورکھپور

گلاب کا پھول
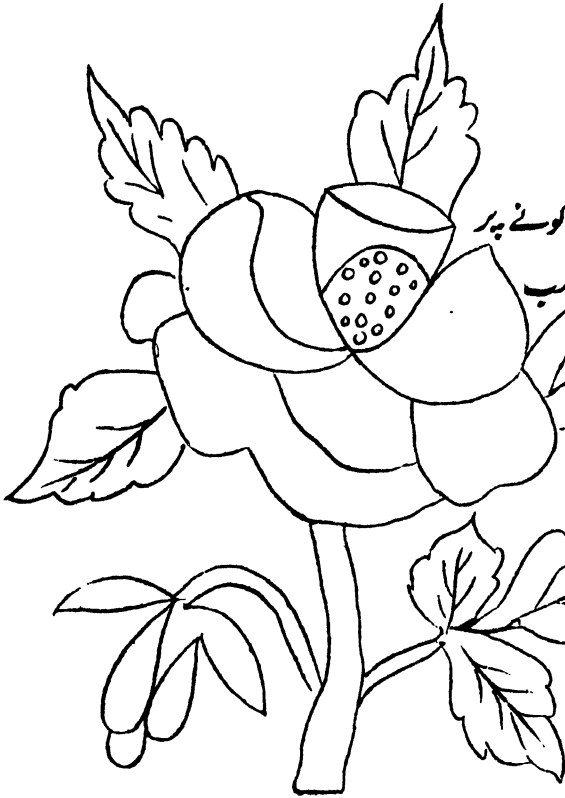
ترکیب:۔ یہ پھول تکیہ کے کونے پر بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے بہنیں حسب پسند یا حسب ذیل رنگوں سے کاڑھیں۔

پتیاں۔۔۔ سبز

پھول۔۔۔ سُرخ

۔ قدسیہ بیگم انصاری

۔ دہلی ۔

ملایا ملک کی ایک چاٹ
گاڈو گاڈو

ایک پاؤ سیر کھڑی مونگ کو ایک رات پانی میں بھگودیں۔ دوسرے دن مونگ کو دھولیں۔ اور دھوکر ایک ٹوکری میں نیچے ایک کپڑا ڈال کر اس میں مونگ کو رکھ دیں اور چار دن تک اس کو اسی طرح رکھا رہنے دیں۔ لیکن ہر گھنٹے پانی چھڑکتے رہیں۔

گلاب کا پھول
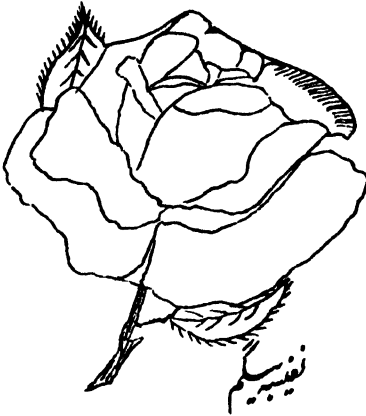
ہونہار بہنوں کے کاڑھنے کو گلاب کا ایک پھول ارسال ہے جسے پسند یا ان رنگوں سے رومال کے کونوں پر ٹریس کر کے کاڑھیں

ڈنڈی ۔۔ ۔۔ ۔۔ کاہی

پتیاں ۔۔ ۔۔ ۔۔ گلابی یا زرد

پتے ۔۔ ۔۔ ۔۔ سبز

چیری کا خوشہ
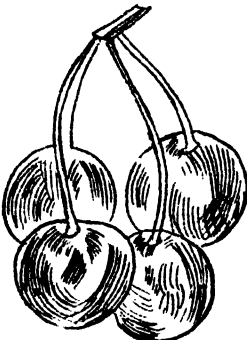
بہنیں چیری کے خوشے کو رومال کے کونے پر ٹریس کر کے ریشم سے کاڑھیں۔

ڈنڈیاں ۔۔ ۔۔ دو ڈکلر ۔ بھورا رنگ

چیری ۔۔ ۔۔ سرخ رنگ

سیدہ نفیسہ بیگم ۔ دہلوی

از پشاور

رحمدلی کا انعام

جین کا باپ مرچکا تھا۔ اور وہ اپنی غریب ماں کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں رہا کرتی تھی۔ چونکہ میں بہت غریب تھی اس کے پاس ایک گڑیا بھی نہیں تھی۔ جب وہ دوسری امیر لڑکیوں کو گڑیوں سے کھیلتے دیکھتی تو وہ اپنی غریبی پر رویا کرتی تھی۔ کرسمس کے دنوں میں بہت سے کھلونے دوکانوں میں آئے ہوئے تھے۔ جین کی ماں نے بھی اس سے کہا "چلو جین آج میں تمھیں بازار میں جو کھلونے آئے ہیں وہ دکھالاؤں اگر کھلونوں میں کوئی گڑیا سستی مل جائے تو میں تمہارے لئے خرید لوں گی۔

فلورا بھی جین کی طرح ایک غریب لڑکی تھی مگر وہ جین سے بھی ایک بات میں بدقسمت تھی۔ کہ جہاں جین کی والدہ زندہ تھیں۔ فلورا۔ مہر مادری و پدری دونوں سے محروم تھی اپنی خالہ کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ جو اس سے بہت بُری طرح پیش آتی تھی۔ اسی روز جب کہ جین بازار آئی۔ فلورا نے بھی وہیں کی راہ لی۔ فلورا نے ایک دوکان میں ایک موٹر دیکھی اور اندر داخل ہوئی۔ اور اپنی گڑیا جو کپڑے ہوئی تھی ایک جگہ رکھ کر موٹر دیکھنے میں مشغول ہوگئی کہ اتنے میں جین بھی اندر داخل ہوئی اور اس نے سامنے ہی ایسی خوبصورت گڑیا دیکھی۔ اپنی غریبی کو بھول گئی۔ اور ضد کرنے لگی کہ مجھے یہ گڑیا ضرور چاہئے۔ او جب اس کی ماں نے اُسے سمجھایا تو وہ۔ اور بھی زیادہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ فلورا نے جو یہ شور و غل سُنا تو وہ اس کے قریب گئی اور رونے کا سبب پوچھا۔ معلوم ہوا کہ جین کے رونے کا سبب اس کی گڑیا ہے۔ فلورا کا دل بھر آیا۔ اور اس نے خوشی سے وہ گڑیا جین کے حوالے

کردی۔ اور کہنے لگی۔ "جین مت روؤ۔ لو تم یہ گڑیا لے لو۔ میرے پاس اور بہت سی دوسری گڑیاں ہیں"۔ جین نے جھٹ آنسو پونچھ لئے۔ اور کھڑی ہوکر فلورا کو گلے لگا لیا۔ فلورا آہستہ سے باہر نکلی۔ اسے اس بات سے خوشی بھی تھی اور رنج بھی تھا خوشی اس بات کی کہ اس نے کسی کا دل خوش کردیا اور رنج اس بات کا کہ اس کے پاس ایک ہی گڑیا تھی۔ ایک آدمی یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ جب فلورا باہر نکلی تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ اور اس کا پتہ پوچھکر کہا "ننھی فلورا شاید کل میں تمہارے گھر پر تم سے ملنے آؤں"۔
دوسرے دن فلورا باورچی خانہ میں برتن دھو رہی تھی۔ کہ ایک بڑی موٹر سامنے آکر رکی۔ سر ولیم بہت دیر تک ہال میں فلورا کی خالہ سے باتیں کرتے رہے۔ پھر فلورا کو بلوایا گیا۔ جوں ہی وہ اندر داخل ہوئی۔ سر ولیم نے اسے اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اور اپنی بڑی موٹر میں لے گئے۔ "فلورا ننھی فلورا میری لڑکی۔ سر ولیم نے کہا"۔ آج سے تم میری لڑکی اور وارث ہو۔ میں بہت دنوں سے کسی بچہ کی تلاش میں تھا۔ چوں کہ میرے کوئی بچہ نہیں جو میرا وارث ہو۔ کل جب میں نے اتنی غریبی کی حالت میں بھی تمہاری رحمدلی دیکھی۔ تو اسی وقت میں نے عہد کر لیا کہ یہ لڑکی میری ریاست کی وارث ہوگی"۔

اب فلورا "لیڈی فلورا ولیم کین" ہے اور ویسی ہی رحمدل ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر۔ ہر کرسمس ڈے پر فلورا غریب لڑکیوں میں گڑیاں تقسیم کرتی ہے۔ مگر اسے اتنی خوشی کبھی حاصل نہیں ہوتی۔ جو کئی سال پہلے ہوئی تھی۔

دولت خانم بنت حاجی عبداللہ ہارون
کراچی

لطیفہ

ماں خاموش رہو تمھیں بالکل پیاس نہیں لگی ہے۔
بیٹی لیکن میں پانی پینا چاہتی ہوں مجھے شدت کی پیاس ہے
ماں اگر خاموش نہ رہو گی تو میں اٹھ کر بید لگاؤں گی
بیٹی میری امی! اس بید کے ساتھ گلاس میں پانی بھی ضرور لانا

راقمہ حمیدہ ۔ از رنگون

(بقیہ صفحہ...) تاکہ ہر وقت تر رہے۔ چار، پانچ دن کے بعد جب اس کی جڑیں نکل آویں۔ اور کم از کم دو یا تین انچ ہو جاویں، تو مونگ کو دھو کر چھلکا صاف کریں۔ اس کے بعد پانی میں جوش دے کر اس کو ایک ٹوکری میں رکھ دیں۔ تاکہ پانی نکل جاوے اور کچھ خشک ہو جاوے۔ اس کے بعد پیاز اور ہری مرچیں کاٹ کر گھی یا روغن میں بھونیں۔ اس میں دو انڈے بھی بھونیں۔ اور اگر ہو سکے تو تھوڑا سا قیمہ بھی ڈالدیں۔ جب خوب بھن جاوے تو مونگ کو بھون کر اس میں ڈالدیں اور نمک حسب ضرورت ڈالیں۔ اس کے بعد اس کو خواہ روٹی سے کھائیں خواہ سادہ کھائیں۔

نوٹ - میری پیاری بہنو! اگر یہ چاٹ آپ کو پسند ہوئی تو میں دوسری باتیں بھی ہمیشہ لکھتی رہوں گی۔ میں اپنے والد کے ہمراہ تمام دنیا میں گھومتی ہوں۔ جگہ جگہ کے دلچسپ حالات بھی لکھتی رہوں گی۔

نورالنسا بیگم - از سیلون

رسالہ ہونہار کا سالگرہ نمبر

نیا سال آیا مبارک ہو بہنو
یہ تاسیس نمبر مبارک ہو تمکو

مری پیاری بہنو رہو خوش ہمیشہ
یہ پرچہ تمہارا ہے بھولو نہ اس کو

ترقی ہو، دن دونی اس کو خدایا
اور اس کی ترقی مبارک ہو تمکو

اشاعت بڑھاؤ کہ ہے فرض تم پر
یہی کامیابی کا ہے راز دیکھو

دعائیں ہوں ایزدی یہ پوری ہماری
رہے حشر تک ہونہار اپنا جاری

- ایزدی لکھنؤ۔

آپس کی باتیں

رسالہ ہونہار کی ترقی خدا کا شکر ہے کہ رسالہ ہونہار کو جاری ہوئے دو سال گزر گئے اور اب تیسرا سال شروع ہو رہا ہے۔ اس قلیل عرصہ میں جو اس نے ترقی کی ہے اس کا کچھ اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے تقریباً تمام مشہور اخبارات اور رسائل نے اس کی تعریف کی ہے اور ہندوستان کے بہت سے تعلیمی محکمے اس کو اپنے مدارس اور لائبریریوں کے لئے منظور فرما چکے ہیں۔ ہر قوم اور ہر فرقے کے لوگ اسے پسند کرتے ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے یہ پرچہ بہت ہر دلعزیز ہو چکا ہے اور ہمیں نہایت خوشی ہے کہ ہم آج اس کا سالگرہ نمبر شائع کر رہے ہیں۔

سالگرہ نمبر کے مضامین سالگرہ نمبر کے تقریباً تمام مضامین اور نظمیں نہایت مفید اور دلچسپ ہیں۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی کا ڈرامہ دیانت نہایت خوب ہے جو خاص طور سے بچوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ اسکولوں کے طلبہ بجائے خراب نقلوں کے اگر اس ڈرامہ کو اسٹیج کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ حضرت نشتر بلرامی سے رسالہ ہونہار کے ناظرین بخوبی واقف ہوں گے آپ کو جلد نظم لکھنے میں کمال حاصل ہے۔ بعض دفعہ تو ایسا ہوتا ہے کہ آپ دفتر رسالہ ہونہار میں تشریف لاتے ہیں اور چند ساعتوں میں ہونہار کے لئے نظم تیار کر دیتے ہیں۔ آپ نے شروع ہی سے رسالہ ہونہار کی امداد فرمائی ہے۔ اس مرتبہ اُن کا ایک نہایت دلچسپ مضمون مرغ مسلم شائع کیا جا رہا ہے کبڑا شہزادہ۔ لاہور کے مشہور جرنلسٹ ایم اسلم کی لکھی ہوئی کہانی جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ نتیجہ خیز بھی ہے۔

نپولین کا آخری سانس ۔ جناب محمد یٰسین صاحب بی اے بی ٹی دہلی کا مضمون نپولین بوناپارٹ ایک عرصہ سے سلسلہ وار رسالہ ہونہار میں شائع ہو رہا تھا۔ اس مرتبہ انھوں نے نپولین کے عروج و زوال کے مختصر حالات بیان کر کے اُس کی زندگی کے آخری واقعات تحریر فرمائے ہیں جو یقیناً ہونہار بھائیوں اور بہنوں کے لئے مفید ہوں گے۔

بدی کا بدلہ نیکی ۔ جناب ثناء اللہ صاحب اکثر انگریزی کتابوں سے ترجمہ کر کے رسالہ ہونہار کے لئے نہایت مفید مضامین بھیجتے ہیں۔ آپ کا ترجمہ نہایت سلیس اور عمدہ ہوتا ہے۔ اس نمبر میں اُن کا مضمون بدی کا بدلہ نیکی شائع ہو رہا ہے۔

فیشن کی کرامات ۔ یہ مضمون جے رتن صاحب متعلم۔ لاہور کا لکھا ہوا ہے۔ آپ کے مضامین نہایت اچھے ہوتے ہیں پچھلے سال رسالہ ہونہار کے انعامی مقابلے میں ملک غلام حیدر صاحب سیالکوٹی کو انعام دیا گیا اس سال جے رتن صاحب کو انعام اوّل کا مستحق سمجھا گیا ہے۔ ہم اپنے ہونہار بھائی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

نظمیں سالگرہ نمبر کی نظمیں بھی بہت خوب ہیں۔ رسالہ ہونہار کی سالگرہ۔ میاں محمود کا امتحان۔ علم و ہنر کی راہ اے ہونہار بچو۔ بلی۔ وغیرہ تمام نظمیں بہت خوب اور دلچسپ ہیں۔ امید ہے کہ رسالہ کے ناظرین ان سے لطف اندوز ہوں گے

آخر میں ہم ان تمام مضمون نگار بزرگوں، بھائیوں اور بہنوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو رسالہ ہونہار کے لئے وقتاً فوقتاً مضامین لکھتے رہتے ہیں اور جنہوں نے سالگرہ نمبر کو کامیاب بنانے کے لئے اچھے اچھے مضمون لکھ کر بھیجے ہیں

ایڈیٹر

تصحیح ۔ کاتب کی غفلت سے اس مرتبہ صفحات کے نمبروں میں کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ مہربانی فرما کر صفحہ ۳۶ کا بقیہ مضمون صفحہ ۴۴ پر دیکھیں اور صفحہ ۸۵ کا بقیہ صفحہ ۸۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اڈیٹر کی طرف سے خط

میرے ہونہار بھائیو اور بہنو

نیا سال یعنی ۱۹۳۲ء شروع ہوگیا ہے اگرچہ ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس سال میں ہندوستان میں بدامنی اور بے چینی رہے گی لیکن خدا سے دعا ہے کہ وہ یہ سال ہم سب کے لئے مبارک کرے اور ہم سب بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رہیں۔

تم نے دیکھا کہ تمھارا رسالہ ہونہار اب کتنی ترقی کر رہا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے وہ اب اس قابل ہوگیا ہے کہ اپنا سالگرہ نمبر آپ کو تحفتاً پیش کر رہا ہے۔ اگر تمہیں واقعی یہ رسالہ پسند ہے تو اپنے دوستوں اور عزیزوں کو اس کا خریدار بناؤ۔ یاد رکھو جتنے خریدار اس کے بڑھتے جائیں گے اتنا ہی یہ رسالہ بہتر ہوتا جائے گا۔

جن بہن اور بھائیوں کے مضامین اس نمبر میں شائع نہیں ہوئے۔ وہ شکستہ دل نہ ہوں۔ انشاء اللہ ہم اگلی اشاعت میں ان کو شائع کردیں گے بعض مضامین تو طویل ہونے کی وجہ سے شائع نہیں کئے گئے بعض بہت دیر میں موصول ہوئے بعض رسالہ ہونہار کے معیار کے مطابق نہیں تھے اس لئے نہیں چھاپے گئے۔ امید ہے کہ آیندہ تم ان سب باتوں کا خیال کرتے ہوئے مضامین لکھو گے

رمضان المبارک کا مہینہ آگیا ہے میرے بہت سے بھائی، اور بہنیں اپنے آقا اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے روزے رکھ رہی ہوں گی۔ میں ان کو مبارک باد کا تحفہ پیش کرتا ہوں کہ خدا نے ان کو برکت والا مہینہ دکھایا۔

دنیا کی کوئی قوم نہیں جو کسی نہ کسی طرح روزے نہ رکھتی ہو۔ روزے رکھنے کا مقصد یہ ہے۔ انسان، بری باتوں سے بچنا۔ اچھی عادتیں اختیار کرنا غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا اور اپنے پروردگار کا حکم ماننا سیکھے اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر بری باتیں زبان سے نکالتا ہے گالی بکتا ہے چغلی کھاتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ دوسروں کو دھوکا دیتا ہے۔ لوگوں کو ستاتا ہے۔ اپنے پروردگار کے حکم کی پرواہ نہیں کرتا تو ایسا روزہ اس کے کسی کام نہ آئے گا۔

بعض لڑکے روزوں کے زمانے میں تاش اور شطرنج کھیلتے ہیں۔ بائسکوپ اور تھیٹر جاتے ہیں اور گالیاں بکتے ہیں اگر وہ روزوں کا ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ باتیں چھوڑ دینی چاہئیں۔ زیادہ سے زیادہ نیکی اور خیرات جو تم سے ہو سکے کرو۔ اپنے غریب لنگڑے لولے، اپاہج بھائیوں کی خبر لو۔

آخر میں میں پھر دعا کرتا ہوں کہ خدا تم لوگوں کو نیا سال مبارک کرے اور تم اپنے تمام مقاصد میں کامیاب ہو۔ آمین۔

(اڈیٹر)

تنقید

بچوں کے ڈرامے اردو ڈرامہ نویسی میں اصلاح ہو رہی ہے لیکن بچوں کے لئے سرے سے اچھے ڈرامے موجود ہی نہ تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ یا تو مدرسوں کے بچے ادھر ادھر کی نقلیں کر لیا کرتے تھے یا پرانی قسم کے غیر مفید ڈرامے اسٹیج کرتے تھے۔ خوشی کی بات ہے کہ مکتبہ جامعہ دہلی نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور بچوں کے لئے ایسے استادوں سے ڈرامے لکھوائے جو بچوں کے جذبات، احساسات اور رجحانات سے اچھی طرح واقف ہیں اور جنہیں بچوں کی فلاح و بہبود کا خیال رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کے ان ڈراموں میں ذیل کی باتیں نمایاں ہیں۔

(۱) عبارت غیر مُقفّیٰ اور روزانہ کی زندگی سے تعلق رکھنے والی ہے (۲) بے موقع اشعار اور گانوں سے پرہیز کیا گیا ہے (۳) عورت کا پارٹ نہیں ہے (۴) اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ اس کے اسٹیج کرنے والے مدرسے کے لڑکے ہیں۔

مندرجہ ذیل چار ڈرامے محمد عبد الغفار صاحب مدھولوی نگران تعلیمی، مرکز نمبر ۱ جامعہ دہلی کے لکھے ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ ڈرامے طلبہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔

۱۔ قوم پرست طالب علم ۔ بچوں میں متحدہ قومیت، حب وطن۔ ایثار۔ راستبازی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک اکو کا کریکٹر خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ ٹائٹل ہیبج رنگین ہے۔ قیمت ۴ر

۲۔ اسکول کی زندگی ناگنا تھن کے مشہور قصے کو ڈرامے کی صورت میں نہایت دلچسپ طریقے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ضرورت سے زیادہ شرارت اور اس کے ٹھیک طریقے سے استعمال نہ ہونے کا انجام نہایت خوبی سے دکھایا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

۳۔ بچوں کا انصاف خلیفہ ہارون رشید کے زمانے کا مشہور قصہ ہے۔ حسن خواجہ علی خواجہ کی اشرفیاں غائب کر دیتا ہے۔ مقدمے کے وقت لوگوں کو اطلاع ہوتی ہے۔ لڑکے اس مقدمہ کی نقل کرتے ہیں، اور اپنی فراست سے اصلی مجرم کو سزا دیتے ہیں۔ لکھائی چھپائی نہایت اچھی ہے۔ قیمت ۴ر

۴۔ محنت یہ محمد عبد الغفار صاحب مدھولوی کا تازہ ڈرامہ ہے۔ اس ڈرامہ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ نااہل کو روپیہ دینے سے وہ ٹکے کس طرح برباد کر دیتا ہے اور دوسری طرف یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک غریب فقیر کا لڑکا محنت و مشقت کرکے رفاہ عام کے کام کرتا ہے اور کامیاب زندگی بسر کرتا ہے۔ ٹائٹل ہیبج رنگین، بلاک سے چھپا ہوا اس ڈرامے کے ایک منظر کو ظاہر کرتا ہے۔ قیمت ۴ر ۔ یہ سب ڈرامے مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی سے طلب کیجئے۔

بچوں کا کتب خانہ

کاریگری تمام مفید اور اہم صنعتوں کے حالات چاقو، دیا سلائی، پن، سوئی، پیچک، کپڑا بننے کی مشین، فینٹ، چائے، پتھر کا کوئلہ، بوٹ، گڑ، شکر، چینی، قفل اور چینی کے برتن بننے کے حالات بہت دلچسپ انداز میں۔ قیمت ۱۲؍

سیاحوں کی کہانیاں امریکہ اور آسٹریلیا کے دور و دراز براعظم اور قطب شمالی۔ دریائے نیل کے منبع اور تبت کے پایۂ تخت لاسہ جیسے خطرناک مقامات پر پہلے پہل انسانی قدم کب اور کس طرح پہونچا اور انسان نے بحر اور بر پر یہ عظیم الشان فتوحات کب اور کس طرح حاصل کیں۔ قیمت ۱۲؍

بن باسی رستم جنگل بک کی ایک کہانی کا ترجمہ دہلی کی با محاورہ زبان میں جو بہت سے مدرسوں میں بطور کورس کے پڑھایا جاتا ہے قیمت ۶؍

بہار کے پھول حضرت حفیظ کی اُن بیس دلآویز نظموں کا مجموعہ جو اخبار پھول میں چھپ کر بے حد پسند کی جا چکی ہیں۔ قیمت ۸؍

پرستان پریوں کا شیش محل، لال کی تلاش گنبد بادشہزادی اور میاں ٹھنگن کی کہانیاں ایسی ہیں کہ ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ پنکھیا شہزادے کی کہانی، سمندر کی سنہری پری، سوئیوں والے سوداگر پڑھنے کے قابل کہانیاں ہیں قیمت حصہ اول ۱۲؍ دوم ۱۴؍

پڑوس کے ستره پاجی سولہ صفحے کا رسالہ ہے اس میں کڑ۔ مکڑیوں چیونٹیوں، مکھیوں، مرغیوں۔ کھٹملوں، جھینگروں وغیرہ کے نہایت دلچسپ حالات ہیں۔ پڑھنے کی چیز ہے۔ قیمت ۲؍

لڑائی کا گھر ۔ ضخامت ۵۵ صفحے۔ قیمت ۶؍ اس میں حسب ذیل مضامین ہیں توپ خانہ ۔ بندوق ۔ مکھی کا میدان جنگ۔ مچھر کا اعلان جنگ۔ بم۔ جرمن شہزادے کی لاش۔ ہوائی جہاز۔

اردو سکھانے کے مضامین اس کتاب میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے وہ چوٹی کے مضامین ہیں جن کے پڑھنے سے خود بخود اردو نویسی کی مہارت ہوتی ہے۔ قیمت ۶؍

اولاد کی تربیت۔ نہایت اچھی کتاب ہے۔ قیمت ۱۲؍

مسلمان بچوں کے دس سبق۔ قیمت ۳؍

حیات جوہر از حضرت نشتر بلرامی مولانا محمد علی مرحوم کی مکمل اور باتصویر سوانحعمری۔ قیمت ۸؍

پھول باغ ۔ ۱۴۱ نظمیں بچوں کے لئے، قیمت ۱۲؍ ۴ پائی

موت کا راگ۔ نہایت دلچسپ کہانی۔ قیمت ۳؍

یہ سب کتابیں ملنے کا پتہ

کتبخانہ شرکت ادبیہ قرولباغ دہلی

رسالہ ہونہار کا خریدار بننے سے فائدے

۱۔ آپ کے مضامین رسالے میں شائع ہوں گے۔ بار بار مضامین لکھنے سے۔ آپ کی قابلیت بڑھ جائے گی۔

۲۔ رسالہ ہونہار کے لئے اچھے مضامین لکھنے پر آپ کو انعام ملے گا۔

۳۔ رسالہ کے معمے حل کرنے پر آپ ہر مہینے انعام حاصل کر سکتے ہیں۔

۴۔ مضمون نگاری کے سالانہ انعامی مقابلے میں اول آنے پر آپ چاندی کا تمغہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور آپ کا فوٹو رسالہ میں شائع کیا جائے گا

۵۔ اس کے ایک سال تک متواتر مطالعہ کرتے رہنے سے آپ کی قابلیت انٹرنس کلاس کے طلبہ کے برابر ہو سکتی ہے۔

۶۔ اس کے مطالعہ سے آپ کی معلومات بہت وسیع ہو جائیں گی اور آپ اپنے ساتھیوں سے آگے نکل جائیں گے

۷۔ رسالہ ہونہار کے خریدار بننے پر آپ بہت بڑے بڑے انعام مثلاً عمدہ کلائی میں باندھنے کی گھڑی جیبی گھڑی۔ فاؤنٹین پین اور کتابیں وغیرہ حاصل کر سکتے ہیں۔

۸۔ چند شرائط کے ماتحت آپ کا فوٹو رسالہ میں شائع ہو سکتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ آپ کے یہاں کے تمام مرد و عورت، لڑکے اور لڑکیاں اس رسالے کو پڑھ کر اور اس کی تصاویر دیکھ کر خوش ہوں گی۔ اس لئے آپ اس رسالے کے ضرور خریدار بن جائیے۔ اور مبلغ تین روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر رسالہ ہونہار دہلی کو بھیج دیجئے۔

"منیجر"

بچوں کا کُتب خانہ

اِسکول کی زندگی

(ڈرامہ) یہ ڈرامہ خاص طور پر بچوں کے لئے لکھا گیا ہے جس میں ہندوستانی مدرسوں کی زندگی بتائی گئی ہے۔ اچھے اور شریر طالب علموں کا خوبی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور ان کے نتائج دکھائے گئے ہیں۔ یہ ڈرامہ جامعہ کے بچوں نے اسٹیج پر کیا تھا جو بہت پسند کیا گیا قیمت [illegible] ہے

قوم پرست طالب علم

(ڈرامہ) بقول معارف بچوں کے کھیلنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ اس میں [illegible] قومیت [illegible] راستبازی وفاداری اور بالآخر کامیابی [illegible] نہایت دلچسپ طریقے سے دکھائے گئے ہیں اور طلب [illegible] پیدا کرنے میں یہ ڈرامہ یقیناً کامیاب ثابت ہوگا۔ قیمت ۴ر

بچوں کا انصاف

(ڈرامہ) [illegible] الف لیلہ کا ایک قصہ ہے۔ بچوں نے خیانت کا مقدمہ اس طرح فیصل کیا کہ خلیفہ ہارون رشید بھی دنگ رہ گیا۔ یہ بچوں کا ڈرامہ بچوں ہی کی زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت صرف ۴ر

دُنیا کے بسنے والے

حبشیوں، امریکہ کے پرانے باشندے بدوعربوں، افریقہ کے بونوں اور جاپان، ہوٹنٹاٹ [illegible] اور ان ملکوں کے لوگوں کے حالات درج ہیں جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے۔ کتاب میں تقریباً ۵۰ تصویریں ہیں جن میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ انھیں دیکھکر ہنسی ضبط کرنا محال ہے۔ قیمت صرف ۶ر

ترکوں کی کہانیاں

اس کتاب میں ترک بچوں کی بہادری اور ہمت و جرأت کی چند صحیح اور سچی کہانیاں ہیں جن کے پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور ان ترک بچوں کی طرح سے وہ بھی ہمت اور بہادر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ قیمت صرف ۴ر

ہمارے نبی

یہ رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح عمری نہایت دلچسپ طرز بیان میں لکھی گئی ہے۔ زبان نہایت سادہ ہے قیمت ۱۲

نبیوں کے قِصّے

مشہور رسولوں نبیوں کے مختصر حالات۔ زبان نہایت سلیس اور سادہ۔ انداز بیان نہایت دلکش ہے قیمت ۶ر

محصول ڈاک بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ

کتبخانہ شرکتِ ادبیہ قرولباغ دہلی

باہتمام فیاض حسین نسیم پرنٹر و پبلشر جامعہ ملیہ برقی پریس صدر بازار دہلی میں طبع ہو کر دفتر رسالہ ہونہار سے شائع ہوا